The Life of William Carey

by

S. M. SINGH

ولیم کیری

ایک مایۂ ناز مسیحی مشنری و مُصلح کی سرگذشت

•

ایس۔ ایم سِنگھ

THE LIFE OF WILLIAM CAREY

BY

S. M. SINGH

ولیم کیری

ایک مایۂ ناز مسیحی مشنری و مُصلح کی سرگذشت

ایس۔ایم سِنگھ

پنجاب رلیجس بُک سوسائٹی

انارکلی۔لاہور

تعداد ۱۰۰۰ ۱۹۶۱ء بار اول

ولیم کیری

ایک مایۂ ناز مسیحی مشنری و مُصلح کی سرگزشت

جس نے
اپنے آقا و مولا خداوند یسُوع مسیح کا جامِ محبّت پی کر سرزمین ہند
میں اس قدر خدمات انجام دیں کہ اُن کا اثر تمام ایشیا بلکہ
ساری دُنیا پر پڑا۔

مُصنّفہ

ایس۔ ایم۔ سِنگھ مرحُوم

ناشران

پنجاب ریلیجس بُک سوسائٹی

انارکلی لاہور

بار اوّل — ۱۹۶۰ء — تعداد ۱۰۰۰
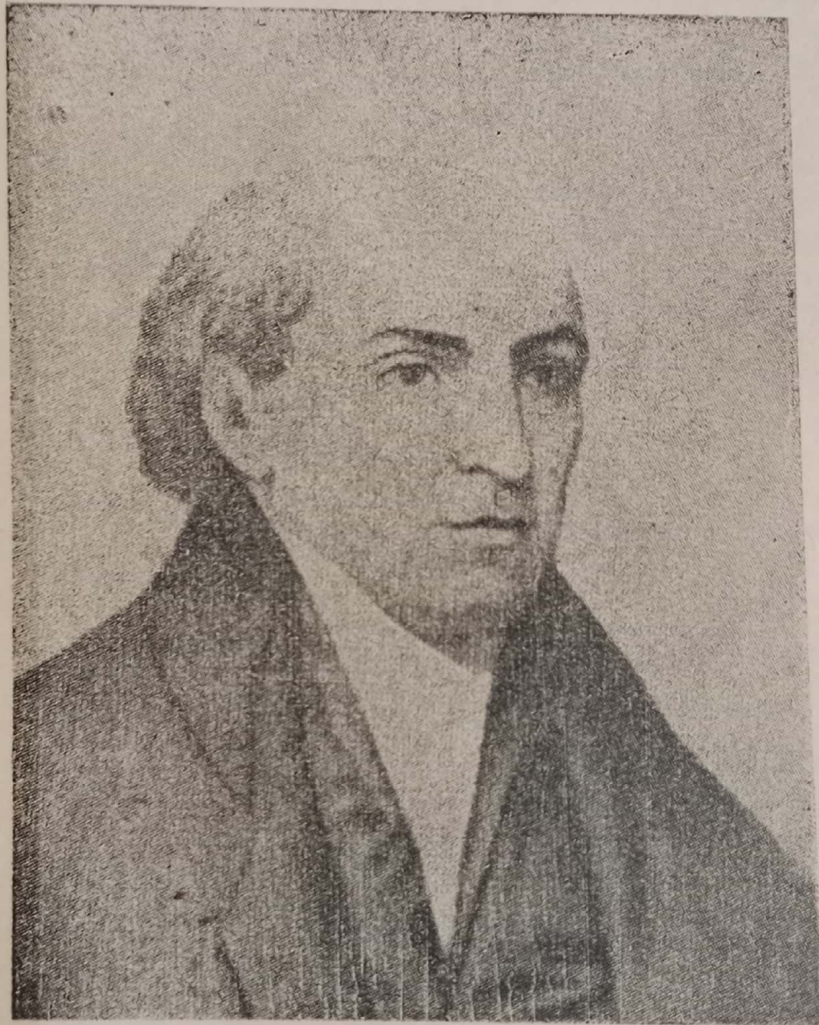
ولیم کیری ایک مایۂ ناز مشنری و مصلح

ولیم کیری کی آخری آرام گاہ

تعارف

ولیم کیری کی زندگی کی سرگزشت شروع سے آخر تک ایک نہایت ہی پُرلطف، خیال آفریں اور نصیحت آموز کہانی ہے یہ ایک ایسی زندگی کی رُوئیداد ہے جو تمام و کمال اپنے خداوند کی محبت کی قربان گاہ پر قربان ہو چکی ہے۔

پولوس اور برنباس کی مانند کیری کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے کہ اُس نے "اپنی جان ہمارے خُداوند یسوع مسیح کے نام پر نثار کر رکھی ہے۔" ولیم کیری کے سوانح حیات کے مطالعہ سے از سرِ نو یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ جو کوئی خُدا پر کامل بھروسہ کئے ہوئے اپنی کُل زندگی اور شخصیت اُس کے سپرد کر دیتا ہے خُدا بھی دینی اور دُنیوی برکتوں سے اُس کا دامن بھر دیتا ہے، اور اُس کی زندگی کو بہتوں کے لئے باعثِ برکت بناتا ہے۔

ولیم کیری کو خُدا نے ہر قسم کی ذہنی۔ قلبی اور رُوحانی خوبیوں سے آراستہ کیا ہُوا تھا۔ اگر اُسے متصف بہ ہمہ صفات کہا جائے تو ذرا بھی مُبالغہ نہ ہوگا۔ اُس نے ان تمام قابلیتوں کو شروع ہی سے اپنے خُداوند کی نذر کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر قسم کی مُصیبتوں اور مُخالفتوں کے باوجود اپنے مقصد اور مشن میں کامیاب ہوتا رہا۔ شخصی اور خاندانی مُشکلات اُس کے ارادوں و تبدیل نہ کر سکیں۔۔ مالی دِقتیں اور روکاوٹیں اُس کے استقلال میں ذرا بھی تذبذب پیدا نہ کر سکیں۔ سرکاری قوانین کی پابندیاں اُس کے راستوں کو مسدُود کرنے سے قاصر رہیں۔ غیر مسیحیوں کی سختیاں اُسے مرعُوب کرنے میں ناکام ثابت ہُوئیں۔ اُس نے خُدا کے بیٹے کی زندگی میں خُدائے ذوالجلال کی عالمگیر محبّت کی رویا دیکھی اور اس طرح اُس نے تمام دُنیا کو انجیل کی بشارت سُنانے کا قصد کر لیا۔ ایسے شخص کو بھلا کون سی طاقت روک سکتی ہے؟ ولیم کیری نے ہندوستان میں جو وسیع۔ گوناگوں اور قابلِ قدر ادبی۔ مجلسی۔ تعلیمی۔ مذہبی

اور رُوحانی خدمات انجام دی ہیں اور جو فتوحات مسیح کے نام میں حاصل کی ہیں وُہ پولُوس رسُول کے قول کی صحیح تفسیر ہیں کہ "جو مجھے طاقت بخشتا ہے اُس میں مَیں سب کچھ کر سکتا ہُوں"۔

مسٹر ایس۔ ایم سنگھ صاحب نے بڑی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ یہ کتاب "ولیم کیری" تیار کی ہے۔ اس زمانہ میں جبکہ ہند و پاکستانی کلیسیا ایک مشنری کلیسیا بننا چاہتی ہے، تو ان حالات میں اس کو ایسے خادموں کی ضرورت ہے جو خداوند مسیح کے واسطے تمام بنی نوع انسان کو حقیقی معنوں میں اُس کا پیغام دے سکیں ایسی کتاب کا ظہور پذیر ہونا جس میں ایک مخصوص شُدہ زندگی کے ایمان۔ استقلال اور شہادت کے کارنامے ایک نہایت ہی دلچسپ اور جاذب پیرایہ میں بیان کئے گئے ہوں ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ کتاب ہذا کلیسیا میں نظرِ تحسین سے دیکھی جائے گی اور تمام جماعت کے لئے، بالخصوص خادمانِ دین اور مُبشّرین کے لئے مُفید ثابت ہوگی۔ ہماری دُعا ہے کہ خُدا اپنی کلیسیا میں اور بھی بہُت سے ایسے نوجوان پیدا کرے جو علم دوست اور صاحبِ قلم ہوں اور وُہ اپنی قابلیتوں کو اُس کے جلال کے لئے صرف کریں۔

خادم
ایس۔ این۔ طالب الدین
پرنسپل نارتھ انڈیا یُونائیٹڈ تھیولاجیکل کالج۔ سہارنپور

فہرست

دیباچہ

ولیم کیریؔ نے سیاست تعلیم۔ ادب۔ سائنس اور مذہب کی جو خدمات ہندوستان میں انجام دی ہیں اُن کا ذکر کتاب کے دیباچہ میں کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس بزرگ ہستی کی اُن وسیع خدمات کا بالتفصیل بیان کرنا ہی موجودہ کتاب کا مقصد ہے۔ ناظرین اس کتاب کے مطالعہ سے خود ہی معلوم کریں گے کہ ولیم کیریؔ نے اپنی چالیس۴۰ سالہ خدمتِ ہند کے دوران میں ان شعبوں میں کیا کیا خدمات انجام دی ہیں اور ان خدمات کے لئے کیا کیا ذرائع اختیار کئے ہیں۔ اگر ایک طرف فورٹ ولیم کالج میں ہندوستان کے زمانہ مستقبل کے حکمران اُس کے زیرِ تعلیم رہے اور اُس کے سیکھے ہوئے اصولوں پر عامل ہوئے اور اس طرح اُس کا اثر اُن کی وساطت سے ہندوستان کی سیاست پر پڑا تو دوسری طرف مرتونجے ودیا لنکار اور رام رام باسو جیسے عالم پنڈتوں سے اُس کے تعلّقات تھے جن کے ذریعہ وہ ہندوستانی ادب پر اثر انداز ہوا۔ پھر کلکتہ میں غریب ہندو بچّوں کی مفت تعلیم کے لئے متعدد پرائمری مدارس قائم کر کے کیریؔ نے تعلیم کے جس نظام کی بنیاد ڈالی وہ نظام آج تک اس مُلک کے طول و عرض میں رائج ہے۔ کیریؔ نے دختر کُشی اور ستی جیسی ظالمانہ اور سفّاکانہ رسوم کے خلاف جدّوجہد کر کے ان ننگِ انسانیّت جرائم کی بیخ کُنی کی اور اس طرح غیر منقسم ہندوستان پر جو احسان کیا اُس کے بارے اہلِ ہند کسی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ علاوہ بریں "ایگریکلچرل اینڈ ہارٹی کلچرل سوسائٹی آف انڈیا" (AGRICULTURAL AND HORTICULTURAL SOCIETY OF INDIA) کی داغ بیل ولیم کیریؔ نے رکھی اور بنگالی زبان کو ایک ادبی حیثیت بھی اُسی نے دی۔ مشرق کی پہلی چھاپنے کی مشین بنگال میں اُسی کے ہاتھوں نصب ہوئی۔ ہندوستان کا پہلا رسالہ "دِگ درشن"۔ پہلا بنگالی اخبار "سماچار درپن" اور پہلا انگریزی رسالہ "فرینڈ آف انڈیا" (FRIEND OF INDIA) تمام

ولیم کیریؔ ہی کی زیرِ سرپرستی معرضِ وجود میں آئے۔ ہندوستان کی چالیس سے زیادہ زبانوں کے ٹائپ کیریؔ ہی نے اپنے کارخانہ میں تیار کرائے اور ہندوستان کی پہلی کاغذ بنانے کی مشین بھی اُسی نے نصب کی۔ نیز آج اس وسیع برّ اعظم میں صرف سیرامپور ہی ایسا تعلیمی ادارہ ہے جس کو ایک باضابطہ یُونیورسٹی کی طرح امتحان لے کر ڈگریاں دینے کا اختیار ہے۔ یہ کالج بھی ولیم کیریؔ ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ غرضیکہ یہ کہنا قطعی مبالغہ آمیز نہیں ہے کہ ولیم کیریؔ نے تن تنہا ہندوستان کے حق میں جو خدمات انجام دی ہیں وُہ شائد ہی کسی اور فردِ واحد نے انجام دی ہوں۔

کتاب ہذا مرحوم ڈاکٹر جارج سمتھ صاحب سی۔ آئی۔ ای۔ ایل ایل۔ ڈی کی انگریزی کتاب موسومہ "دی لائف آف ولیم کیریؔ" اور سموایل پیٹرس کیری صاحب ایم۔ اے کی کتاب "ولیم کیری ڈی۔ ڈی۔ ایف۔ ایل۔ ایس" کا ماحصل ہے لیکن موجُودہ کتاب کو اُن سوانح حیات میں سے کسی کا مُستند ترجمہ نہیں کہا جاسکتا۔ ان کتابوں میں سے صرف وُہی حصّے اخذ کئے گئے ہیں جو ضرُوری ہونے کے علاوہ اُردو دان حضرات کی دلچسپی کا باعث ہو سکتے تھے۔ ان تمام معلُومات کو ترتیب دینے میں یہ خیال رکھا گیا ہے کہ ہر ایک باب علیحدہ علیحدہ ولیم کیریؔ کی زندگی کے کسی نہ کسی پہلُو کا ایک مکمّل آئینہ بن جائے۔ اس خاص ترتیب کی اصل وجہ یہ ہے کہ ولیم کیری نے اپنی زندگی میں اس قدر وسیع خدمات انجام دی ہیں کہ اگر اُن کے بیان میں تاریخ کا لحاظ رکھا جاتا اور تاریخ وار اُس کی متعدّد سرگرمیوں اور کارگزاریوں کا ذکر کیا جاتا تو ناظرین کے لئے ولیم کیریؔ کے کردار کا صحیح اندازہ لگانا مُشکل ہو جاتا۔

ڈاکٹر ولیم کیریؔ کی خدمت کا دائرہ صُوبۂ بنگال تک ہی محدُود نہ تھا بلکہ آج اُن خدمات کا اثر نہ صرف ہندوستان اور ایشیا بلکہ تمام دُنیا میں پھیل چُکا ہے اور یہ عین واجب اور مُناسب ہے کہ ایسے شخص کی رُوح پر عقیدت کے پھُول چڑھائے جائیں اور اُس کی زندگی کے مُستند حالات جہاں دیگر زبانوں میں قلمبند ہو چُکے ہیں زبانِ اُردو میں بھی قلمبند ہوں تاکہ اُردو دان حضرات اس عظیم ہستی کی اُن خدمات کی اہمیّت کو معلُوم

کریں اور اپنے محسن سے متعارف ہوں۔ یہی اس کتاب کی وجہِ تصنیف ہے۔

راقم الحروف کو اس کتاب کے لکھنے کی ترغیب اُس کے عزیز دوست مسٹر ڈی۔این کلارکسن پائیپر صاحب ایم۔اے نے دی تھی۔ مَیں اُن کے احسانات کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہُوں کیونکہ اگر وُہ یہ خیال میرے دل میں نہ ڈالتے اور اس کے ابتدائی مراحل میں اپنی نیک صلاح سے مستفیض نہ فرماتے تو مَیں اپنی ناتجربہ کاری اور نااہلیت کے خوف سے اس قدر عظیم اور اہم کام کو شرُوع کرنے کی بھی جرأت نہ کرتا۔

اس مقام پر مَیں اپنے دوستوں میں سے جناب ظفر قریشی صاحب بی۔اے دہلوی، سیّد شفقت علی صاحب شادان سندیلوی اور احسن الشعرا جناب عبدالمالک عاصی دہلوی کا ممنونِ احسان ہُوں کہ اُنھوں نے بھی اس کتاب کے لکھے جانے میں میری حوصلہ افزائی کی۔ اگر ان دوستوں کی طرف سے حوصلہ افزائی نہ ہوتی تو مَیں کتاب ہٰذا کو کبھی بھی منظرِ عام پر نہ لا سکتا۔ مَیں ان سب عزیز دوستوں کی مہربانیوں کا اعتراف کرتا ہُوں اور اُن کا تہِ دل سے مشکور رہُوں۔

ناظرین سے درخواست ہے کہ اگر کتاب ہٰذا کے مضمُون یا ترتیب میں کوئی غلطی یا نقص رہ گیا ہو تو اُسے میری کم علمی پر محمُول کر کے مُعاف فرمائیں۔ بغرضِ صحت مجھے ان باتوں سے مطلع فرمائیں تاکہ آیندہ ایڈیشن میں اُس کی تصیح کر دی جائے۔

احقر النّاس۔ ایس۔ ایم۔ سنگھ

نئی دہلی

مؤرخہ ۱۵ مئی ۱۹۴۱ء

پہلا باب
کیری کا عہدِ طفلی

سترھویں صدی عیسوی میں یورپ میں ایک مشہور تحریک جاری ہوئی جس کو تواریخ میں زمانۂ اصلاح (REFORMATION) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس تحریک کے نتیجہ کے طور پر پروٹسٹنٹ (PROTESTANT) کلیسیا پیدا ہوئی اور اس ہی تحریک کے سلسلہ میں بے شمار علمائے دین اور مبلّغین مذہب بھی معرضِ وجود میں آئے۔ ان میں سے بہت سی ہستیوں نے اپنی زندگیاں انجیل مقدّس کی تبلیغ و اشاعت کے لئے وقف کر دیں۔ ملک در ملک وہ اس فرض کی بجا آوری کے لئے پھرے۔ لیکن جس شخص نے سب سے پہلے اس نیک مقصد کے لئے اپنی خدمات پیش کیں وہ

ولیم کیری

تھا۔ اُس نے ہندوستان جیسے دُور دراز ملک میں آکر مسیحیت کی تبلیغ میں اپنی زندگی گزار کر دنیا کے دیگر ممالک کے مبلّغین کی رہنمائی کی۔

ولیم کیری ایک جولاہے کا ہونہار لڑکا تھا۔ ہندوستان آنے سے قبل ۲۸ سال کی عمر تک وہ موچی کا کام کرتا رہا۔ لیکن یہاں آکر اُس نے تبلیغ و اشاعت کے ساتھ ساتھ بائبل کے متعدّد تراجم کیئے۔ سائنس اور ادب کی خدمات انجام دیں اور اپنی سیاست و تدبّر سے بالآخر ایک اعلیٰ مصلح ثابت ہوا۔

ولیم کیری کی ولادت وسطی انگلستان میں ۱۷ اگست ۱۷۶۱ء کو ہوئی۔ یہ وہی خطّۂ ارض ہے جہاں سے شیکسپیئر (SHAKESPEARE) جیسی مایۂ ناز ہستی پیدا ہوئی۔ جہاں ہوکر (HOOKER) اور وکلف (WYCLIF) نے پرورش پائی جہاں جارج فوکس (GEORGE FOX) اور جان بنین (JOHN BUNYAN) نے تربیت حاصل کی اور جہاں جان میسن (JOHN MASOM)۔ ڈاڈرج (DODDRIDGE)۔ جان نیوٹن (JOHN NEWTON) اور ٹامس سکاٹ (THOMAS SCOTT) نے

ایک عرصہ تک مذہب کی خدمت کی۔ مشہور انگریزی شاعر ولیم کوپر (WILLIAM COWPER) نے بھی اسی مقام کو اپنی بود و باش کے لئے پسند کیا تھا اور اُس نے اپنی مشہور نظمیں "HOPE" اور "TASK" اولنی (OLNEY) نامی گاؤں میں اُس وقت لکھیں جبکہ ولیم کیری علم الٰہی کے مطالعہ میں مصروف تھا۔ اس مطالعہ کی غرض سے کیری اپنے اُستاد سٹکلف (SUTCLIFF) کے مکان پر جایا کرتا تھا جو کوپر کے مکان کے بالکل مقابل تھا۔

ٹامس کلارکسن (THOMAS CLARKSON) نے غلاموں کی تجارت روکنے کے سلسلہ میں جو خدمت انجام دی وُہ دُنیا پر روشن ہے۔ یہ کیری سے ایک سال پیشتر پیدا ہُوا تھا اور جس زمانہ میں اُس نے اپنے مضامین کو لاطینی زبان سے انگریزی میں ترجمہ کر کے بردہ فروشی کے خلاف آواز بلند کی ہے اُس وقت ولیم کیری اپنے مشہور مضمون "انکوائری" ("ENQUIRY") یعنی "تحقیقات"[1] کی تصنیف میں مصروف تھا لیکن اُس زمانہ میں اس غریب موچی کو بھلا کون جانتا تھا؟ کسی یُونیورسٹی یا کالج کی سند اُس کے پاس نہ تھی کہ اُس کو وُہ شہرت نصیب ہوتی جو کلارکسن نے حاصل کر لی تھی۔

کیری کے دادا پیٹر کیری (PETER CAREY) پاؤلرز پوری (PAULERSPURI) نامی گاؤں میں اپنے عہدِ شباب میں آئے تھے اور یہاں آکر اُنھوں نے جُلاہے کا پیشہ اختیار کر لیا۔ لیکن اُن کی علمی قابلیت کی وجہ سے اُن کو گاؤں کے مدرسہ کا مُعلم اور کلیسیا کا محرر مقرر کر دیا گیا۔ اس خدمت کو وُہ اٹھارہ (۱۸) سال تک نہایت خُوبی و خُوش اسلُوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ اُن کا ہونہار لڑکا ولیم قریب کے گاؤں میں مدرس تھا۔ ۲۶ جولائی ۱۷۴۳ء کو بتیس (۳۲) سال کی عُمر میں وُہ اچانک فضلِ الٰہی سے فوت ہو گیا۔ نوجوان بیٹے کی موت کا رنج باپ سے برداشت نہ ہو سکا اور وُہ بھی ۷ اگست ۱۷۴۳ء کو (بارہ (۱۲) دن کے بعد) چالیس (۴۰) سال کی عُمر میں راہئی مُلکِ بقا ہو گئے۔

بیچاری بیوہ کی بیکسی کا کیا عالم ہوگا؟ نوجوان بیٹا اس دُنیا سے جاتا رہا۔ پھر خاوند کی جُدائی کا صدمہ۔ ایک لڑکا فوج میں ملازم ہو کر کینیڈا گیا ہُوا تھا۔ گھر پر فقط سات سال کا ایک بچّہ ایڈمنڈ کیری (EDMUND CAREY) رہ گیا تھا۔ اس لئے جس دن اُس نے اپنے مرحُوم خاوند کو سپُردِ خاک کیا اُسی ہی دن سے ہمارے ہیرو کی دادی نے اپنا نام

---

[1] اس مضمون کو ہم نے چوتھے باب میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اینؔ (ANN) سے تبدیل کر کے کتابِ مُقدّس کی ایک مشہور بیوہ کے نام پر نعومی (NAOMI) رکھ لیا۔

گاؤں والوں نے اِس بیوہ پر ترس کھا کر اُس کے گزارے کا کچھ انتظام کر دیا۔ اور یتیم بچّے ایڈمنڈ کیری کو اُس کے باپ کے مدرسہ میں مُفت تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخل کر دیا۔ لڑکا ہونہار اور ہوشیار تھا۔ ماں کی مُصیبت سے بھی آگاہ تھا لہٰذا اُس نے بڑی جانفشانی سے محنت شرُوع کر دی اور ایسی مستقل مزاجی اور ثابت قدمی سے تحصیل علم کے ساتھ ساتھ اپنے مرحُوم باپ کی صنعت کو سیکھا کہ چوبیس ۲۴ سال کی عُمر ہی میں اُس نے نہ صرف شادی ہی کی بلکہ ایک ذاتی مکان بھی تعمیر کر لیا اور وہاں اپنی بیوہ ماں کی خدمت میں زندگی کے دن گزارنے لگا۔ اسی مکان میں اُس کا کارخانہ بھی تھا اور یہی وُہ مکان تھا جس میں ولیم کیریؔ پیدا ہُوا اور یہیں اُس نے چھ سال تک پرورش پائی۔

دیہات کے قُدرتی مناظر نے کیریؔ کے قلب پر جو اثر کیا اُس کو وُہ عُمر بھر فراموش نہ کر سکا۔ اور نہ ہی اُس نے اپنے بچپن کے مشاہدۂ قُدرت کے شوق کو کبھی ترک کیا۔ یہ شوق اُس نے بنگال میں بھی جاری رکھا اور اسی ذوق نے اُسے بنگال کا پہلا ماہرِ نباتات اور ”ایگریکلچرل اینڈ ہارٹی کلچرل سوسائٹی آف انڈیا (AGRICULTURAL AND HORTICULTURAL SOCIETY OF INDIA) کا بانی بنا دیا۔

کیریؔ کی ابتدائی زندگی کے حالات اُس کی خود نوشت سوانح عُمری کے اُن خاکوں سے بخُوبی معلُوم ہوتے ہیں جو اُس نے اپنے دوست فُلرؔ (FULLER) اور رائی لینڈ (RYLAND) کے اصرار پر وقتاً فوقتاً لکھے تھے۔ علاوہ ازیں کیریؔ کی اپنی بہنوں سے بھی اکثر خط و کتابت رہا کرتی تھی۔ ان خطوط سے بھی اُس کے بچپن کے حالات پر اور نیز اس بات پر کہ اُس کی تربیت کیسے ہُوئی کافی روشنی پڑتی ہے۔

اپنے پانچ بھائی بہنوں میں ولیم کیری سب سے بڑا اور اپنی دادی کا چہیتا تھا۔ اُس کی دادی اب بہ تقاضائے سِنّ و سال بہُت نحیف ہو گئی تھیں لیکن مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں انتہائی مُستعدی سے کام لینا اُن کا وِرد تھا۔ اس متّقی، پرہیزگار اور عبادت گُزار دادی کے دامانِ عاطفت میں ولیم نے چھ سال پرورش پائی اور اپنے افعال سے

سے ثابت کر دیا کہ اُس کے دل میں تحصیلِ علم کا شوق بدرجۂ اُتم موجود ہے جس کو پُورا کرنے کے لئے وہ ہر تکلیف کو خُوشی اور صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کر سکتا ہے یہی خوبیاں تھیں جنہوں نے کیری کو بالآخر اُن بلندیوں تک پہنچا دیا جن کا وہ حقیقی معنوں میں مستحق تھا اکثر رات کے وقت جب آنکھ کھُلتی تو اُس کی ماں ولیم کو "اپنی ٹوٹی پھوٹی بچوں کی سی زبان میں گنتی یاد کرتے سُنا کرتی تھیں۔ اُس کے عزم و استقلال کا یہ عالم تھا کہ وہ جس کام کو شروع کرتا اُس کو ختم کر کے ہی چھوڑتا۔ اُس کی راہ کی دُشواریاں اُس کی ہمّت کو ہرگز پست نہ کر سکتی تھیں"۔

۱۷۶۷ء میں مدرسہ کے مُعلّم کی جگہ پھر خالی ہو گئی۔ اُس کے باپ کی گذشتہ خدمات کی یاد میں اور خود اُس کی ذاتی قابلیتوں سے گرویدہ ہو کر گاؤں والوں نے اُس عہدہ پر ایڈمنڈ کیری کو مامور کر دیا۔ چنانچہ جب ولیم چھ سال کا تھا یہ خاندان مدرسہ کی عمارت میں منتقل ہو گیا۔

کیری کو اپنے مدرسہ کے گھر میں ایک علیحدہ حُجرہ ملا ہُوا تھا۔ اُس کی بہن کہتی ہے کہ اُس حُجرہ میں اُس نے ہر طرف تیتریاں۔ کیڑے۔ بھنگے۔ پروانے وغیرہ جمع کر رکھے تھے اور اُن کی نشوونما اور عادات کا مُطالعہ کیا کرتا تھا۔ ولیم اُن حیوانات اور حشرات الارض سے دراصل حقیقی مُحبّت کرتا تھا۔ اگر وُہ کبھی گھر سے باہر جاتا تو اپنے ان بے زبان ساتھیوں کو اُس بہن ہی کے سپُرد کر جاتا۔ ان واقعات کی روشنی میں ہم کو زمانہ مُستقبل کے ایک عالم بے بدل اور سائنسدان کی ایک جھلک دکھائی دیتی ہے۔ کیری کی بہن کا بیان ہے کہ :-

"حالانکہ مَیں کوشش کر کے اُس کے پالے ہُوئے پرندوں کو مارتی تھی لیکن جب وُہ میرے اظہارِ افسوس کو سُنتا اور کہیں عازمِ سفر ہوتا تو پھر یہ خدمت میرے ہی سپُرد کر جاتا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہُوا کہ کسی پودا یا بُوٹی کی تلاش میں اُسے غلیظ راستوں پر بھی جانا پڑا اور مَیں اُس کے ہمراہ ہوتی تھی۔ بچپن میں وُہ جب بھی سَیر کو نکلتا تو ہر جھاڑی کو غور سے دیکھتا اور توجّہ سے اُس کا مطالعہ کرتا۔ اگرچہ اُس وقت مَیں بہت چھوٹی تھی تاہم اُس کی یہ تمام باتیں مجھے خُوب یاد ہیں۔ وُہ مدرسہ کی تعلیم میں مشغُول ہوتا یا کھیل کے میدان میں مصرُوفِ تفریح ہوتا وُہ ہر کام میں خاص توجّہ، شوق اور دلچسپی ظاہر کرتا

تھا۔ لڑکے اپنی دلبستگی کے لئے جو کھیل اور شوخیاں کیا کرتے ہیں اُن میں ولیم کا حِصّہ سب سے نمایاں ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وُہ اپنے ہم عمر بچوّں میں ہمیشہ ہر دلعزیز رہتا تھا۔"

کیری کے بڑے چچا پیٹر کیری فوجی ملازمت ترک کر کے اپنے گاؤں میں واپس آگئے تھے اور یہاں دُہ ۔۔۔ باغبانی کا پیشہ اختیار کر کے مقیم ہو گئے تھے۔ انھوں نے ہی اپنے بھتیجے کو علم نباتات کے ابتدائی اصُولات و اسباق کے رمُوز سمجھائے۔ مدرسہ کے احاطہ میں ایک باغ بھی تھا۔ ولیم نے جلد ہی اس کی ذمّہ واری اپنے اُوپر لے لی اور اُس کو اس قدر فروغ دیا کہ وُہ اُس علاقہ کا بہترین باغ مان لیا گیا۔ قطعِ نظر اس سے کہ وُہ اس محنت کے ثمر سے خود لُطف اندوز ہو سکا یا نہیں اُس نے بچپن سے بُڑھاپے تک اس شوق کو جاری رکھا اور ہندوستان آکر سیرامپور میں وُہ باغ لگایا جو جنوبی ایشیا میں اپنے وقت اور اپنی طرز کا ایک ہی باغ مانا گیا ہے۔

ولیم کیری کا ذاتی کمرہ نہ صرف ایک رہائشی کمرہ تھا بلکہ وُہ بیک وقت ایک کُتب خانہ اور عجائب گھر بھی بنا ہوُا تھا جس میں اُس کی ملکیّت کی صرف چند ایک کتابیں تھیں۔ اُس زمانہ میں اس حیثیّت کے لوگوں کے پاس زیادہ کتابیں ہونا ناممکن تھا لیکن چونکہ ولیم کیری کتابیں مستعار لینے کی غرض سے دُور دُور کا سفر کیا کرتا تھا اس لئے اُس کے پاس کتابوں کا کافی ذخیرہ موجُود رہتا تھا۔

کیری اپنے مشنری ہونے کے بعد اپنی تعلیم کے آٹھ سالوں کا ذکر ذیل کے الفاظ میں کرتا ہے:۔

"مجھے سائنس۔ تاریخ۔ سیر و سیاحت کی کُتب پڑھنے کا زیادہ شوق تھا۔ ناول اور ڈرامہ سے سخت نفرت تھی۔ اور مَیں مذہبی کُتب سے بھی الگ ہی رہنا پسند کرتا تھا۔ البتّہ رُومانی کتابوں سے مجھے زیادہ رغبت رہی لہٰذا مَیں نے کتاب بنام مسیحی کا سفر[۱] (PILGRIM'S PROGRESS) پڑھی مگر اُس کے مطالعہ سے مجھے کوئی خاص فائدہ حاصل نہ ہوُا۔"

کیری اپنے خاندان کے ہمراہ گاؤں کے گرجا گھر میں جاتا تھا اور وُہ عبادت کی اُس ترتیب سے بھی خوب اچھی طرح واقف تھا جو کلیسیائے انگلستان کی نماز کی کتاب میں پائی جاتی ہے۔ نیز کلیسیائے مذکور کے دستُور کے مطابق اُس کے "استحکام" کی رسم بھی

[۱] "مسیحی کا سفر" مصنّفہ جان بنین۔

ادا ہو چکی تھی اور گھر پر جو مذہبی تعلیم اُس کو ملی تھی وُہ قطعی طور پر کتاب مُقدّس کی تعلیم تھی گو اُس کو "بشارتی" (EVANGELICAL) تعلیم کہنا موزُوں نہیں۔ کیری نے خود لکھا ہے :-

"مجھے اکثر اس بات پر غصّہ آجاتا تھا کہ مجھ کو مجبُوراً مذہبی کتابیں پڑھنی پڑتی ہیں حالانکہ بچپن سے مجھے کتاب مُقدّس کے پڑھنے کا بیحد شوق رہا ہے اور مَیں کتاب مُقدّس کے تاریخی حِصّوں سے بخُوبی واقف ہُوں۔"

اٹھارھویں صدی انگلستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ خُشک صدی گذری ہے۔ ظاہر ہے کہ اس صدی کے سب سے غیر اہم حِصّہ میں ایک دُور اُفتادہ گاؤں کے اندر اس کیری کا پرورش پانا اُس کے مُستقبل کو خُوشگوار بنانے میں کامیاب نہ ہو سکتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ اُس کو یہی توقّع ہو سکتی تھی کہ کسی نزدیک کے گاؤں میں مُدرّس کی حیثیّت سے زندگی گزار دے یا باپ کی طرح جُلاہے کا کام سیکھ کر گذارہ کرے، یا محنت مزدُوری کر کے پیٹ پالے۔ ظاہری اسباب تو یہی کہتے تھے کہ ولیم کیری کی قسمت میں انگلستان کے مزدُوروں کی طرح پانچ شلنگ فی ہفتہ ہی لکھے ہیں اور بیماری بیکاری یا ضعیفی کے وقت محتاج خانہ کی روٹیاں۔ مگر قُدرت کو کُچھ اور ہی منظُور تھا جس کی ابتدا اس طرح ظہُور میں آئی کہ دھُوپ میں لگاتار کام کرنے کے باعث کیری ایک جلدی مرض میں بہُت عرصہ تک مُبتلا رہا۔ چونکہ یہ مرض انتہائی تکلیف دِہ تھا اور باغبانی کا پیشہ اختیار کرنے میں اُس کو دھُوپ میں گھنٹوں کام کرنا پڑتا تھا جس کی وجہ سے اُس کی تکلیف میں اضافہ ہو جاتا تھا لہٰذا اُس کو مجبُوراً باغبانی کا خیال ترک کرنا پڑا۔ ولیم کی عمر اُس وقت سولہ[16] برس کی تھی۔

ایڈمنڈ کیری نے اپنے لڑکے کے واسطے جُلاہے کا پیشہ منتخب نہیں کیا تھا بلکہ اُس کو موچی کا کام سکھانے کا ارادہ کیا تھا کیونکہ اُن دنوں جُوتے بنانا اُس علاقہ کی خاص صنعت بن گیا تھا اور اُس میں مُنافع کی بھی زیادہ اُمید تھی۔ لہٰذا کیری کے والد نے ایک کاریگر تلاش کیا جو اس بات پر رضامند ہو گیا کہ کیری کو موچی کا کام سکھا دے۔

قصبہ پڈنگٹن (PIDDINGTON) کا باشندہ کلارک نِکولز (CLARKE

(NICHOLS) وہ شخص تھا جس کو اس کام کے لئے منتخب کیا گیا۔ اس انتخاب کے پسِ منظر ایک دلچسپ واقعہ بھی تھا جس کو پیئرس کیری (PEARCE CAREY) نے اپنی کتاب میں ذیل کے الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

"پاؤلرز پوری اور اُس کے نزدیک کے قصبہ پوٹرز پوری (POTTERSPURI) میں کلارک نکولز کا نام بہت مشہور ہو گیا تھا کیونکہ ستمبر ۱۷۷۲ء میں پوٹرز پوری کا ایک سترہ سالہ لڑکا مسمّیٰ ولیم رابنسن (WILLIAM ROBINSON) جو کلارک نکولز کا شاگرد تھا ایک دن اتوار کو علی الصّبح فرار ہو گیا۔ نکولز نے اخبار "نورتھیمپٹن مرکری" ("NORTHAMPTON MERCURY") میں ایک اشتہار اس غرض سے شائع کروایا کہ نکولز کو یا لڑکے کے والد کو لڑکے کے متعلّق اطلاع، معلومات یا سُراغ وغیرہ بہم پہنچایا جائے تاکہ لڑکا گرفتار کیا جا سکے .... اس اشتہار میں مفرور کا حُلیہ اور اُس کے لباس کا بھی بیان کیا گیا تھا .... پاؤلرز پوری اور پوٹرز پوری کے باشند اس معاملہ میں کلارک نکولز سے ہمدردی رکھتے تھے۔ کیونکہ جلد ہی مفرور رابنسن کی جگہ ایک اور پوٹرز پوری ہی کے لڑکے نے لے لی ...... ایڈمنڈ کیری نے بھی سوچا کہ یہی شخص میرے لڑکے کا اُستاد بننے کے قابل ہے ......

جو اشتہار اُس نے اخبار میں شائع کروایا تھا اُس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وُہ ایک ایسا شخص ہے جس سے خوفزدہ رہنا اور احتیاط کرنا بھی مناسب ہے پھر اُس کے متعلّق یہ خبر بھی عام تھی کہ وُہ کلیسیائے انگلستان کا ایک نہایت غیُور اور راسخ الاعتقاد رُکن ہے۔ اور یہ امر ایڈمنڈ کیری کو بہت ہی پسند آیا۔"

کیریؔ نے اپنے اس اُستاد کی نسبت یہ لکھا ہے:۔

"وُہ قوانین کلیسیا کا سخت پابند اور میری نظر میں بہت خوش اخلاق شخص تھا یہ سچ ہے کہ کبھی کبھی وُہ زیادہ شراب پی لیا کرتا تھا اور اکثر سبت کے دن صُبح کے وقت میرے ہاتھ سامان بھجوایا کرتا تھا۔ لیکن جھوٹ کا وُہ جانی دُشمن تھا اور یہی ایک خرابی تھی جو مجھ میں پائی جاتی تھی۔"

کیریؔ کے ساتھ کام سیکھنے والے لڑکے کا نام جان وار (JOHN WARR) تھا

؎ اس لڑکے کی نسبت ہم کچھ اور بیان کریں گے۔

یہ وُہی لڑکا ہے جو مفرور رابنسن کی جگہ نکولز کی شاگردی میں آیا تھا۔ اس کی عمر کیری سے تین سال زیادہ تھی اور اس کے آباؤ اجداد بھی موچی ہی کا کام کرتے تھے۔ لہٰذا یہ کیری کی نسبت اس کام سے زیادہ اچھی طرح واقف تھا اور کیری کو اکثر مدد بھی دیا کرتا تھا۔

لیکن جان وار اپنے ساتھی ولیم کیری کو موچی کے کام کے علاوہ اور بھی بہت کچھ سکھانے کی اہلیت رکھتا تھا۔ اس کے دادا نے قصبہ پوٹرزپوری میں ایک ایسی آزاد کلیسیا کی بُنیاد ڈالی تھی جو رسُوماتِ کلیسیائے انگلستان کی پابند نہ تھی۔ اُس کو بچپن ہی سے ایسے مواقع ملے تھے کہ وُہ پادری جان ہے وُڈ (REV. JOHN HEYWOOD) صاحب اور اپنے خاندان کے بزرگوں کی زبانی رُوحانی معاملات اور کلیسیائی آزادی کے متعلق گفتگو سُن سکے۔ حالانکہ ان عمیق مسائل پر وُہ خُود ابھی کسی خاص نتیجہ پر پہنچنے کی اہلیت نہ رکھتا تھا لیکن جس وقت کیری اُس کے ساتھ کام سیکھنے گیا اُس زمانہ میں وار اپنی عُمر کے لحاظ سے نہایت دانشمند اور فہیم تھا۔ وُہی کام کرتے وقت اکثر گفتگو کو ایک مذہبی رنگ دے کر بحث و مُباحثہ کا آغاز کیا کرتا تھا۔ کیری نے خُود لکھا ہے :-

"اس خیال کے لوگوں کو مَیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اس کے علاوہ میرا تکبّر میرے علم سے کئی گُنا بڑھا ہُوا تھا لہٰذا مَیں ان مُباحثوں میں ہرگز ہار ماننے کو تیّار نہ ہوتا تھا بلکہ بحث میں قول فیصل ہمیشہ میرا ہی ہوتا تھا اور اگر مَیں دلائل سے اُس کو قائل نہ کرسکتا تو ضِدّ سے کام لیتا۔ اور اس طریقہ پر بھی جیت میری ہی رہتی تھی۔ اس کے باوجُود جب مَیں بحث کے پہلوؤں پر غور کرتا، تو اپنے دلائل کو قویّ پاتا تھا۔ اس لئے دل ہی دل میں ایک شرم اور خفّت سی محسُوس کرتا تھا اور میرا ضمیر مجھ کو سخت ملامت کیا کرتا تھا۔"

کیری کے ساتھ کام سیکھنے والا لڑکا بالآخر کیری کو مسیح تک لانے والوں میں سب سے مُقدّم رہا۔

۱؎ "ڈی سینٹرز" (DISSENTERS)

دوسرا باب

کیری کی تبدیلی

سولہ[16] سال سے اٹھائیس[28] سال کی عُمر تک ولیم کیری نے موچی کا کام کیا۔ اس دوران میں اُس نے کلیسیائی معاملات سے دلچسپی ظاہر کرنی شرُوع کر دی تھی اور دینی خدمت کا شوق اُس کے دل میں اس قدر پیدا ہو گیا تھا کہ وُہ اپنے دُنیوی کاروبار کے ساتھ مختلف کلیسیائی خدمات بھی انجام دیتا رہتا تھا۔ کلیسیائی خدمت کے علاوہ کسبِ معاش کی خاطر دُنیوی کاروبار میں مصرُوف رہ کر کیری نے مُقدّس پولوس کی تقلید کی جو اپنے مالک کے نام کی مُنادی کرنے کے علاوہ خیمہ دوزی بھی کیا کرتا تھا اور سب سے پہلا مشنری تھا۔

کیری نے اپنے عہدِ شباب کے متعلّق جو اعتراف کمال حلم اور انکساری کے ساتھ کیا ہے اُس کی مثال جان بنین (JOHN BUNYAN) کی کتاب "گریس ایباؤنڈنگ" (GRACE ABOUNDING) ہی ہو سکتی ہے۔ اس کے اعتراف سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ جب ولیم کیری جوانی کے عالم میں ہیکلٹن میں آیا اُس وقت اُس کی زندگی میں تکبّر اور مکّاری۔ رعونت اور نفرت کے جذبات اس قدر تھے کہ اگر اُس کا بس چلتا تو "ڈی سینٹرز" (DISSENTERS) کی عبادت گاہ کو بھی تباہ و برباد کر ڈالتا۔ وُہ خُود کہتا ہے کہ "میں دروغ گوئی۔ دُشنام طرازی۔ اور دیگر گُناہوں کا عادی تھا۔" لیکن رفتہ رفتہ اپنے ساتھی جان وار (JOHN WARR) کے نیک نمونہ کا اُس پر اتنا اثر ہُوا کہ اُس نے یہ سب کُچھ چھوڑ دیا۔ تنہائی میں عبادت و توبہ بھی کر لیا کرتا اور وُہ دن میں تین مرتبہ گرجا گھر جانے لگا۔ حتیٰ کہ "ڈی سنیٹرز" کی عبادتوں تک میں شامل ہونے لگا۔

پہلے کیری کا یہ خیال تھا کہ مُوسوی شریعت کے تمام احکام کو پُورا کرنا ہی بہترین خدمتِ الٰہی ہے۔ وُہ اس ہی فکر میں محو رہتا اور سوچا کرتا تھا کہ اس سے اُس کی ذہنی پریشانی اور دِلی بے چینی دُور ہو جائے گی، اور وُہ خُدا کا منظورِ نظر بن جائے گا۔ اس خوابِ غفلت سے اُس کو جس واقعہ نے بیدار کیا اُس کا بیان وُہ خُود اس طرح کرتا ہے:۔

"ان دنوں ایک واقعہ پیش آیا جس کی یاد میں بیک وقت ملال و تشکر کے جذبات کے ساتھ کرتا ہوں - اس کو بیان کرنا میرے لئے شرم کا باعث تو ضرور ہے لیکن اس کا ذکر کئے بغیر میں رہ بھی نہیں سکتا -

ہمارے علاقہ میں یہ دستور تھا کہ کاریگروں کے ہاں جو لڑکے کام سیکھتے تھے اُن کا ایک فرض یہ بھی تھا کہ کرسمس کے موقعہ پر گاہکوں کے مکانوں پر جا کر اُن کے عطا کردہ تحفہ جات جمع کریں -

جب میں ایک لوہار کے مکان پر گیا تو اُس نے مجھ سے کہا کہ چاہو تو ایک شلنگ لے لو ورنہ چھ پنس ہی ملیں گے - ظاہر ہے کہ میں نے ایک شلنگ لینا منظور کیا اور اُس کو لے کر جیب میں ڈال لیا - جب میرے پاس کافی رقم جمع ہو گئی تو میں نے اپنی ذاتی ضروریات کی چند چیزیں خرید لیں لیکن جب اُن کی قیمت ادا کرنے لگا تو مجھے معلوم ہوا کہ میرا شلنگ کھوٹا ہے - میں نے جھٹ اپنے مالک کی رقم میں سے ایک شلنگ اپنی چیزوں کی قیمت میں دے دیا مگر جب حساب کیا تو معلوم ہوا کہ میں نے اپنی رقم سے کچھ زیادہ خرچ کر دیا ہے - خفت کے خوف اور دھمکی کے ڈر سے میں نے ارادہ کر لیا کہ جواب طلب ہونے پر مالک سے کہہ دوں گا کہ کھوٹا شلنگ آپ ہی کا تھا -

مجھے خوب یاد ہے کہ اس معاملہ میں مجھے کس قدر ذہنی کشمکش سے واسطہ پڑا حتیٰ کہ اس گناہ کے عفو کے متعلق میں نے راستہ چلتے چلتے دُعا بھی مانگی :-

میں نے اس دُعا میں وعدہ کیا کہ اگر خُدا اس معاملہ میں مجھے بچا لے (یعنی دُوسرے الفاظ میں اس سرقہ میں میری امداد کرے) تو میں آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کروں گا - لیکن موجودہ چوری اور جھوٹ میرے لئے اس قدر ضروری معلوم ہوتا تھا کہ میں کسی طرح بھی اُس کو چھوڑنے یا ترک کرنے کو تیار نہ تھا -

لیکن خُدا کی مہربانی کچھ ایسی ہُوئی کہ میں اس معاملہ سے نہ بچ سکا - میرے مالک نے دُوسرے لڑکے کو تفتیش کے لئے روانہ کیا اور لوہار نے اقرار کر لیا کہ اُس نے کھوٹا سکّہ مجھے دیا تھا مالک کے حساب میں نہیں دیا تھا - اس بات کے ظاہر ہو جانے پر مجھے جو شرم اور ندامت بلکہ پشیمانی اُٹھانی پڑی اور اس کا میرے قلب پر جو اثر

ہُوا اُس کو مَیں ایک عرصہ تک فراموش نہ کر سکا۔ مَیں شرمندگی کی وجہ سے باہر نکلنے کی ہمّت نہ کرتا تھا۔ جس وقت تک مجھے یقین نہ ہو گیا کہ میری اس حرکت کا چرچا تمام قصبہ میں نہیں پھیلا ہے اُس وقت تک مَیں عبادت میں بھی شریک نہ ہُوا۔

اس واقعہ کی وجہ سے مجھے اپنے آپ کو پہچاننے کا جو موقعہ مِلا وُہ شائد کسی اور طریقہ پر ملنا ناممکن تھا۔ اور اس کے بعد مَیں نے وہ چند انکساری کے ساتھ خُدا کے رحم کے لئے استدعا کرنی شروع کر دی۔

چُونکہ ۱۰ فروری ۱۷۷۹ء روزہ اور دُعا کا دن مقرّر تھا لہٰذا اس تاریخ کو مَیں عبادت میں بھی شریک ہُوا .... اُس دن اولنی کے مسٹر چیٹر (Mr. CHATER) کا وعظ تھا، جس کا موضُوع مجھے یاد نہیں۔ لیکن وعظ کے دوران میں اُنھوں نے اس امر پر زور دیا کہ ہم کو پُورے طور پر مسیح کی پیروی کرنی چاہیئے۔ اور آخر میں عبرانیوں کے نام کے خط میں سے یہ آیت نہایت پُر اثر لہجہ میں پڑھی "پس آؤ اُس کی ذلّت کو اپنے اُوپر لئے ہُوئے خیمہ گاہ سے باہر اُس کے پاس چلیں" (عبرانیوں ۱۳ باب ۱۳ آیت)

یہ تو مَیں محسُوس کر ہی رہا تھا کہ مسیح کی تقلید کرنے کی خواہش میرے اندر موجُود ہے۔ لیکن ان الفاظ کو سُن کر میرے دل میں ایک عجیب خیال پیدا ہُوا جس کی وجہ سے مَیں نے کلیسیائے انگلستان سے ہمیشہ کے لئے اپنا تعلّق منقطع کر لیا ......

کیونکہ مَیں اس نتیجہ پر پہنچا کہ چونکہ کلیسیائے انگلستان مُلکی آئین کی رُو سے قائم کی گئی ہے لہٰذا اس کے شُرکا کے لئے صلیب کوئی ذلّت کا باعث یا ٹھوکر کا سبب نہیں ہو سکتی۔ یہ ہر وقت مُلکی قانُون کی پناہ حاصل کر سکتی ہے۔ اگر مجھے مسیح کے ساتھ مل کر دُکھ اُٹھانا اور ذِلّت برداشت کرنا ہے تو مجھے اس "خیمہ گاہ" سے باہر ہی جانا پڑے گا۔"

اس طرح ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کیری اٹھارہ [۱۸] سال کی عُمر میں کس طرح اپنے نفس پر غالب آیا اور اُس نے اپنے دل میں مسیح کے لئے جگہ پیدا کر لی۔ ولیم لا (WILLIAM LAW) کا انتقال کچھ عرصہ پیشتر کیری کے گاؤں کے نزدیک ہی ہُوا تھا۔ اور ولیم لا کے

مقلّدوں کا ایک گروہ بھی قُرب وجوار میں رہتا تھا۔ اُن سے کیری کو اکثر مُباحثہ کرنے کا اتّفاق ہُوا تھا۔ پھر ولیم لا کی تصنیفات کے کچھ حصّے موریوین (MORAVIAN) پادری فرانسس اوکلی (Rev. FRANCIS OAKLEY) نے نظم کی صُورت میں شائع کئے تھے، جن کو کیری نے بہت شوق سے پڑھا تھا۔ ان تمام واقعات سے تصویر کا دُوسرا رُخ بھی تیار ہو گیا۔ ذیل کے الفاظ میں کیری کہتا ہے کہ:-
"مجھے ایسا معلُوم ہوتا تھا کہ مَیں برباد ہو چکا ہُوں اور میری دست گیری کوئی نہیں کر سکتا۔"

ایسے وقت میں جبکہ اُس کی رُوحانی آنکھوں کے سامنے سے خُودی کا پردہ اُٹھ چکا تھا اس کو مسیح مصلُوب کا دیدار نصیب ہُوا اور خُدا کا کلام اُس کو بخشا گیا۔ کیری کے انقلابِ قلب کی کیفیّت ویسی ہی تھی جیسی پولوس رسُول پر ایک زندہ شخصیّت نے پیدا کی تھی۔ اُس زندہ شخصیّت نے شاؤل جیسے ریاکار، مکّار اور متکبّر شخص کو ایک مبشّر منّاد اور مبلّغ بنا کر پولوس رسُول بنا دیا تھا۔ اُس ہی نے ایک گنہگار دیہاتی موچی کو ایک مُقدّس بنا کر ہندوؤں کے درمیان انجیل مُقدّس کی بشارت دینے اور تبلیغ کرنے کا بیڑا اُٹھانے کی ہمّت اور جُرأت عطا فرمائی تھی۔

لیکن خُدا کا یہ عمل آہستہ آہستہ ہُوا۔ پولوس رسُول کے وقت بھی ایسا ہی ہُوا تھا کیری کی ہمّت ہیکلٹن کے چند بزرگ اور مُقدّس مسیحیوں سے گُفتگو کرنے سے بڑھ گئی۔ اُس نے جلد ہی چند اشخاص کو اپنے گرد جمع کر لیا جن میں اُس کے ساتھ کام سیکھنے والا لڑکا بھی تھا۔ اور اس طرح ایک نئی جماعتی کلیسیا کی بُنیاد پڑ گئی۔

جب کیری اٹھارہ (۱۸) سال کا ہُوا تو اُس کے پہلے اُستاد کلارک نکولز (CLARKE NICHOLS) کا انتقال ہو گیا۔ پس اُس نے قصبہ ہیکلٹن کے مسٹر ٹی۔ اولڈ (Mr. T OLD) نامی ایک اور شخص کی شاگردی اختیار کر لی۔ یہ اولڈ صاحب کیری کے اُستاد نکولز کے رشتہ دار بھی تھے۔

انگلستان کے بہترین مفسّر ٹامس سکاٹ (THOMAS SCOTT) صاحب کا یہ معمُول تھا کہ اولنی سے چہل قدمی کو نکلتے تو اولڈ صاحب کے ہاں آرام کرنے کو ضرُور ٹھہرا کرتے تھے۔ ان مُلاقاتوں کے دَوران میں سکاٹ صاحب کے سامعین

ہیں سب سے زیادہ ہمہ تن گوش ہو کر سننے والا اولڈ صاحب کا یہ نیا شاگرد ولیم ہی ہوتا تھا۔ ریون سٹون (REVENSTONE) میں سکاٹ صاحب کے وعظوں سے کیری اس قدر خوش ہوا کہ شائد ہی کسی اور واعظ کے کلام سے اُس پر اثر ہوا ہو۔ ان ایام کے چالیس[۴۰] سال بعد جبکہ بنوگ سکاٹ صاحب بستر مرگ پر پڑے تھے ڈاکٹر رائیلینڈ (DR. RYLAND) نے کیری کی طرف سے یہ پیغام اُن کو پہنچایا:-

"اگر میں خدا کی کوئی خدمت کرنے کے لائق ہوا تو اس کا سہرا سکاٹ صاحب کے سر ہے، کیونکہ اُن کے کلام کا مجھ پر اُس وقت اثر ہوا جبکہ میں اس خدمت کو ہاتھ میں لینے کی نیّت ہی کر رہا تھا۔"

اس کا جواب سکاٹ صاحب نے یہ دیا:-

"ڈاکٹر کیری کا جو پیغام آپ نے مجھے پہنچایا اُس کو سن کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور مسرّت بھی۔ اُنھوں نے میرے صرف چند ہی وعظ سنے ہوں گے اور وہ بھی اُس وقت جبکہ میں کبھی کبھی ہیکلٹن جایا کرتا تھا۔ تاہم میں نے اُن سے اکثر نجی گفتگو کی ہے۔ اُن کے ساتھ دُعا کی اور اُن کے سوالات وغیرہ کا جواب دینے کی بھی کوشش کی۔ یہ سوالات نہایت مخلصانہ ہوتے تھے اور ان میں اُن کی عقلمندی اور ذہانت کے آثار پائے جاتے تھے۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ میں نے کیری جیسے دماغ پر کبھی کوئی کارآمد نکتہ ظاہر کیا ہے تو یہ میرے لئے نہایت فخر اور شکر کا موجب ہے۔"

بیس[۲۰] برس کی عمر میں کیری نہایت استقلال سے "خدا کے کلام کے مسائل" کے مطالعہ میں مشغول تھا۔ اُس کا ارادہ تھا کہ ان تمام "مسائل" کو ایسی صورت میں یکجا کر دیا جائے تاکہ اوّل تو خود اُس کو روحانی قوّت حاصل ہو اور پھر تقریروں میں بھی اُن نکات کا استعمال کیا جا سکے اور دوسروں کو بھی اس کا فائدہ پہنچے۔ ان ہی دنوں ایک کتاب[۱] شائع ہوئی جس کے متعلق کیری لکھتا ہے کہ "میں نے کبھی کسی اور کتاب کو اس قدر خوشی کے ساتھ نہیں پڑھا۔" اس کتاب کے مصنّف رابرٹ ہال (ROBERT HALL) صاحب تھے۔ یہ اُن مشہور و معروف بزرگ ڈاکٹر رابرٹ ہال

---

[۱] کتاب کا مکمل انگریزی نام یہ ہے:

Help to Zion's Travellers being an attempt to remove various stumbling Blocks out of the way, relating to Doctrinal, Experimental and Practical Religion.

صاحب کے فرزند تھے جنہوں نے کچھ عرصہ پیشتر کیری کو فنِ وعظ کی تعلیم دی تھی۔ اس کتاب کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ "رنج و تذبذب کے وقت نااُمیدی میں گرفتار ہو جانے والے مسیحیوں کی ہمّت افزائی کے لئے لکھی گئی تھی"۔ کیری نے اس کتاب کے ہر صفحہ کا خُلاصہ کر کے اس کتاب کے حاشیوں پر نہایت خوبصُورت خط میں تحریر کیا ہے اس جلد کو کیری نے عُمر بھر بہت حفاظت اور مُحبّت سے رکھا۔ یہ کِرم خُوردہ جلد اب بھی برسٹل کالج (BRISTOL COLLEGE) میں موجُود ہے۔

کیری کالوِن کی تعلیم کا پیرو تھا۔ اُس کے خیالات پولوس رسُول کی طرح عالم گیر مشنری خیالات تھے۔ لیکن وُہ اچانک ہی "بپٹسٹ" (BAPTIST) بن گیا۔ وُہ خُود کہتا ہے کہ "مجھے کہ مَیں نے اس مضمُون کا کچھ مطالعہ کیا یا نہیں۔ مَیں نے اچانک ہی رائی لینڈ صاحب کو خط لکھ دیا کہ میرا بپتسمہ کر دیجئے۔ اُنہوں نے مجھے ایک چھپا ہُوا پرچہ دے کر اپنے فرزند کے سپُرد کر دیا"۔

جب بپٹسٹ مشنری سوسائٹی نے لندن میں اپنا پہلا عام جلسہ کیا اُس میں رائی لینڈ صاحب نے اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"۱۵۔ اکتوبر ۱۷۸۳ء کو جب مَیں نے دریائے نین (NEN) میں ڈاکٹر ڈاڈرِج (DR. DODDRIDGE) کے عبادتخانہ کے نزدیک ایک غریب دیہاتی موچی کو بپتسمہ دیا، اُس وقت مجھے قطعی گُمان نہ تھا کہ نو۹ سال کے اندر ہی یہ موچی ایک ایسی انجمن کی بُنیاد ڈالنے کا مُوجب ہوگا جس کا مقصد انگلستان سے غیر ممالک کو انجیل کے مبلّغ روانہ کرنا ہوگا۔ لیکن واقعات نے ثابت کر دکھایا کہ قُدرت کو یہی منظُور تھا، اور خُدا نے اس عظیم خدمت کے واسطے کسی عالم یا پادری کے لڑکے۔ یا کسی فاضل مقرِّر کے فرزند یا کسی غیور اور راسخ الاعتقاد مسیحی کی اولاد کو نہیں، بلکہ ایک دیہاتی محرّر کے بیٹے کو مُنتخب کیا"۔

جب کیری کی شہرت پُورے عرُوج پر تھی اُس نے ایک خط کے نفسِ مضمُون میں یہ لکھا کہ:۔

"چُونکہ بشارتی (EVANGELICAL) عقیدہ کا شرُوع ہی سے قائل رہا ہُوں لہٰذا مسیحیوں کے فرقہ بپٹسٹ کے اصُولات سے مَیں کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا"۔

تیسرا باب

کیری کی "درسگاہ"

یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ عالم شباب میں انسانی طبیعت قدرتی طور پر تھوڑی بہت خودپسندی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر نوجوان اپنی ضد اور کج بحثی کے سامنے دوسروں کی نہیں سنتے۔ اگر کیری میں بھی یہ باتیں پائی جاتیں تو کچھ تعجب نہ تھا، لیکن اُس کو اپنی طبیعت پر اس درجہ قابو حاصل تھا کہ بلاکسی لغزش کے اس فطری غرور پر اُس نے غلبہ پالیا اور اٹھارہ سال کی عمر میں انکساری و بردباری کا جو سبق سیکھا تھا اُس کو تمام عمر فراموش نہ کر سکا۔ بالفاظِ دیگر یہ کہنا چاہیئے کہ کیری کے قلب میں تمکنت و تکبر کی جگہ یادِ الٰہی نے لے لی اور اُس نے ایک فرشتہ صفت انسان بنکر اپنی زندگی اُس خاص مقصد کے لئے وقف کر دی جو اُس کے نزدیک عزیز ترین تھا۔

چونکہ کیری کے اندر یہ انقلابِ عظیم پیدا ہو چکا تھا اس لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ اپنے والد کے گھر جائے اور اُس کا یہ راز آشکارا نہ ہو۔ چنانچہ اُس کے رشتہ داروں کو علم ہو گیا کہ ولیم کے قلب میں ایک ایسا جذبہ پیدا ہو گیا ہے جو اُن کی نظر میں بدعت کے مترادف ہے۔ خاص طور پر یہ تبدیلی اُس کے والد کو بہت ناگوار گذری۔ یہ ایڈمنڈ کیری (EDMUND CAREY) کی طبیعت کے سخت خلاف تھا کہ اُس کی اولاد — یعنی کلیسیائے انگلستان کے ایک ذمہ وار عہدہ دار کا بیٹا "ڈی سینٹر" (DISSENTER) بن جائے اور نہ صرف اُس کے لئے مترم کا باعث بنے بلکہ دوسروں کے لئے بھی گمراہی کا نمونہ ثابت ہو۔ اُنہی دنوں کا ذکر کیری کی بہن ذیل کے الفاظ میں کرتی ہے:-

"ان دنوں وہ بہت زیادہ عالمِ محویت میں نظر آتا تھا۔ ربّ الافواج کی غیرت اُس کے قلب میں موجزن تھی۔ جدعون کی طرح وہ بھی بعل کے تمام مذبحوں کو ایک ہی شب میں مسمار کرنے پر آمادہ نظر آتا تھا۔ جب کبھی وہ گھر آتا تو ہم اُس

کی اس تبدیلی پر حیرت کرتے۔ ہم دیکھتے تھے کہ یہ وُہی لڑکا ہے جو اس قدر متعصّب تھا کہ "ڈی سینٹروں" کے عقائد کی وجہ سے اُن کو سُنایا کرتا تھا۔ لیکن آج یہ اُن ہی کے عقائد کی تبلیغ میں اس قدر منہمک ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ان عقائد کا پیرو ہو کر ولیم کئی برس تک اپنے خاندان میں تن تنہا ہی رہا۔ رفتہ رفتہ اُس نے اجازت چاہی کہ جب وُہ مُلاقات کی غرض سے گھر آئے تو وُہ خاندانی عبادت کرایا کرے۔ یہ اجازت بڑی خُوشی سے اُس کو دے دی گئی۔ جب دُعا میں وُہ یسعیاہ نبی کے اُن الفاظ کو دُہراتا تھا کہ **"ہماری ساری راستبازی گندی دھجّی کی سی ہے"** تو میری غیرت جوش میں آجاتی تھی۔ میں جانتی تھی کہ وُہ اپنی راستبازی کو گندی دھجّی نہیں بلکہ مُجھے اور خاندان کے دیگر افراد کو ناپاک اور پلید سمجھتا ہے!۔۔۔ انسان کے دل میں کس قدر تکبّر ہوتا ہے!!۔۔۔ اور اگر وُہ میرا بھائی نہ ہوتا اور میری قُدرتی مُحبّت اُس سے وابستہ نہ ہوتی تو میں ضرور اُس پر اپنی ناراضگی کا اظہار کرتی۔"

۱۰ر جون ۱۷۸۱ء کو کیری نے اپنے اُستاد اولڈ (OLD) کی سالی ڈورو تھی پلیکیٹ (DOROTHY PLACKETT) سے شادی کی۔ اُس وقت کیری بیس سال کا تھا اور اُس کی دُلہن کی عُمر اُس سے پانچ سال زیادہ تھی۔

ہمیں افسوس ہے کہ اکثر مُصنّفین نے کیری کی بیوی کے ساتھ ایک شدید بے انصافی کا ثبوت دیا ہے۔ اُس پر متعدّد الزامات لگائے گئے اور ہر طرح اُس کو عوام کی نظروں میں پست کرنے کی کوشش کی گئی۔ چُنانچہ کہا جاتا ہے کہ وُہ ناخواندہ اور جاہل ہونے کی وجہ سے کیری جیسے عالم کی بیوی بننے کے لائق نہ تھی۔ وُہ کیری کے خیالات کی بلندی اور جذبات کی گہرائی کو نہ پہچان سکتی تھی لہٰذا وُہ کیری کی ہم خدمت اور مددگار ثابت نہ ہُوئی بلکہ کیری کو ہمیشہ اُس کی وجہ سے تکلیف اور رنج ہی ہوتا رہا۔ وُہ کیری کے لئے ہمّت افزائی کا باعث نہ تھی کیونکہ اُس نے نہ صرف اُس کے ہمراہ ہندوستان آنے سے انکار کر دیا، بلکہ اُس کو اپنے اس نیک ارادہ سے باز رکھنے کی حتّی الامکان کوشش کی اور آخر کار ہندوستان آکر بھی نہ صرف اپنی طویل بیماری جہالت اور خبط الحواسی کی وجہ سے کیری کو پریشان رکھا بلکہ اُس پر ایک بھاری تہمت لگا کر ایک ایسے وقت اُس کی پریشانیوں میں اضافہ کر

دیا جبکہ اُس کو اُس کی ہمدردی کی انتہائی ضرورت تھی۔
لیکن افسوس ہے کہ الزامات کی اس طویل فہرست کے مرتّب کرنیوالے حضرات نے مسز کیری کے کردار کا گہرا مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا نہ کی کیونکہ اگر وُہ ایسا کرتے تو یقیناً اُس کی اُولوالعزمی اور بلند ہمّتی کے قائل ہو جاتے اور یہ نیک خاتُون اتنا عرصہ عوام کے طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنتی۔
موجُودہ کتاب میں ہم نے مُناسب مواقع پر اُن تمام واقعات کو نہایت وضاحت سے بیان کر دیا ہے جن کی وجہ سے مسز کیری نے وُہ روش اختیار کی جس کے خلاف مُصنّفین نے قلم اُٹھائے ہیں۔ ہمارا مقصد اس سے یہ ہے کہ قارئین اُن جذبات کو سمجھ سکیں جن کے ماتحت مسز کیری نے ایسا طرزِ عمل اختیار کیا تھا جو بہتوں کی نظر میں قابلِ اعتراض ٹھہرا۔ اگر اُن واقعات کو نظر انداز نہ کیا جائے جو مسز کیری کے طرزِ عمل کے پسِ منظر میں اثر پذیر تھے اور اگر اُن جذبات کو بھی ملحُوظ رکھا جائے جن کے ماتحت وُہ ان افعال کی مُرتکب ہُوئی تو ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اس نیک خاتُون کو حقارت اور نفرت سے نہیں بلکہ ہمدردی اور عزّت کی نظر سے دیکھیں گے۔ اگر ہماری یہ خدمت مسز کیری کے کردار کو بے عزّتی اور لعنت کی گہرائیوں میں سے نِکال کر عوام کے دلوں میں اُس کے لئے ایک جذبۂ احترام پیدا کرنے میں کامیاب ثابت ہُوئی تو اس خدمت سے جہاں ایک طرف اس بے قصُور کے حق میں انصاف بھی ہو جائے گا وہاں دُوسری طرف اس سے خُود ولیم کیری کی رُوح کو بھی مُسرّت ہوگی کیونکہ مُصنّفین کے اعتراضات کی بھرمار اور الزامات کے طُومار کے باوجُود ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کیری خُود کبھی اپنی بیوی کے خلاف حرفِ شکایت زبان پر نہیں لایا حالانکہ اُس کی تمام مفرُوضہ زیادتیوں کا شکار وُہ خُود ہی تھا۔

چُنانچہ پہلا الزام جو مسز کیری پر لگایا جاتا ہے وُہ اُس کی ناخواندگی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ شادی کے دن ڈورو تھی پلیکیٹ (مسز کیری) اور اُس کی بہن لُوسی (Lucy) کی ناخواندگی کا یہ عالم تھا کہ یہ دونوں نکاح کے رجسٹر میں اپنا دستخط تک نہ کر سکتی تھیں لیکن یہ ملحُوظ خاطر رہے کہ اُس زمانہ میں عام تعلیم کی بھی یہ حالت تھی کہ خُود نکاح پڑھانے والے پادری صاحب جن کو متوسّط درجہ سے زیادہ تعلیم یافتہ ہونا ضرور تھا، بہت بڑے عالم واقع نہ ہُوئے

تھے کیونکہ آپ نے اپنے قلم سے جو چار نام درج فرمائے ہیں اُن میں سے ہر ایک کا ہجا غلط ہے! چنانچہ 'LUCY' کو آپ نے 'LUSIE' لکھا ہے۔ 'DOROTHY' کو 'DORITY' تحریر فرمایا ہے۔ 'CATHERINE' کو 'KATARAN' لکھ دیا اور 'CHARLOTTE' کو 'SHARLOT' بنا دیا ہے! ایسی صورت میں اگر ایک لڑکی ناخواندہ رہ جائے تو کوئی تعجّب کی بات نہ تھی۔

اور اگر بفرضِ محال مسز کیری کی ناخواندگی کو خاندانی زندگی کی ایک اہم خامی مان بھی لیا جائے تو اس کو ایک الزام کی صورت میں پیش کرنے میں ہم کس طرح حق بجانب ہو سکتے ہیں؟ اگر وہ ناخواندہ تھی تو اس میں اُس کا کیا قصور تھا؟ ان تمام بہنوں کی تعلیم کی طرف توجّہ نہ دینے کے اصل مجرم اُن کے والدین تھے نہ کہ وہ خود۔

پھر اگر ڈوروتھی کے والدین نے اگرچہ اپنی لڑکیوں کو درسی تعلیم نہ دلوائی تو بھی اُنہوں نے اُن کی تربیت میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی تھی کیونکہ اوّل تو ڈوروتھی کے والد خود ہیکلیٹن (HACKLETON) کی آزاد جماعت کے ایک خاص رُکن تھے۔ پھر اُس کی سب سے بڑی بہن کیری کے فرشتہ خصلت اُستاد اولڈ کی زوجہ تھی۔ دُوسری نے بھی آزاد جماعت کے ایک رُکن سے شادی کی تھی اور ڈوروتھی خود بھی اُسی جماعت کی شریک تھی۔ سب سے چھوٹی بہن کیتھرین (CATHERINE) کے متعلق کسی اور باب میں بھی ذکر آئے گا کیونکہ بالآخر وہ کیری کے ہمراہ ہندوستان آئی۔ یہ خاندان نہایت راسخ الاعتقاد مسیحی تھا اور ان چاروں بہنوں نے اپنے والدین کے آزاد خیالات کو اپنا کر اُن پر عمل کیا تھا۔

لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُس کی ناخواندگی کے باوجود کیری نے ڈوروتھی پلیکیٹ کو اپنی بیوی بننے کے لئے منتخب کرنے میں غلطی کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ وہ بجا طور پر فخر کر سکتا تھا کہ اُس کی بیوی "ڈوروتھی" واقعی ایک "نعمتِ الٰہی"[1] ہے۔

ڈوروتھی سے نکاح کرنے کی وجہ سے کیری کی ذمہ داریوں میں ایک اضافہ یہ ہوا کہ شادی کے ڈیڑھ سال ہی بعد کیری کے اُستاد اولڈ کا اچانک انتقال ہو گیا تو اُس کی بیوی اور چار بچّوں کی خبرگیری بھی کیری ہی کو کرنی پڑ گئی کیونکہ اولڈ کی بیوی مسز کیری کی بہن تھی اور خاوند کی وفات کے بعد اُس کا کوئی سرپرست نہ رہا تھا۔ یہی وجہ تھی

[1] ڈوروتھی کے لُغوی معنی ہیں۔

کہ اُستاد کی دُکان کا بندوبست بھی کیری ہی کے ذمّہ پڑا۔

کیری نے اس دُکان کے لئے ایک تختہ لبطورِ سائن بورڈ خُود اپنے ہاتھ سے بنایا تھا۔ یہ تختہ شکستہ حالت میں اب بھی ریجنٹ پارک کالج REGENT PARK COLLEGE) میں محفوظ ہے جس پر یہ الفاظ لکھے ہیں :-

اس جگہ پُرانے جُوتے خریدے اور[1]

اس سائن بورڈ کو اور اُس دُکان کو دیکھ کر جہاں کیری نے یہ تختہ لگایا ہوگا ہم کو غریب کیری کی ناداری اور مُفلسی کا اندازہ ہوتا ہے۔ وُہ اپنے والد کے جُلاہے کے کاروبار اور مُدرّس کے کام سے بھی گر گیا تھا۔ لیکن اس گِری ہُوئی جگہ ہی سے خُدا نے اُس کو اپنی خدمت کے لئے بُلایا اور شمالی ہندوستان کا ایک رسُول بنا کر روانہ کیا۔

ہیکلٹن میں دُکان کے بندوبست کے علاوہ کیری کلیسیائی خدمات بھی انجام دینے لگا تھا جہاں اُس کے وعظ عوام میں بہت مقبُول ہو گئے تھے۔ یہاں کے لوگوں کی نسبت وُہ خُود ہی لکھتا ہے کہ یہ لوگ اتنے بے سمجھ تھے کہ "وعظ کے دوران ہی میں تالیاں بجا کر اپنی خوشنودی اور پسندیدگی کا مظاہرہ کیا کرتے تھے"۔ لیکن اُن کے اس فعل سے فقط اُن کی جہالت یا سادہ لوحی کا اندازہ ہی نہیں لگتا بلکہ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کیری کو اس کلیسیا کے لوگ عزیز تھے۔

ہیکلٹن کے قریب ہی ایک مقام بنام اولنی (OLNEY) تھا۔ ایک مرتبہ کیری مُفلسی اور تنگدستی کی وجہ سے فاقے کاٹ رہا تھا لیکن پھر بھی اولنی میں ایک جلسہ میں شرکت کی غرض سے گیا۔ اس جلسہ[2] میں انتظام ہُوا کہ کیری ارلز بارٹن (EARLS BARTON) میں (جو ہیکلٹن سے چھ میل کے فاصلہ پر تھا) وعظ دیا کرے۔ اس انتظام

[1] اس کے آگے تختہ ٹوٹ گیا ہے۔

[2] اولنی کے اس جلسہ ہی میں کیری کی مُلاقات اینڈرُو فُلر (ANDREW FULLER) صاحب سے ہُوئی جو اُس وقت سوہام (SOHAM) کی کلیسیا کے پاسبان تھے اور بعد میں کیری کی قائم کردہ بپٹسٹ مشنری سوسائٹی کے پہلے سیکرٹری مقرر ہُوئے۔

کو کیری نے نہایت فراخ دلی سے منظور کر لیا اور تین ۳ سال تک اس خدمت کو بڑی خوبی سے انجام دیتا رہا حالانکہ اُس کو ہیکلٹن میں اپنی دکان بھی چلانا پڑتی تھی۔ اور ساتھ ہی ساتھ وعظ کہنے کی متعدّد دعوتیں بھی قبول کرنی پڑتی تھیں۔

اولڈ کی دکان کی وہ عمارت جو کیری کی نگرانی میں آئی اور جس میں کیری نے کئی سال موچی کا کام کیا ایک عرصہ بعد مسمار ہو گئی۔ ٹامس سکاٹ (THOMAS SCOTT) صاحب کا گذر اکثر کھنڈروں کے پاس سے ہوا کرتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ "میں ہمیشہ اپنے ہمراہیوں اور بیٹوں کو یہ کھنڈر دکھا کر کہا کرتا تھا کہ یہی ولیم کیری کی درسگاہ تھی"۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس موچی کی دکان کو سکاٹ صاحب نے کیری کی درسگاہ کیوں کہا؟ یہ تو ہم دیکھ ہی چکے ہیں کہ کیری اپنے گاؤں ہی سے اپنے ہمراہ بہت سی خصوصیات لے کر آیا تھا۔ مثلاً تھوڑا بہت علم، مشاہدہ کی عادات مطالعہ کا شوق وغیرہ۔ یہ تمام باتیں اُس زمانہ کے دیہاتی لڑکوں میں قطعی نہیں پائی جاتی تھیں اور اب بھی مشکل ہی سے ملتی ہیں۔ بارہ ۱۲ سال کی عمر میں اُس نے اپنی مادری زبان کے علاوہ ایک اور زبان سیکھ لی کیونکہ۔ اسی عمر میں اُس نے ڈچ (DYCHE) کی لاطینی کتاب "فرہنگِ لاطینی" (LATINE VOCABULARY) میں دی ہوئی چھوٹی گرامر کو اچھی طرح سیکھ کر تقریباً تمام کتاب کو حفظ کر لیا تھا۔ اولنی کے مسٹر سٹکلف (MR. SUTCLIFFE) نے جب کیری کو ترغیب دی کہ ارلز بارٹن میں وعظ دینے کی خدمت منظور کرے تو اُنہوں نے اُس کو رڈی مین (RUDDIMAN) کی لاطینی گرامر بھی دی تھی۔

لاطینی پر عبور حاصل کرنے کے بعد مولٹن (MOULTON) ہی میں کیری نے اطالوی زبان بھی سیکھی۔ اور پھر فرانسیسی زبان بھی اسی طرح حاصل کی۔

نکولز (NICHOLS) کی ماتحتی میں کام کرنے سے ولیم کیری کو طرح طرح کی تکالیف تو ضرور تھیں لیکن اُس کو یہ تسلّی بھی تھی کہ اُس کو اپنے آقا اور اُستاد کے ذاتی کتب خانہ کی کتابیں پڑھنے کی اجازت تھی۔ یہاں اُس کو نئے عہد نامہ کی ایک تفسیر مل گئی۔ اس کتاب کو پڑھتے وقت اُس کی نظر ایک عجیب زبان میں لکھے ہوئے چند الفاظ اور جملوں

پر پڑ گئی۔ کیری اُن کو پڑھنا نہ جانتا تھا اور نہ ہی نکولز کو معلوم تھا کہ وُہ کیا ہیں۔ لیکن کیری کی بڑی خواہش تھی کہ اُن کو سیکھے لہٰذا اُس نے اُن کو بڑی محنت سے ہُوبہُو نقل کر کے حفاظت سے اپنے پاس رکھ لیا۔ آیندہ جب یہ اپنے گاؤں کو گیا تو اُس کی مُلاقات ٹام جونز (TOM JONES) نامی ایک لڑکے سے ہُوئی جو کسی وقت ایک اعلےٰ مدرسہ میں تعلیم حاصل کر چُکا تھا۔ اس لڑکے سے کیری کو معلوم ہُوا کہ جو الفاظ اور فقرے اُس نے نقل کئے تھے وُہ یُونانی زبان کے تھے۔ جونز نے کیری کے اصرار پر دوبارہ یُونانی زبان کے فراموش کئے ہُوئے سبق یاد کئے۔ کیری جب بھی گھر آتا جونز سے یُونانی زبان کے متعلّق کُچھ نہ کُچھ سیکھ جاتا۔ اور رفتہ رفتہ اس زبان کے علم میں شاگرد اُستاد سے بھی کئی درجے بڑھ گیا۔

کیری کے لئے فقط یہی کافی تھا کہ کوئی شخص اُس کو ایک نئی زبان کی ابتدائی باتیں بتادے چُنانچہ اسی طرح اُس نے نزدیک کے قصبوں کے پاسبانوں سے عبرانی زبان سیکھی۔ اُن سے کتابیں مُستعار لے کر اُن سے سوالات کرنا اور اس طرح اپنے علم کو فروغ دیتا رہا۔

چند پیسوں میں اُس کو فرانسیسی زبان کی بھی ایک کتاب ملی جس سے اُس نے تین ہفتے میں اس زبان پر اتنا عبُور حاصل کیا کہ ادبی مضامین پڑھنے کے لائق ہو گیا۔ ایک ضعیف العُمر خاتُون نے اُس کو مُلک ڈنمارک کی زبان کی ایک کتاب دے دی۔ کیری نے اس کتاب کی مدد سے یہ زبان سیکھی اور اس لائق ہو گیا کہ رائیلینڈ (RYLAND) صاحب کے لئے اس زبان سے ایک مضمُون کا ترجمہ کر سکے جو رائیلینڈ کو کسی دوست نے بھیجا تھا۔ اس مضمُون کا اصل قلمی نُسخہ اس قدر خُوش خط باریک قلم سے لکھا گیا ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ جس شخص نے آٹھ برس تک جسمانی مُشقت اور سخت محنت سے کام کیا ہو وُہ کس طرح اس قدر خُوبصُورت خط لکھ سکتا تھا۔

کیری کو زباندانی کی نعمت خُدا کی طرف سے عطا ہُوئی تھی۔ لیکن اگر اُس کے دل میں خدمت کا جوش اور تبلیغ کا شوق نہ ہوتا تو یہ برکت اُس کی تنگ دستی اور افلاس کی وجہ سے بے کار بن کر رہ جاتی۔

کیری جب بھی کام پر آ کر بیٹھتا ایک نہ ایک کتاب اُس کے سامنے ضرور ہوتی۔ اگر

تھیلہ میں ایک جوڑا جُوتا کسی خریدار کے گھر پہنچانے جاتا تو ہاتھ میں ایک کتاب رکھتا اور راستہ بھر مُطالعہ کرتا چلا جاتا۔ کبھی شہر سے چمڑہ خریدنے جاتا تو سفر میں اپنی نئی سیکھی ہُوئی معلُومات کو دُہراتا جاتا اور اس طرح ہر وقت اور ہر طریقہ پر اپنے علم میں اضافہ کرتا اور روز بروز اُسے مکمّل و وسیع کرتا رہتا تھا۔

چُونکہ کیری نے نہ صرف یہ تمام زبانیں ہی اس دُکان میں کام کرتے وقت سیکھیں بلکہ وُہ تجربات بھی یہیں حاصل کئے جن کی بنا پر وُہ ایک کامیاب مبلّغ بنا لہٰذا سکاٹ صاحب کا کہنا درُست ہے کہ ہیکلٹن کی وُہ موچی کی دُکان ہی کیری کی "درسگاہ" تھی۔

چوتھا باب

تحقیقات

نورتھمپٹن (NORTHAMPTON) سے کیٹرنگ (KETTERING) تک جانے والی سڑک بارہ [۱۲] میل تک اُس علاقہ میں سے ہو کر گزرتی ہے جو گزشتہ صدی میں "پیچلی ہنٹ" (PYTCHLY HUNT) کی مکروُہات کی وجہ سے بدنام ہو گیا تھا۔ اس کلب کے متعلق شراب نوشی اور دیگر قابلِ نفرت حرکات کی جو کہانیاں زبان زدِ عام تھیں وُہ کسی طرح بھی مبالغہ آمیز نہ تھیں۔ اِسی علاقہ میں اور ان ہی دنوں [۲۵ مئی ۱۷۸۵ء] ولیم کیری مولٹن (MOULTON) کا پاسبان مقرّر ہُوا۔ مولٹن کا گاؤں کلب کے دروازے کے مقابل سڑک کی دُوسری جانب واقع ہے۔

اِنگلستان میں کیری سے زیادہ مُشکل کام اور ہمّت شکن خدمت کسی اور پاسبان کے سپُرد نہیں تھی۔ اٹھارہ [۱۸] سال کی عُمر میں اُس نے موچی کا کام شروع کیا تھا۔ دُکان کی مُختصر سی آمدنی سے اُستاد کی بیوہ اور اپنے بال بچوں کا گذارہ ایک بڑا بوجھ تھا جس وقت کاروبار اچھی طرح چل جانے کی اُمید تھی اُس وقت جبکہ وُہ بیس [۲]

سال کا تھا اُس نے ڈوروتھی پلیکیٹ (DOROTHY PLACKETT) سے شادی کرلی تھی اور یُوں اپنی ذمّہ داریوں میں مزید اضافہ کرلیا تھا۔ اُستاد نے اپنی زندگی ہی میں ایک بہُت بڑی تجارتی فرمائش کا کام شروع کردیا تھا جو بڑی جفاکشی اور محنتِ شاقہ کے بعد کیری نے اُستاد کی وفات کے بعد ختم کیا لیکن جب خریدار کے پاس سامان بھیجا گیا تو اُس نے واپس کردیا۔ غریب کیری اب ان جُوتوں کو لئے گھُومتا پھرتا تھا کہ کہیں بِک جائیں تو لاگت ہی نکل آئے۔ بُخار کے عارضہ سے اُس کی سب سے بڑی لڑکی این (ANN) لقمۂ اجل ہوگئی۔ یہ لڑکی والدین کو بہُت عزیز تھی اور یہی وجہ تھی کہ اُنہوں نے اس کا نام کیری کی دادی کے نام پر این رکھا تھا۔ خیال رہے کہ مسز کیری کے لئے معصُوم این کی موت اولاد کا پہلا غم تھا لیکن اُس نے اس صدمہ کو برداشت کیا اور رنج والم کے اس طُوفان کا مُقابلہ اس ثابت قدمی اور بلند ہمّتی سے کیا جو خود کیری سے بھی نہ ہوسکا چُنانچہ ۔ اسی لڑکی کے غم میں کیری سخت بیمار ہوگیا اور ۔ اُسی بیماری میں اُس کے سر کے بال ایسے جھڑ گئے کہ اُس کو عرصہ تک مصنُوعی بال لگانے پڑے۔ اس کے علاوہ تین[3] سال تک اُس نے بارٹن (BARTON) میں بھی کلیسیا کی خدمت کی۔ اس کے لئے اُس کو سولہ[16] میل پیدل سفر کرنا پڑتا تھا لیکن بارٹن کی کلیسیا اتنی غریب تھی کہ اُس کی چھوٹی سے چھوٹی مالی امداد بھی نہ کرسکتی تھی۔ ان تمام ہمّت شکن واقعات کے علاوہ ۱۷۸۸ء میں قصبہ مولٹن میں اوّل چیچک کی وبا پھیلی اور اُس کے بعد بُخار نے اس قدر زور پکڑا کہ کئی غریب فقط اس وجہ سے ہلاک ہوگئے کہ اُن کو مُناسب خوراک۔ کافی پوشاک اور طبّی امداد میسّر نہ تھی۔ یہ وُہی زمانہ اور وُہی قصبہ ہے جہاں کیری کو اپنے خاندان کا خرچ پُورا کرنا مُشکل ہو رہا تھا، اور فاقہ کشی تک کی نوبت اکثر آجایا کرتی تھی۔ لیکن شاباش ہے اُس باپ پر اور آفرین ہے اُس ماں پر جس نے ان تمام مصائب کے باوجُود کبھی اُف تک نہ کی اور اپنی اور اپنے بچّوں کی حفاظت کرتے رہے۔ ان ہی دنوں کیری کی اُس طویل بیماری کی وجہ سے جس کا بیان ابھی ہوچکا ہے کیری کی والدہ کو مولٹن آنا پڑا تاکہ کیری کی خدمت کریں۔ اگر وُہ نہ آتیں تو مُمکن ہے کہ خاندان کے دیگر افراد کو اُس کی ناگفتہ بہ حالت کا پتہ نہ چلتا کیونکہ کیری نے ابھی تک کسی کو اپنی مالی دُشواریوں سے آگاہ نہ کیا تھا۔ جب

اُس کی والدہ اُس کے گھر آئیں تو اُن کی حقیقت معلوم ہُوئی اور اُنہوں نے یہ خبر واپس جا کر کیری کے والد اور بھائی بہنوں کو سُنائی۔ مُصیبت کی اس داستان کو سُن کر چھوٹے بھائی سے رہا نہ گیا اور اُس نے بڑے بھائی کی مالی امداد کرنے کی کوشش کی جس کو کیری نے بادلِ ناخواستہ قبُول کر لیا۔ اس امداد کے واسطے کیری کے بھائی کو اپنے چھوٹے کھلونے اور دیگر "سامان" فروخت کرنا پڑا اور اس رقم میں اُس نے وُہ قلیل رقم بھی شامل کر دی جو اُس نے وقتاً فوقتاً اپنے پیسوں میں سے جمع کی تھی۔ اُس وقت اس بھائی کی عمر فقط پندرہ ۱۵ سال کی تھی۔

ولیم کیری بہُت کوشش کرتا، ہزار صبر سے کام لیتا لیکن فاقہ کشی پھر بھی اُسے آگھیرتی۔ یہی وجُوہات تھیں کہ اُس نے مولٹن کی کلیسیا کی بدنظمی اور وہاں کی پاسبانی خدمت کو ہزار ہا دِقتّوں کے باوجُود اُن کی دعوت کو خُوشی سے قبُول کر لیا کہ وُہ اُن کے گرجا گھر میں وعظ کیا کرے۔ یہ کلیسیا اُس کو فقط دس ۱۰ پونڈ سالانہ دے سکتی تھی۔ اس کے علاوہ پانچ ۵ پونڈ سالانہ اُس کو لندن کے کسی فنڈ سے ملتا تھا۔ تھوڑے دن کے لئے گاؤں کا مُدرّس کہیں چلا گیا تھا۔ اس لئے کیری کو مدرسہ میں تعلیم دینے کا کام سپُردِ ہُوا جس نے اُس کی آمدنی میں اضافہ کر دیا۔

اس طرح کیری نے ایک عرصہ تک اپنے خاندان کی پرورش کی۔ ان دنوں اُس کی کُل آمدنی چھتیس ۳۶ پونڈ سالانہ سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن تھوڑے دنوں کے بعد گاؤں کا پُرانا اُستاد واپس آ گیا اور کیری کو مُدرّسی چھوڑ کر جُوتیاں بنانے کا کام دوبارہ شروع کرنا پڑا۔ جس مکان میں اُن دنوں کیری رہتا تھا وُہ اب تک محفُوظ ہے۔

جب کیری اس مکان پر بچّوں کو جُغرافیہ اور کتابِ مُقدّس کی تعلیم دیا کرتا تھا اُس کے دل میں بشارتی خدمت کا خیال پیدا ہُوا۔ اور یہ خیال اس قدر ترقّی کر گیا کہ اُس نے کیری کی رُوح میں ایک تازگی اور اُس کے دل میں ایک جوش پیدا کر دیا جو وکلف (WYCLIFF) ہس (HUS)۔ لُوتھر (LUTHER)۔ کیلون (CALVIN)۔ نوکس (KNOX)۔ اور بنیئن (BUNYAN) کو بھی نصیب نہیں ہُوا تھا۔ لیکن یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ ان مشاہیر کی خدمات کیری کی خدمت

سے بالکل مختلف قسم کی تھیں۔

کیری نے مناظرِ قُدرت کا مشاہدہ کیا تھا۔ اُسے کُتب بینی اور سفرناموں میں اس قدر دلچسپی تھی کہ اُس کے ہم عُمر لڑکوں نے اُس کا نام کولمبس (COLUMBUS) رکھ دیا تھا۔ اُس نے محنتِ شاقہ سے کلام کو حاصل کیا۔ اُس نے مسیح کی مُحبّت کا تجربہ بھی حاصل کیا تھا۔ اُس نے چھ سال تک خُدا کے کلام کو لوگوں کے سامنے بیان کیا تھا اور اب یہ تمام علم اور وسیع تجربہ یکجا جمع ہو گیا۔ اس میں ترقّی ہُوئی اور قُدرت نے اُس کی رہنمائی اُس صلیب تک کی جس پر اُس کے مُنجّی نے اُس کے بدلے اپنی جان دی تھی۔ کیری نے سوچا کہ جس طرح میرا خُداوند میرے لئے قُربان ہُوا۔۔ اُسی طرح ان کروڑوں انسانوں کے واسطے بھی قُربان ہُوا تھا جن کی سرزمین مشہُور سیّاح کپتان کوک (CAPT. COOKE) نے، اُنہی دنوں دریافت کی تھی۔ ان لوگوں نے کبھی اس عجیب حقیقت کی خُوش خبری کو نہیں سُنا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وُہ اُس کی بشارت سے محرُوم رہیں۔

۱۰۔ اگست ۱۷۸۶ء کو کیری کا خاص تقرّر بحیثیّت پاسبان مولٹن کی کلیسیا میں کیا گیا۔ اس رسم کو ادا کرنے کے لئے رائیلینڈ (RYLAND)۔ سٹکلِف (SUTCLIFF) اور فُلر (FULLER) صاحبان موجُود تھے۔ فُلر نے بہت عرصہ پیشتر ہی (جبکہ کیری نے نورتھیمپٹن میں وعظ کہنے شرُوع کئے ہی تھے) کیری کو پہچان کر معلوم کر لیا تھا کہ اس شخص میں کیا کیا خُوبیاں ہیں۔ اور اس کی ان خُوبیوں کی وجہ سے کیسا قدر و قیمت ہے۔ اس کے بعد بھی فُلر کو اکثر مولٹن جانے کا اتفاق ہُوا اور وُہ اُس کلیسیا کے حالات سے بخوبی واقف تھا۔ وُہ اِس کا بیان ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

”چُونکہ کلیسیا بہُت غریب تھی لہٰذا اپنے خاندان کا خرچ پُورا کرنے کے لئے اُس کو (یعنی کیری کو) اپنا کاروبار جاری رکھنا پڑا۔ لیکن اُس کا دل تحصیلِ علم کی طرف بہُت مائل تھا۔ وُہ اکثر نئی زبانیں سیکھتا رہتا تھا۔ اور دیگر علُوم کا مُطالعہ کیا کرتا تھا۔ مُجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ مَیں اُس کے کام کرنے کے کمرہ میں گیا۔ وہاں مَیں نے دیوار پر ایک بہُت بڑا نقشہ دیکھا جو کئی کاغذوں پر مشتمل تھا اور جن کو کیری نے اپنے ہاتھ سے جوڑ کر تیّار کیا تھا۔ اس نقشہ پر اُس نے

دُنیا کے ہر حِصّہ پر نشانات لگا رکھے تھے، اور جس مقام کی آبادی اور مذہب وغیرہ کے متعلق وُہ کچھ بھی پڑھتا اُس کو اُس نقشہ پر لکھ دیتا تھا۔ ان تمام وسیع معلُومات کا نچوڑ اُس نے آخرکار ایک مشہُور مضمُون کی صُورت میں شائع بھی کیا۔

کیری ان تمام باتوں کے متعلّق ہر وقت چھان بین کرتا رہتا تھا لہٰذا اُس کی دُکان کے کام میں بہُت ہرج ہُوا اور اُس کو نقصان برداشت کرنا پڑا۔ مگر اُس کی کلیسیا کے شرکا بھی بہُت غریب تھے اور اُس کے اس نقصان کی تلافی نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے کیری کو سخت تکلیف اُٹھانی پڑی۔ مجھے یہ بھی معلُوم ہُوا ہے کہ وُہ اور اُس کے بال بچّے کئی مرتبہ فاقے تک کیا کرتے تھے اور باقی ضرُوری سامان بھی اُن کے لئے مُشکل ہی سے پُورا ہوتا تھا۔

وُہ اپنے ہم خدمت پاسبانوں سے بھی اکثر ایک مشن جاری کرنے کی ضرُورت اور سہولیات کے متعلّق تبادلۂ خیالات کیا کرتا تھا۔ اور یہ بھی کہا کرتا تھا کہ اگر کوئی ایسا قدم اُٹھایا جائے تو مَیں ضرُور اُس میں حِصّہ لینے کو تیار رہُوں گا۔ ۱۷۸۷ء سے ۱۷۹۰ء تک جب بھی وُہ پاسبانوں کے اجلاس میں شریک ہُوا تو اُس نے اس ایک ہی مضمُون کی اہمیّت بیان کی۔ اُس وقت کے بہُت سے بزُرگ اور تجربہ کار پاسبان یہ خیال کرتے تھے کہ جو کچھ وُہ کہتا ہے وُہ بعید از عقل اور نامُمکن ہے۔ انہوں نے اُس کی کوئی ہمّت افزائی نہ کی لیکن کیری اپنی من مانی کرنے سے باز آنے والا نہ تھا۔ اُس نے ہم سے باہمی گفتگو شرُوع کر کے اپنا ہم خیال بنا ہی لیا۔"

مندرجہ ذیل واقعہ سے معلُوم ہوتا ہے کہ کیری کو کتنی بڑی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ہوگا:-

پاسبانوں کا اجلاس ہو رہا تھا جس کے صدر بزُرگ رائیلینڈ صاحب تھے۔ صدر محترم نے سامعین کو بتایا کہ آج کی بحث کے لئے مضمُون نوجوان پاسبانوں کی طرف سے پیش ہوگا۔ یہ سُن کر سب خاموش ہوگئے۔ لیکن نوجوان کیری نے اُٹھ کر نہایت سنجیدگی سے یہ مضمُون پیش کیا:-

"چونکہ مسیح کا وعدہ تمام زمانہ کے لوگوں کے لئے بدستور ہے کیا یہ ہر زمانہ کے پاسبانوں کا فرض نہیں ہے کہ وُہ مسیح کے حُکم کے مطابق ہر ملک کے لوگوں کو مسیح کے شاگرد بنائیں؟"

صدر محترم بزرگ رائیلینڈ صاحب نے اس پر نہایت جوش سے جواب دیا:-

"ایسا سوال پیش کر کے تم ظاہر کرتے ہو کہ تُم ایک نااہل۔ ناسمجھ اور ناتجربہ کار شخص ہو۔ تاوقتیکہ ایک مرتبہ پھر پنتیکوست نہ ہو اس معاملہ میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہم کو مُعجزات کی ضرورت ہے۔ ہم کو غیر زبانیں بولنے کی ضرورت ہے۔ تب ہی ہم مسیح کے اس حُکم کو پُورا کر سکتے ہیں۔"

کیری نے بمُشکل اپنے جوش کو قابُو میں کیا اور خاموش ہو گیا۔ لیکن جو لوگ وہاں موجود تھے اُن میں سے ایک کا بیان ہے کہ اُس نے اس موضُوع پر اپنے غور و خوض کو جاری رکھا۔

کیری جانتا تھا کہ اتنی بڑی مخالفت کا مقابلہ کرنا فضُول ہے۔ اُس کے ہم خدمت اُس کے مُخالف تھے۔ لہٰذا اُس نے پریس کے ذریعہ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کی۔ اس غرض سے اُس نے ایک مضمُون لکھا جس کے مکمّل نام[1] کا پہلا لفظ اس باب کی سُرخی کے طور پر درج کیا گیا ہے کیونکہ اس مضمُون کو اکثر فقط "انکوائری" یعنی "تحقیقات" ہی کے نام سے منسُوب کیا جاتا ہے۔ اس مضمُون میں کیری نے وُہ تمام باتیں درج کی ہیں جو وُہ اُس اجلاس میں کہنا چاہتا تھا جس میں اُس کو بے حد سرد مہری سے خاموش کرا دیا گیا تھا۔ یہ مضمُون سترہ صدی پُرانا تھا لیکن مسیحی کلیسیا اس کو جو وُہ صدیوں سے بُھلائے بیٹھی تھی۔ اس مضمُون میں کیری نے تمام پہلُوؤں پر نہایت مُدلّل بحث کرنے کے بعد پولُس رسُول کے ان الفاظ کو نتیجہ کے طور پر درج کیا ہے:-

[1] An enquiry into the obligations of Christians to use Means for the conversion of the Heathens, in which the Religious State of the Different Nations of the World, The success of former undertakings, and the practicability of further undertakings, are considered by WILLIAM CAREY.

"کیونکہ یہودیوں اور یونانیوں میں کچھ فرق نہیں اس لئے کہ وُہی سب کا خداوند ہے اور اپنے سب دُعا کرنے والوں کے لئے فیاض ہے۔ کیونکہ جو کوئی خداوند کا نام لے گا نجات پائے گا۔ مگر جس پر وُہ ایمان نہیں لائے اُس سے کیوں کر دُعا کریں؟ ——— اور جس کا ذکر اُنہوں نے سُنا نہیں اُس پر ایمان کیونکر لائیں اور بغیر مُنادی کرنے والے کے کیونکر سُنیں؟ اور جب تک وُہ بھیجے نہ جائیں مُنادی کیونکر کریں؟ (رُومیوں ۱۰ باب ۱۲ سے ۱۵ آیات)۔

کیری مولٹن کی عبادت گاہ کی مرمّت کے لئے چندہ جمع کرنے برمنگھم (BIRMINGHAM) گیا ہُوا تھا وہاں ٹامس پوٹس (THOMAS POTTS) صاحب کو معلُوم ہُوا کہ کیری نے اس طرز کا مضمون لکھا ہے لیکن اس غریب کے پاس اتنا سرمایہ بھی نہیں ہے کہ اُس کو شائع کرا سکے۔ پوٹس صاحب نے اُس کی امداد کے لئے دس پونڈ دیئے اور کیری کا یہ مضمون ۱۷۹۲ء میں شائع ہو گیا۔ اس کی قیمت ڈیڑھ شلنگ مقرّر کی گئی اور اعلان کیا گیا کہ اس کا تمام منافع اس نیک کام میں صرف کیا جائے گا جس کا ذکر اس مضمون میں کیا گیا ہے۔ چُونکہ یہ ایک چھوٹے رسالہ کی صُورت میں لکھا گیا تھا لہٰذا اب اس کا قلمی نسخہ نہیں ملتا لیکن اس کے پہلے ایڈیشن کی چار جلدیں اب بھی موجُود ہیں۔

یہ "انکوائری" ایک خاص ادبی حیثیت رکھتی تھی۔ اس میں تمام دُنیا کے جُغرافیہ کا ذکر بمعہ اعداد و شُمار کیا گیا تھا۔ زبان اس کی نہایت شُستہ و عالمانہ اور طرزِ بیان نہایت پُختہ اور کُہنہ مشق اُستادوں کا سا ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اُس زمانہ کے یُونیورسٹی کے گریجوایٹ بھی اس قدر عالمانہ مضمون اس خُوبی و خُوش اسلُوبی سے قلمبند نہیں کر سکتے ہوں گے تو کُچھ مبالغہ نہ ہوگا۔ کیوں نہ ہو؟ کیری کے قلب میں جو جوش اور خدمت کا شوق اور ولولہ تھا اُس کو وُہ کہاں سے لاتے؟

کیری ایک دُور دراز اور دُشوار گذار گاؤں میں سکونت پذیر ہے۔ جب رات کو سوتا ہے اُس وقت تو آرام بیشک کرتا ہے ورنہ بیداری کے وقت اپنی زندگی کا ہر لمحہ سخت محنت اور مُشقّت میں صرف کرتا ہے۔ ہفتہ میں ایک بار اتوار کو اگر آرام کرتا ہے تو وُہ بھی اس طرح کہ اپنی روزانہ مشقّت کو بدل کر ایک نئی محنت میں وقت گزارتا ہے اُس کے پاس کوئی لائبریری نہیں۔ اُس کے قریب کوئی ایسا شخص نہیں جو اُس کی ہدایت یا

مدد کر سکے تیس ۳۰ سال سے بھی کم عمر کا یہ موچی اپنے کارخانہ میں بیٹھ کر کل دُنیا پر ایک نظر ڈالتا ہے۔ اپنے مضمون میں ہر ایک مُلک پر بحث کرتا ہے۔ ہر جزیرہ۔ ہر قوم۔ ہر مذہب اور ہر حکومت وسلطنت کا بیان کر کے نتائج کو اس خُوبی اور عقلمندی سے جدول دار جمع کرتا ہے کہ اُس زمانہ کے تو کیا آج کل کے عالم بھی انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔

اس مضمون میں کیری نے اوّل تو یہ ثابت کیا ہے کہ جو حکم خداوند مسیح نے اپنے شاگردوں کو دیا وُہ اب تک ہمارے لئے بدستُور فرض ہے۔ عیدِ صعُود سے موریوین (MORAVIAN) مشنریوں تک غیر مسیحیوں میں تبلیغ کی جو خدمت ہُوئی اس کا بیان کر کے مرحُوم ویسلی (WESLEY) صاحب کی اُن کوششوں کا ذکر کرتا ہے جو اُنھوں نے جزائر غرب الہند میں انجام دیں۔ اس کے بعد وُہ موجُودہ زمانہ (۱۷۸۶ء) کے حالات کا جائزہ لیتا ہے اور پھر اُن پانچ مُشکلات کا تذکرہ کرتا ہے جو اُس کے مخالفین مشنری کام کے خلاف پیش کیا کرتے تھے۔ یعنی:-

(۱) فاصلہ اور سفر کی صعُوبتیں۔

(۲) غیر مذاہب کے لوگوں کی بربریّت اور جہالت۔

(۳) قتل کئے جانے کا خوف۔

(۴) زندگی کی ضرُوریات فراہم کرنے کی دِقّتیں اور

(۵) زبان پر عبُور حاصل کرنے کی مُشکلات۔

یہ تو مانی ہُوئی بات ہے کہ کیری جن لوگوں کے درمیان خدمت کرنے کے لئے مُستعد تھا وُہ اُن سے حقیقی مُحبّت کرتا تھا۔ پھر کلام کے ذریعہ وُہ اُن تمام دُشواریوں کو سہُولتیں ثابت کرنے میں کیوں نہ کامیاب ہوتا؟ اگر کیری کی مُشکلات اُس کے اعلےٰ مقاصد اور اُس کے بلند عزائم کا صحیح اندازہ کرنا مقصُود ہو تو اُس کے مضمون کا مندرجہ ذیل حِصّہ پڑھنا ضرُوری ہے:-

اوّل - ان ممالک کے فاصلہ اور سفر کی مُشکلات کے حق میں اگر قُطب نُما کے ایجاد ہونے سے پہلے کچھ کہا جاتا تو بجا تھا لیکن موجُودہ زمانہ میں یہ عُذر قابلِ سماعت نہیں ہو سکتا۔ آج انسان جنُوبی سمندر میں اتنی ہی آسانی سے سفر کر سکتا ہے جیسے بحیرۂ رُوم یا کسی اور چھوٹے سمندر میں۔ بلکہ معلُوم ایسا ہوتا ہے کہ مشیّتِ ایزدی

ہم کو دعوت دے رہی ہے کہ ہم کوشش کریں، کیونکہ آخر ہم تجارت کی غرض سے بھی تو اُن ممالک تک اپنے جہاز پہنچاتے ہیں۔

کبھی کبھی ہم اپنے جہاز اُن ممالک کو بھی روانہ کرتے ہیں جو حال ہی میں دریافت کئے گئے ہیں۔ ہمارے جہاز معلومات فراہم کرنے کی غرض سے جاتے ہیں اور جو خبریں یہ لے کر واپس آتے ہیں اُن کے ساتھ ہی ان بے چارے لوگوں کے لئے ہمارے دل میں رحم بھی بڑھنا چاہیئے کیونکہ ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ ظلم اور جہالت میں اپنی زندگیاں بسر کر رہے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ اور بھی زیادہ گرم جوشی کے ساتھ ان انسانوں کی بہبودی کی فکر کریں۔

کلام بھی اس طرف اشارہ کرتا ہے:-

"یقیناً بحری ممالک میری راہ تکیں گے اور ترسیس کے جہاز پہلے آئیں گے، کہ تیرے بیٹوں کو اُن کے روپے اور سونے سمیت دُور سے خداوند تیرے خُدا اور اسرائیل کے قدّوس کے لئے لائیں۔" (یسعیاہ ۲۰ باب ۹ آیت)

اس آیت میں یہ بات موجود ہے کہ آخری دنوں میں جبکہ کلیسیا پُرجلال ترقّی پر ہوگی (جس کی پیشین گوئی اس باب میں کی گئی ہے) تجارت تبلیغ سے بنیچا درجہ پائیگی۔ ترسیس کے جہاز تجارتی جہاز تھے جو دُنیا کے مختلف ممالک میں تجارت کی غرض سے سفر کیا کرتے تھے۔ لہٰذا یہ بات ضرور پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ جہاز رانی اور خاص کر تجارتی جہاز رانی کو خُدا کے کام کے لئے استعمال کرنا چاہیئے، اور شاید اس سے یہ بھی ثابت ہو سکے کہ اس کام کے لئے ایک بڑی رقم بھی فراہم کی جا سکتی ہے۔

دوم۔ یہ کہنا بھی کوئی معقول عُذر نہیں کہ یہ لوگ غیر مہذّب اور وحشی ہیں۔ ایسی باتیں تو اُن لوگوں کے مُنہ سے نکلتی ہیں جو دُوسروں کے بھلے کی خاطر اپنے جسم کو تکلیف دینا نہیں چاہتے۔

مسیح کے شاگردوں اور اُن کے جانشینوں نے یہ عُذر کبھی بھی پیش نہیں کیا تھا۔ وُہ غیر مہذّب جرمنی، جنگلی فرانس اور سب سے زیادہ وحشی انگلستان میں پہنچے۔ اُنہوں نے اس بات کا انتظار نہیں کیا کہ ان ممالک کے باشندے پہلے تہذیب

وعلم حاصل کرلیں اور پھر اُن کو مسیحی بنایا جائے۔ وُہ صلیب کا پیغام لے کر گئے اور ٹرٹلین (TERTULLIAN) یہ کہنے کے لائق ہو گیا کہ انگلستان کے جو حصّے رُومی فوجوں سے فتح نہ ہو سکے اُن کو مسیح کی انجیل کے پیغام نے مغلوب کر لیا۔

پھر ایلیٹ (ELIOT) اور برینرڈ (BRAINERD) نے یہ عُذر نہیں کیا۔ وُہ گئے، اُنہوں نے اسی قسم کی تمام دُشواریوں کا مقابلہ کیا اور اُنہوں نے معلُوم کیا کہ انجیل کو لے کر یوروپ کی قوموں کے ساتھ بُود وباش اختیار کرنے میں جو اثر ہے وُہ بغیر انجیل کے برسوں پیدا نہیں ہو سکتا۔

اور تجّار کے لئے تو اس میں ہرگز کوئی عُذر ہو ہی نہیں سکتا۔ ضرورت فقط اس بات کی ہے کہ ہم اپنے دلوں میں اُن لوگوں کی رُوحوں کے لئے دلی مُحبّت پیدا کر لیں کہ یہ بھی ہماری طرح انسان ہیں۔ یہ بھی ہماری طرح گُنہگار ہیں۔ جب ہم چند کھالوں کی خاطر اُن سے دوستانہ تعلّقات پیدا کر سکتے ہیں تو کیوں نہ یہ بھی کریں تاکہ ہماری تمام مُشکلات دُور ہو جائیں؟

اور پھر یہ کہنا کہ یہ غیر مسیحی اقوام غیر مہذّب ہیں اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ اُن تک انجیل کا پیغام نہ پہنچایا جائے۔ یہ تو بجائے خُود ایک حُجّت ہے اس بات پر کہ اُن تک پیغامِ ربّانی کی خُوش خبری اور منادی پہنچائی جائے۔

ہم انسان ہیں۔ ہم مسیحی ہیں۔ کیا ہم یہ سُن کر خاموش رہ سکتے ہیں کہ ہماری طرح کے دیگر انسان جہل اور بربریّت کا شکار ہیں؟ اُن کی رُوحیں بھی ہماری طرح غیر فانی ہیں۔ وُہ بھی ہماری طرح تقریر، تحریر اور اپنے طرزِ عمل سے ہمارے مُنجّی اور اُس کی کلیسیا کا جلال ظاہر کر سکتے ہیں اور انجیل کے پیغام کو زینت بخش سکتے ہیں۔ کیا ہم یہ سُن کر خاموش رہ سکتے ہیں کہ اُن کے پاس اب تک پیغامِ الٰہی کی بشارت نہیں پہنچی؟ اور یہ کہ اُن کے ہاں کوئی حکومت نہیں۔ اُن کے ہاں کوئی قانون نہیں۔ کوئی صنعت وحرفت نہیں۔ کوئی سائنس اور علم وحکمت نہیں؟ کیا ہم یہ سب کچھ جانتے ہُوئے بھی اُن کے درمیان انسانیّت اور مسیحیّت کو فروغ دینے کی کوشش نہ کریں گے؟ کیا اُن کو مہذّب بنانے کا بہترین ذریعہ

۵۔ ایسٹ انڈیا کمپنی جہاں دیگر اشیاء کی تجارت میں مصروف تھی وہاں کھالوں کی تجارت بھی اُس کی آمدنی کا ایک

انجیل کی بشارت نہیں ہے؟ کیا اس تہذیب کو حاصل کر کے وُہ سوسائٹی کے کارآمد رُکن نہیں بن سکتے؟

ہم جانتے ہیں کہ ایلیٹ اور برینرڈ کی کوششوں سے ایسے اثرات پیدا ہو چکے ہیں اور ایسے ہی نتائج امریکہ کے باشندوں کے درمیان بھی ظہور میں آ چکے ہیں۔ اگر اس ہی طرح کی کوشش دُنیا کے دیگر ممالک میں بھی کی جائے اور وُہ بھی خدا کی برکت سے کامیاب ہو [جس کی پوری اُمید ہے کہ وُہ ہو گی] تو کیا ہم توقع نہیں رکھ سکتے کہ ان لوگوں میں سے لائق فلاسفر پیدا ہوں گے جو حق کو ثابت کرنے کے لئے علمی مضامین اور کتابیں لکھیں گے؟

سوم۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ہمیں ان وحشیوں کے ہاتھوں قتل کئے جانے کا خوف ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جو کوئی بھی جائے گا اُس کو اپنی جان ہتھیلی پر رکھنی پڑے گی۔ وُہ جسم و جان کی پرواہ نہیں کر سکتا، لیکن ہمارا مقصد اس سے بالاتر ہے۔ خُدا کی مخلوق ہونے کی حیثیت سے یہ ہمارا فرض ہے مسیحی ہوتے ہوئے ہم کو یہ کام کرنا لازم ہے وُہ برباد ہونے والی رُوحیں پُکارتی ہیں کہ ہم سب کچھ برداشت کریں اور اُن کی بہتری کی خاطر ہر مُمکن کوشش کریں۔

پولوس اور برنباس بھی اسی طرح جان پر کھیل گئے تھے لیکن اُن کو کسی نے متلون مزاج نہیں کہا بلکہ اُن کی تعریف ہی کی گئی۔ اور پھر مرقس نے اپنی کمزوری کی وجہ سے اُن کا ساتھ چھوڑ دیا تو اُس کے فعل پر نفرت کا اظہار کیا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ جو لوگ ان غیر مہذب اقوام کے درمیان رہتے ہیں اُن کے ساتھ یہ بڑی بربریت کا سلوک کرتے ہیں اور ایسی بہت سی مثالیں بھی پیش کی جاتی ہیں لیکن مجھے ان کے باور کرنے میں کسی قدر پس و پیش ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کی کوئی حرکت ان جاہلوں کی نظر میں ہتک آمیز ہو یا کم از کم ان لوگوں نے کوئی ایسا کام کر دیا ہو جو اُن وحشیوں کے خیال کے بموجب نامناسب ہو ایسی صورت میں اگر وُہ اپنے خیالات و جذبات کی حفاظت کرنے کی غرض سے کسی ناجائز فعل کے مُرتکب ہو گئے ہوں تو اُن کے اس فعل کو اُن کی بربریت یا خونخواری کی دلیل سمجھنا بے انصافی ہے۔ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ جہاز ران

اپنی روائتی کوتاہ اندیشی کی وجہ سے وحشیوں کے جذبات کو ٹھیس لگائیں اور وُہ وحشی اپنی ناشائستگی کی وجہ سے اُس کا انتقام لیں۔
لیکن ایلیٹ اور برینرڈ اور مورآویہ کے مشنریوں کو اس قدر نہیں ستایا گیا بلکہ عام طور پر غیر قوموں نے تو کلام سُننے کا شوق ہی ظاہر کیا ہے۔ اگر اُنہوں نے کبھی مسیحیت کے خلاف زہر اُگلا ہے تو فقط نام نہاد مسیحیوں کی غیر مسیحی حرکتوں کی وجہ سے۔

چہارم۔ یہ عذر کہ ہم کو زندگی کی ضروریات فراہم کرنے میں دقتیں درپیش ہونگی اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ دراصل یہ کوئی ناقابل حل مُشکل نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ہم کو ولایتی کھانے دستیاب نہ ہوسکیں لیکن ہم دیسی غذا پر ہی اکتفا کر سکتے ہیں۔ اور اگر ایسا کیا بھی جائے تو کوئی بڑی بات نہیں کیونکہ خادم ہونے کی وجہ سے ہمارے لئے یہ ضروری ہے۔
ایک مسیحی مبشّر اپنی مرضی کے معاملہ میں خُود مختار نہیں ہوتا کیونکہ وُہ خُدا کا خادم ہوتا ہے۔ لہٰذا اُس کا فرض منصبی ہے کہ اپنے مالک کا وفادار رہے۔ اس مُقدّس خدمت کا متحمّل ہوتے ہوئے وُہ وعدہ کرتا ہے کہ ہر وقت اور ہر ممکن طریقہ پر خُدا کے کام میں مصرُوف رہے گا۔ پھر اُس کو یہ حق نہیں کہ اپنی مرضی پُوری کرے اور نہ ہی اُس کو یہ اختیار رہے کہ اپنی خواہشات کے مطابق کام کرے یا اس خدمت کو اپنے ذاتی مقاصد یا خُود غرضی کے تابع کر دے یا محض ایک غیر اہم یا غیر ضروری مشغلہ تصوّر کرے۔ وُہ وعدہ کرتا ہے کہ اس خدمت کے دوران میں جہاں کہیں خُدا اُس کو لے جائیگا وُہ وہیں جائے گا۔ جو کچُھ خُدا اُس کے لئے مُناسب سمجھے گا یا جس مشقّت اور تکلیف کو برداشت کرنے کے لئے خُدا اُس کو حُکم دے گا اُس کو صبر و تحمّل سے برداشت کرے گا۔ وُہ اپنے دوستوں کو، اپنی خواہشات کو اور اپنے آرام کو خیرباد کہہ کر اپنے مالک اور خُداوند کی خدمت میں بڑی سے بڑی قُربانی کرنے اور سخت سے سخت تکلیف سہنے کو مُستعد رہتا ہے۔

یہ خادمانِ دین کو زیب نہیں دیتا کہ کثیر مجمع کو، ہزاروں سامعین کو، عزیز و منسوں

کو، مہذّب مُلک کو، قانُون کی حفاظت اور پناہ کو اور تزک و احتشام کو دیکھ کر اس دُنیا میں محو ہو جائیں یا ان دُنیوی چیزوں سے خُوشی اور مُسرّت حاصل کریں۔ ان کو خُوشی حاصل کرنی چاہیئے مخالفین اور دوست نما دُشمنوں کے کینہ اور نفرت سے۔ تاریک زندانوں سے۔ قید کی سختیوں سے۔ وحشیوں کے ساتھ بُود و باش اور اُن کی ناشناسُتہ زبان سے۔ ویران اور سنسان جنگلوں میں چھوٹی چھوٹی جھونپڑیوں سے۔ بھُوک۔ پیاس۔ عُریانی۔ تکان۔ تکلیف۔ محنت اور حوصلہ شکن واقعات سے۔ اسی طرح شرُوع شرُوع میں رسُولوں نے کام کیا اور مسیح کے بہادر سپاہیوں کی طرح ان تمام تکالیف کو برداشت کیا۔

ہم ایک مہذّب مُلک میں بستے ہیں۔ یہاں کا قانُون مسیحی مذہب کی حفاظت کرتا ہے۔ جب تک ہم یہاں رہتے ہیں ہم کو ضرُورت نہیں کہ یہ اذیّتیں برداشت کریں۔ لیکن کیا ہم سب کو یہاں رہنے کا حق ہے جبکہ دُوسرے مُلکوں میں اتنی رُوحیں فضلِ الٰہی کو پائے بغیر تباہی کی طرف بہتی چلی جا رہی ہیں؟

مَیں دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتا ہُوں کہ خادمانِ دین کے لئے ذاتی اغراض کی بنا پر یا دُنیوی فائدہ حاصل کرنے کی نیّت سے اس عظیم خدمت کو اپنے ذمّہ لینا کلام کی رُوح کے قطعی منافی ہے۔ اس کے برعکس خُداوند کا حُکم ان کے لئے صریح ہے کہ ہمّت سے کام لیں اور قدیم مسیحیوں کی طرح سب قوموں میں جا کر انجیل کا پیغام سُنائیں۔

مُمکن ہے کہ یہ ضرُورت پیش آئے کہ کم از کم دو (۲) اشخاص ایک ساتھ جائیں اور عام طور پر بہتر ہے کہ یہ شادی شُدہ ہوں تاکہ ان کا سب وقت زندگی کی ضرُوریات فراہم کرنے ہی میں نہ لگ جائے۔ ان لوگوں کے ساتھ دو (۲) یا زیادہ اشخاص مع خاندان کے جا سکتے ہیں جن کا کام فقط یہ ہوگا کہ اُن کی پرورش کا انتظام کریں۔ بعض بعض مُلکوں میں اُن کو ضرُورت ہوگی کہ رہنے کے لئے ایک چھوٹے سے قطعہ اراضی کی کاشت کریں تاکہ کسی وقت ان کے کام آئے — اس طرح ان کو آپس کے میل جول سے بہت فوائد پہنچیں گے ان کے علاوہ خرچ و اخراجات کا وہ سوال بھی جاتا رہے گا جو ایسی کوششوں کے ساتھ ہمیشہ لگا رہتا ہے کیونکہ محض

شروع شروع کا خرچ ہی برداشت کرنا ہوگا۔ ایسی نو آبادی کو پہلے پہل امداد کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن جب تعداد اتنی کم ہو تو پہلی فصل کے بعد ہی وہ اپنی ضرورت کی تمام اشیا خود پیدا کر سکتے ہیں۔ وہ خود اپنی جائے رہائش تلاش کر سکتے ہیں۔ ان کی ضروریات بھی بہت قلیل ہوں گی۔

* * * * * * *

* * * * * * * *

جو لوگ مشنریوں کی پرورش کے لئے ساتھ جاتے ہیں ان کو کاشتکاری اور شکار وغیرہ سے واقفیت ہونی چاہیئے اور ان کے پاس تمام ضروری سامان بھی ہونا چاہیئے۔ چنانچہ بہت سے ایسے ہی طریقے کام میں لائے جا سکتے ہیں۔ اور جب کام شروع ہو جائے گا تو بہت سی باتیں خود بخود معلوم ہو جائیں گی جن کا ہم اسوقت خیال وگمان بھی نہیں کر سکتے۔

پنجم۔ ان کی زبان سیکھنے کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو طریقے ہم تجارت کی غرض سے زبان سیکھنے کے لیئے استعمال کرتے ہیں وہی اس صورت میں بھی کار آمد ثابت ہوں گے۔ کہیں کہیں ترجمانوں کی ضرورت ہوگی جو کچھ عرصہ تک رکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن اگر ترجمان نہ مل سکیں تو مشنری کو تحمّل سے کام لینا پڑیگا وہ لوگوں کے ساتھ میل جول اور ربط ضبط پیدا کرے گا تاکہ اُن کی بول چال کو سمجھ کر اُسے اُن کی زبان پر اتنا عبور حاصل ہو جائے کہ اپنے خیالات اُن پر آسانی سے ظاہر کر سکے۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ ایک یا زیادہ سے زیادہ دو سال میں دُنیا کی کسی قوم کی زبان اس حد تک حاصل کر لینا اتنا مُشکل نہیں ہے کہ انسان اپنے جذبات اور خیالات کا اظہار کرنے کے لائق نہ ہو جائے۔

مشنریوں کو نہایت پارسا۔ دُور اندیش۔ دلیر اور صابر ہونا چاہیئے۔ ان کو اپنے خیالات پر نہایت اُستواری سے قائم رہنا چاہیئے اور ان کو چاہیئے کہ اپنی خدمت کو دلی رجحان کے ساتھ شروع کریں۔ ان کو زندگی کی تمام نعمتیں اور آسائش چھوڑ دینے کے لئے آمادہ رہنا چاہیئے۔ اور یہ ارادہ کر لینا چاہیئے کہ خواہ کچھ بھی ہو گرمی کی تپش اور سردی کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار رہیں گے۔ ان کو

وہ تمام مُصیبتیں سہنی پڑیں گی جو ان کی خدمت کے دوران میں اُن کے سامنے آئیں گی۔

* * * * * *

* * * * * * * *

منزلِ مقصود پر پہنچنے کے بعد ان کے لئے ضروری ہوگا کہ سب سے پہلے اُس مُلک کی زبان سیکھیں (اس لئے دو ۲ اشخاص کا ایک ساتھ جانا ہی بہتر ہے) اور ہر جائز اور مُمکن طریقہ سے اُس مُلک کے باشندوں سے دوستی پیدا کریں اور اُن پر یہ ظاہر کردیں کہ وُہ کس غرض سے اُن کے مُلک میں آئے ہیں۔ مشنریوں کو چاہیئے کہ ان لوگوں پر ثابت کردیں کہ وُہ اُن ہی کی بہبُودی کی خاطر اپنے دوستوں کو اور اپنے وطن کے چین و آرام کو چھوڑ کر آئے ہیں۔ اگر اُن کو ان لوگوں کی کوئی حرکت ناگوار گزُرے تو اپنے غصّہ کا اظہار نہ کریں۔ خود پسندی سے باز رہیں۔ غیر مسیحیوں کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھیں اور اس طرح انجیل سے تنفّر پیدا کرنے اور اُس کے ردّ کئے جانے کا پیش خیمہ نہ بنائیں۔ ہر طرح اُن لوگوں کی بھلائی میں لگے رہیں۔ دن اور رات مشقّت کرکے اور سفر کی صعُوبتیں سہہ کر ان کو تعلیم دیں۔ اُن کو تلقین کریں اور بصُورتِ ضرُورت اُن کو مُناسب تنبیہہ بھی کریں۔ لیکن یہ تمام کام صبر و تحمّل کے ساتھ کئے جائیں اور سب کا واحد مقصد اُن کی بہتری اور بہبُودی ہو۔

مشنری کو ہر وقت دُعا میں لگے رہنا چاہیئے تاکہ اُس کی خدمت سے اُن لوگوں پر رُوح القُدس کی برکت نازل ہو۔

ایسے مشنری اگر مل جائیں تو ہم دیکھ لیں گے کہ یہ کام ہرگز ناممکن ثابت نہ ہوگا۔ اگر خُدا کی برکت اُن کے شاملِ حال ہو اور جن لوگوں کے درمیان خدمت کی جاتی ہے۔ اُن میں کچھ خُوبیاں نظر آئیں تو اُن کی ہمّت افزائی کرنا نہایت ضرُوری ہے۔ اگر ایسے چند اشخاص تیّار کئے جا سکیں تو ان کی مقامی رسم و رواج کی واقفیّت اور زبان کا علم بہُت کارآمد ثابت ہوگا۔ اور چُونکہ ان کے اطوار میں بھی نمایاں تبدیلی پیدا ہو جائے گی اس لئے اُن کی خدمت اور بھی زیادہ فائدہ مند اور کامیاب ثابت ہوگی۔"

انگریزی زبان میں اس سوال پر یہ پہلا مضمون لکھا گیا اور اب تک اس جیسا

اپنی اپنی قوم کے لئے تھے۔ اپنی اپنی کلیساؤں اور اپنی اپنی برادری کے لئے تھے۔ لیکن ولیم کیری انگلستان کا فرزند ہوتے ہوئے بھی خُدا کا خاص خادم تھا اور وُہ یہ محسُوس کرتا تھا کہ اُس کی خدمت کی زبردست ذمّہ داری اُس اکیلے پر ہے۔ وُہ دیکھ رہا تھا کہ تواریخ میں ایسی ذمّہ داری کسی اَور ایک کمزور ہستی کے نازک دوش پر نہیں رکھی گئی تھی۔ ولیم کیری نے اس اہم ذمّہ داری کو قبُول کر کے اس کو عملاً کامیاب ثابت کیا اور دُنیا کے تمام مُصلحین میں سب سے بڑا کام کر گیا۔ اُس نے ایک زمانہ کی رفتار میں حرکت اور تبدیلی پیدا کر دی۔ اپنے ہمعصروں کے خیالات میں ہیجان برپا کر دیا اور فضا کا رُخ پلٹ کر رکھ دیا اور اس طرح ولیم کیری نے دیگر اقوام کو اُن کی جہالت اور لامذہبیّت کے تاریک غاروں سے نکال کر دینِ حق کی روشنی میں لا کھڑا کیا۔

پانچواں باب

بپٹسٹ مِشنری سوسائٹی

جب کیری نے اپنی تبلیغی انجمن جاری کرنے کے لئے جدّوجہد شروع کی تو اُس کی امداد کے لئے اُس کو ایک ایسا شخص ملا جو اپنے کردار۔ اپنی علمی قابلیّت اور ذاتی صفات کی وجہ سے نہ صرف مُناسب بلکہ اس خدمت کے لئے بہترین شخص تھا۔ یہ مسٹر اینڈرو فُلر (ANDREW FULLER) تھے جن کے ہمراہ رہ کر کیری نے پچیس ۲۵ سال تک خدمت کی حالانکہ ان دونوں کے مابین جغرافیائی بُعد کرۂ ارض کی نصف لمبائی سے کم نہ تھا کیونکہ فُلر صاحب نے انگلستان میں اور کیری نے ہندوستان میں ایک ہی سوسائٹی کے ماتحت خدمت کی۔

بہرحال کیری نے ادھر یہ ظاہر کر دیا کہ ہندوستان اور ایشیا کلامِ مُقدّس۔ چرچ اور سکول کے ذریعہ اور رُوحانی اور مادّی سچائی کی امداد سے مسیح کے قدموں میں لائے جا سکتے ہیں۔ اور اُدھر فُلر انگلینڈ۔ سکاٹ لینڈ اور امریکہ پر یہ ثابت کرنے

ہیں کامیاب رہا کہ جو خدمت ابراہیم کے وقت سے جاری ہے اُس میں ان ممالک کا بھی ایک زبردست فرض ہے جس کو انجام دینے کا وقت آگیا ہے۔

فُلر کیری سے عمر میں سات سال بڑا تھا۔ یہ ایک کاشتکار کے گھر میں پیدا ہوا اور خود اُسی علاقہ میں محنت مزدوری کر کے گزارہ کرتا تھا جس میں کسی وقت کرامویل (CROMWELL) نے پرورش پائی تھی (فُلر کی شکل و صورت بھی بہت کچھ کرامویل کے مشابہ تھی)۔ کرامویل ہی کی طرح اُس نے بھی گھر پر خود تعلیم حاصل کی تھی۔ بلکہ جن رُوحانی تجربات میں سے کرامویل کو گزرنا پڑا تھا تقریباً وہی فُلر کو بھی پیش آئے تھے۔

۱۷۸۴ء میں ناٹنگھم (NOTTINGHAM) نامی مقام پر بپٹسٹ پاسبانوں کی ایسوسی ایشن (PASTORS' ASSOCIATION) کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں سٹکلف (SUTCLIFF) نے تحریک پیش کی کہ عوام کو دعوت دی جائے کہ اُن کے ساتھ مل کر ہر ماہ پہلے سوموار کو ایک گھنٹہ دُعا میں صرف کیا کریں تاکہ خُدا وند کی رُوح کی برکات اُن پر نازل ہوں۔ اس تجویز کے منظور ہو جانے پر رائیلینڈ .... (RYLAND) نے اس عالمگیر اپیل کے لئے مواد جمع کیا اور اس کو ایک تحریری شکل میں لا کر شائع کیا۔ اُسی سال فُلر کی ایک مشہور کتاب[1] بھی شائع ہوئی اور اُس کے سات سال بعد اُس کو موقعہ ملا کہ کلپسٹون (CLIPSTONE) میں اجلاس کے رُو برُو ایک درس دے۔

کہا جاتا ہے کہ اس درس میں فُلر نے اس قدر فصاحت و بلاغت سے کام لیا اور اس خوش اسلوبی اور جوش و خروش کے ساتھ اپنے پیغام کو پیش کیا کہ خود اُس کو بھی شک ہو گیا کہ کہیں میں اپنے خیالات و جذبات کا اظہار کرنے میں حد سے تو تجاوز نہیں کر گیا۔

جن سامعین کے روبرو یہ درس دیا گیا تھا وہ عرصہ سات سال سے دُعا میں مصروف تھے لیکن اس کے باوجود اُن میں سے اکثر غیر ممالک کو تبلیغی مشن روانہ کرنے کی مخالفت کر رہے تھے۔ بلکہ چند نے تو کیری کے ساتھ ایسا سلوک کیا گویا وہ خواب کی حالت میں ہے یا از خود رفتہ ہو گیا ہے۔

[1] کتاب کا نام یہ تھا:- "GOSPEL WORTHY OF ALL ACCEPTATION"

لیکن اس مؤثر تقریر کو سُن کر کیری کیونکر خاموش رہ سکتا تھا؟ دستور کے مطابق درس کے بعد سامعین کو موقعہ دیا جاتا تھا کہ درس کے موضوع پر تبادلۂ خیالات کریں۔ یہ ابھی ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ کیری نے موقعہ پاکر اُن سے پُرزور استدعا کی کہ لفظی بحث کو چھوڑ دیں اور اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنائیں۔ اُس نے یہاں تک کہا کہ ایک مشنری سوسائٹی کی بُنیاد آج ہی ڈال دینی چاہیئے۔ فُلر سے پہلے سٹکلف بھی ایک تقریر کر چکے تھے جس میں اُنہوں نے ناموسِ الٰہی کے نام پر اپیل کی تھی اور اُس حُبِّ الٰہی اور اُس آسمانی آگ کے لئے دُعا کی تھی جو ایلیاہ نبی کے سینہ میں دھکتی تھی اور اُس کی زندگی کے ہر پہلو کو مُنوّر کئے ہُوئے تھی۔

اُن کے زمانہ کا ایلیاہ ان کے درمیان موجُود تھا۔ اُس کے سینہ میں بھی وُہی آگ کئی سالوں سے مشتعل تھی لیکن بالآخر اُنھوں نے فقط یہ وعدہ دیا کہ "کچھ نہ کچھ کیا جائیگا"۔ اس کے علاوہ کیری سے درخواست کی گئی کہ اپنے مضمون "تحقیقات" کو شائع کردے اور آیندہ سال کانفرنس میں درس دے۔

چُنانچہ ۳۱ مئی ۱۷۹۲ء کو پاسبانوں کا اجلاس منعقد ہُوا جس کی بدولت کیری کو وُہ موقعہ مِل گیا جس کی وُہ تلاش میں تھا۔ یہ اجلاس بھی ناٹنگھم ہی میں منعقد ہُوا، جہاں چند سال پیشتر عالمگیر دُعا کی وُہ تحریک شروع ہوئی تھی جس کا ذکر اُوپر ہو چکا ہے۔ کیا آج نو برس کے بعد اسی مقام پر اِن دُعاؤں کا جواب ملنے کو تھا؟

کیری کا مضمون بھی شائع ہو چُکا تھا اور عوام نے اس کا مُطالعہ بھی کرلیا تھا لیکن سوال یہ تھا کہ کیا یہ مضمون کیری کے راستہ کو ہموار بنانے میں کامیاب ہُوا تھا یا نہیں؟ کیری کے وعظ کی سندی آیت یہ تھی:-

"اپنے خیمے کے مقام کو بڑھا دے۔ ہاں اپنے مسکنوں کے پردے پھیلا۔ دریغ مت کر۔ اپنی ڈوریاں لمبی اور اپنی میخیں مضبوط کر۔ اس لئے کہ تو دہنی اور بائیں طرف بڑھے گی اور تیری نسل قوموں کی وارث ہوگی اور اُجاڑ شہروں کو بسائے گی"۔ (یسعیاہ ۵۴: ۲ و ۳)

ان آیات کو کیری نے کلیسیا سے منسوب کرکے بتایا کہ جب تک وُہ تبلیغی خدمت نہ کرے گی وُہ بھی ایک بانجھ عورت کی طرح رہے گی۔ لیکن ان آیات میں ترقی اور تیاری

کرنے کا حکم اس بانجھ عورت کو ہی دیا گیا ہے۔ غرضیکہ کیری نے ایک نہایت مؤثر تقریر کی اور نتیجے کے طور پر سامعین سے التجا کی کہ وُہ اپنا نصب العین بنائیں:۔

"خُدا سے عظیم الشّان برکتوں کی اُمّید رکھو اور خُدا کے لئے عظیم الشّان کام انجام دینے کے لئے کمر بستہ[1] رہو۔"

(اس دن سے یہ دو جُملے بپٹسٹ مشنری سوسائٹی کا نصب العین قرار پا گئے)

اجلاس ختم ہُوا۔ فُلر بھی شُبہ میں پڑ گیا۔ رائیلینڈ نے بھی کوئی اشارہ نہ کیا۔ اور پاسبان ایک ایک کر کے باہر جانے لگے۔ کیری کی مایُوسی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ لیکن اس مایُوسی ہی نے اُس کو ایک آخری کوشش کرنے کی جُراُت دلائی۔ وُہ دیکھ رہا تھا کہ اپنے معبُود کی وکالت کرنے کو وُہ اکیلا ہی رہ گیا ہے۔ وُہ محسُوس کر رہا تھا کہ اگر اُس نے تن تنہا اس وقت انتہائی کوشش نہ کی تو اُن خادمانِ دین کے ہاتھوں اُس کے مالک کے کام کا خُون ہو جائے گا اور وُہ مقصد جس کے لئے وُہ کئی سالوں سے جدّوجہد کر رہا ہے فوت ہو جائیگا۔ لہٰذا مایُوسی اور نااُمیدی کے اس طُوفان کے باوجُود اُس نے فُلر کو پکڑا۔ اس وقت کیری کی آنکھوں سے حسرت و یاس کے بے پناہ جذبات ٹپک رہے تھے۔ کیری نے فُلر کا ہاتھ تھام کر نہایت پُردرد لہجہ میں کہا "کیا آپ اب بھی کچھ نہ کریں گے؟"

غور کرنے کا مقام ہے کہ مسیحیّت کی تاریخ میں یہ کیسا اہم اور نازک لمحہ تھا۔ اس وقت اعلےٰ جذبات اعلےٰ خیالات کے رُوبرُو موجُود تھے۔ کیری کے طرزِ عمل اور اُس کی آواز میں ایک درد تھا جس کو فُلر نے محسُوس کیا اور یکایک خُداوند کے رُوح نے اُس کے قلب کو چھُوا اور اُس کو معمُور کر دیا۔

اس سے پیشتر فُلر بارہا کیری کے خیالات سے اپنا اتّفاق رائے ظاہر کر چکا تھا۔ لیکن ابھی تک فُلر نے بھی یہ ہمّت نہ کی تھی کہ کیری کی سی گرم جوشی کا اظہار کرے یا کیری کے خیالات کو عملی صُورت دینے کے لئے اُس کی تجاویز پر عمل کرنے کا وعدہ کرے۔ لیکن آج فُلر سے نہ رہا گیا۔ اُس نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ کیری کا ساتھ دے گا اور یُوں کیری نے اپنے جذبہ کے زور سے فُلر کو ہی اپنا پہلا ہمدرد بنا لیا۔

فُلر ہی کی امداد ایسی تھی جس نے تمام حالات کو تبدیل کر دیا۔ اُس کے اثر و رسُوخ سے دیگر ہم خدمتوں کے خیالات بھی تبدیل ہونے شروع ہو گئے۔ حالانکہ اجلاس نے

[1] EXPECT GREAT THINGS FROM GOD - ATTEMPT GREAT THINGS FOR GOD.

فیصلہ صادر کر دیا تھا کہ کیری کی تجاویز ملتوی رکھی جائیں لیکن جب فُلر نے اس معاملہ پر دوبارہ غور کرنے کی تحریک پیش کی تو کسی کو جرأت نہ ہُوئی کہ اُس کی مخالفت کر سکے۔ فُلر کے متعلق کسی نے کہا تھا کہ وُہ "برقِ خُفتہ" ہے جس کو بیدار کرنا مُناسب نہیں۔ کوئی اُس کے جذبات سے کھیلنے کی ہمّت نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ فُلر کی تحریک پر مندرجہ ذیل قرارداد منظور ہُوئی :-

"غیر مسیحیوں میں انجیل مُقدس کی تبلیغ و اشاعت کی غرض سے ایک بپٹسٹ سوسائٹی قائم کی جائے اور اُس کے قیام کی ایک عملی تجویز تیار کر کے آئندہ اجلاس میں جو بمقام کیٹرنگ (KATTERING) منعقد ہوگا غور کرنے کے لئے پیش کی جائے۔"

ظاہرہ طور پر معاملہ معرضِ التوا میں پڑ گیا لیکن یہ چار ماہ سے زیادہ کا عرصہ نہ تھا۔ ۲ اکتوبر ۱۷۹۲ء کو کیٹرنگ کے اجلاس نے ایک طویل قرارداد کی رُو سے ایک سوسائٹی قائم کر دی اور اُس کے کام کے لئے چندہ فراہم کرنے کے انتظامات مکمّل کر دیئے گئے۔ اس سوسائٹی کی مجلس عاملہ کے رُکن اینڈرو فُلر (ANDREW FULLER) ۔جان رائیلینڈ (JOHN RYLAND) ۔ رینالڈ ہوگ (RENOLD HOGG) ولیم کیری (Wm. CAREY) اور جان سٹکلف (JOHN SUTCLIFF) مقرّر ہُوئے۔ جن میں سے ہوگ صاحب خزانچی منتخب ہُوئے۔ اور فُلر کو سیکرٹری کے عُہدہ پر مامُور کیا گیا۔ نیز اُسی دن سوسائٹی کے اخراجات کے لئے ۱۳ پونڈ ۲ شلنگ ۶ پنس چندہ کے وعدے بھی مِل گئے۔

کسی زمانہ میں یہ روایت عام تھی کہ یہ ۱۳ پونڈ ۲ شلنگ ۶ پنس چندہ اُسی دن وصُول ہو گیا۔ لیکن سوسائٹی کی کتابوں سے اب معلُوم ہو گیا ہے کہ یہ روایت غلط تھی۔ غریب اور نادار کلیسیاؤں کے پاسبانوں کے پاس اتنی رقم یکایک نکل آنا بھی قرینِ قیاس نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ زیادہ تر رقوم آیندہ ماہ کے شروع میں ادا کی گئیں۔ تین اشخاص نے چند قسطوں میں اپنی رقوم ادا کر دیں، اور ایک کو سال بھر کی مہلت دینی پڑی۔

اس کے علاوہ اس اجلاس سے پہلے ہی کیری کو دو دوستوں نے اس نیک کام کے لئے ڈیڑھ گنی کے عطیات دے دیئے تھے۔ لہذا کُل رقم ۱۴ اگنی ہُوئی۔

کسی شخص نے اس امر کا مضحکہ اُڑانے کی کوشش کی ہے کہ "دُنیا کو مسیحی بنانے کی

تحریک فقط تیرہ پونڈ ڈھائی شلنگ سے شروع ہوئی"۔ لیکن بقول شخصے یہ فہرست اُن کروڑوں مرد عورتوں کے بیش قیمت عطیات کی نمائندگی کرتی ہے جو اُن کے بعد آج تک اس نیک کام کے واسطے دئے گئے ہیں۔ چندہ دہندگان کے نام ملاحظہ ہوں:

- -

رائیلینڈ کی ناداری کا یہ عالم تھا کہ گھر کا خرچ پورا کرنے کو اُس کی بیوی مدرسہ میں پڑھاتی تھی۔ پیئرس اس انجمن کا شریک نہ تھا بلکہ فقط درس دینے کی غرض سے مدعو کیا گیا تھا۔ شارمن کی تنخواہ صرف ساڑھے سات شلنگ فی ہفتہ تھی۔ گرین ووڈ کا خاندان اوکھم (OAKHAM) کے مقام پر مالی مشکلات میں مبتلا تھا۔ فلر بھی ایک "چھوٹی کلیسیا" کا پاسبان تھا۔ برٹن کو پاسبانی کے علاوہ گذر اوقات کے لئے مدرسی بھی کرنی پڑتی تھی۔ بلنڈیل کو ایک قلیل تنخواہ میں اپنی بیوی اور پانچ ننھے ننھے بچوں کا خرچ چلانا پڑتا تھا۔ ہیٹن کی تنخواہ تیرہ ۱۳ شلنگ اور اسٹیرس کی ساڑھے گیارہ شلنگ فی ہفتہ تھی۔ ہاں ! "نامعلوم" کا خاص ذکر کرنا لازمی ہے: یہ ایک طالب علم تھے جن کا نام ولیم سٹاٹن (WILLIAM STAUGHTON) تھا۔ یہ خدمت کا شوق تو ضرور رکھتے تھے کیونکہ اُن کا اجلاس میں موجود ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے۔ لیکن تمام طلباء کی طرح اُن کی جیب بھی خالی تھی۔ آدھی گنی دینے کا تو اُنہوں نے وعدہ فرما دیا لیکن اُس کو ادا کرنے کے لئے اُن کو قرض لینا پڑا۔ آیندہ زندگی میں اُنہوں نے کہا کہ: "مَیں نے تبلیغی خدمت کے لئے بہت کچھ دیا ہے لیکن وُہ پہلی نصف گنی دے کر مجھے جو خوشی حاصل ہوئی وُہ پھر کبھی نصیب نہ ہوئی"۔ چونکہ یہ اجلاس کے باقاعدہ شریک نہ تھے اور محض ایک مہمان کی حیثیت سے موجود تھے لہٰذا اُنہوں نے فہرست پر اپنے دستخط بھی ثبت نہ کئے۔

اس کے علاوہ اس فہرست میں سموایل پیئرس کا نام اس وجہ سے بھی خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ یہ برمنگھم (BIRMINGHAM) کے پاسبان تھے اور اپنے ہمخدمتوں میں فرشتہ خصلت ("SERAPHIC") کے نام سے مشہور تھے۔ آپ ایک نہایت بااثر واعظ بھی تھے۔ گھر میں پہنچتے ہی اُنہوں نے اپنی جادو اثر تقاریر کے ذریعہ ستر پونڈ جمع کر کے سوسائٹی کو روانہ کئے۔ پیئرس صاحب کی بڑی تمنا تھی کہ کیری کی طرح یہ بھی اپنی زندگی کو مشنری خدمت کے لئے وقف کر دیں چنانچہ اسی وجہ سے کیری اُن کو فلر سے بھی زیادہ

عزیز رکھتا تھا۔

جس مقام پر سوسائٹی کی بنیاد ڈالی گئی وہ کیٹرنگ کی ایک بیوہ عورت کا مسافر خانہ یا سرائے تھی یہ جگہ اب بھی بپٹسٹ کلیسیاؤں کے لئے ایک زیارت گاہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ ۱۸۴۲ء میں سوسائٹی کی پچاس سالہ جوبلی کے موقعہ پر وہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع ہوئے اور صد سالہ جوبلی کے موقعہ پر جو ۱۸۹۲ء میں منائی گئی اُس سے بھی کہیں زیادہ آدمی موجود تھے۔[1]

برمنگھم کے بپٹسٹ (غالباً سموایل پیئرس کے زیر اثر) اس نئی سوسائٹی میں شریک ہو ہی گئے تھے۔ لیکن جب لندن کے بپٹسٹ لوگوں کے روبرو یہ سوال پیدا ہوا تو انہوں نے نہایت حقارت سے یہ کہا کہ کیا کیٹرنگ سے بھی کوئی اچھی چیز نکل سکتی ہے؟ —— لیسٹر (LIECESTER) کے پاسبانوں کی طرف سے بیڈم (BEDDOME) صاحب نے بھی یہ کہہ کر معذرت چاہی کہ اُن کے خیال میں ابھی وقت نہیں آیا کہ خداوند کے گھر کی تعمیر کی جائے اور کہ انگلستان کی غریب کلیسیاؤں کو بھی ایسی بڑی خدمت کی ضرورت ہے۔ "سخاوت گھر سے شروع ہونی چاہیئے" کا مقولہ آخر کامیاب ہوا۔ دیگر جماعتی کلیسیاؤں نے بھی کوئی قدم نہ اُٹھایا۔ بلکہ پرسبٹیرین (PRES-BYTERIAN) کلیسیاؤں نے تو اپنی جنرل اسمبلی (GENERAL ASSEMBLY) کے ایک کھلے اجلاس میں اعلانیہ طور پر ان تحریکوں کو بدعت سے تعبیر کر کے ان میں عملی حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ پھر کلیسیائے انگلستان کا یہ حال تھا کہ ہر چند بشپوں اور بادشاہوں تک سے درخواست کی گئی کہ تبلیغ کے کام کی طرف توجہ دیں مگر کسی کے بھی کان پر اُس وقت جوں نہ رینگی۔ تاہم اس کلیسیا کے حق میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بپٹسٹ مشنری سوسائٹی کے قائم ہو جانے کے پچانوے ۹۵ سال بعد ملکہ وکٹوریہ کے نجی چیپلین (CHAPLAIN) آرچ ڈیکن فرر (ARCHDEACON FERRER) نے ۶ مارچ ۱۸۳۷ء کو ویسٹ منسٹر ابے (WESTMINSTER ABBEY) میں وعظ کرتے وقت مندرجہ ذیل الفاظ کہے:-

[1] یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ آج ڈیڑھ سو سال بعد جبکہ لندن میں سوسائٹی کا دفتر واقعہ فرنیوال سٹریٹ (FURNIVALL STREET) جرمنی کے بموں سے تقریباً تباہ ہو چکا تھا تو پھر بپٹسٹ مشنری سوسائٹی کا دفتر کیٹرنگ میں پہنچا دیا گیا تھا۔

"اُس دن لوگ اس بات کا مضحکہ اُڑاتے تھے کہ انگلستان نے دُنیا کو مسیحی بنانے کے واسطے ایک موچی کو بھیجا ہے۔ یہ اُن ہی لوگوں کے حقیقی جانشین تھے جنہوں نے اُن سے دو ہزار ۲۰۰۰ برس پیشتر مُلک فلسطین میں یسُوعؔ ناصری کو دیکھ کر حقارت اور نفرت سے کہا تھا، کیا یہ ناصرۃ کا بڑھئی نہیں ہے؟"

ہندوستان میں فقط ایک ہستی ایسی تھی جس نے اپنی اور اپنے وطن کی کلیسیاؤں کی ذمّہ داری کو محسُوس کر کے اُن کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ یہ چارلس گرانٹ (CHARLES GRANT) تھے جنہوں نے ۱۷۸۷ء میں مالدہ سے چارلس سمین (CHARLES SIMEAN) اور ولیم ولبر فورس (WILLIAM WILBERFORCE) کو خط لکھے تھے کہ کم از کم آٹھ ۸ مشنری ہندوستان کو روانہ کئے جائیں لیکن کلیسیائے انگلستان کا ایک بھی پاسبان اس خدمت کے لئے تیّار نہ ہُوا۔ اس واقعہ کے تیس ۳۰ سال بعد جب چارلس گرانٹ صاحب کمپنی کے کورٹ آف ڈائرکٹرز (COURT OF DIRECTORS) کے صدر ہو گئے تو آپ نے فرمایا: "مَیں نے بنگال میں ایک مشن جاری کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن خُدا کی مرضی یہ تھی کہ یہ فخر بپٹسٹ کلیسیا کو حاصل ہو۔"

کیٹرنگ میں بپٹسٹ مشنری سوسائٹی کی بُنیاد ڈالنے والے بارہ ۱۲ دیہات کے پاسبان تھے۔ دراصل یہ بارہ ۱۲ شاگردوں کے صحیح معنوں میں جانشین ثابت ہُوئے۔

چھٹا باب

کیری کی روانگی اور سفرِ ہندوستان

کیری کی تمنا تھی کہ جزیرہ تاہیتی (TAHITI) جاکر خدمت کرے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اوّل تو شمالی امریکہ اور جزائر غرب الہند اور سیرالیون (SERALEON) میں موریوین (MORAVIAN) برادری کے لوگ کام کر رہے تھے۔ پھر کپتان کُوک (Capt. COOKE) نے بحرالکاہل میں تاہیتی کو دریافت کرکے اُس کے متعلق ایک ایسے زمانہ میں عوام کو معلومات بہم پہنچائیں جب کہ بپٹسٹ کلیسیاؤں میں وہ سات سالہ دُعا کی تحریک جاری ہوئی جس کے متعلق گذشتہ باب میں ذکر ہو چکا ہے۔ جس طرح کولمبس (COLUMBUS) کی سیاحت کی روئداد نے یُورپ میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا اُسی طرح کپتان کُوک کی دریافت بھی انگلستان میں زبان زدِ عام ہو رہی تھی۔ کیری نے اپنے ہاتھ سے ایک چمڑے کا نقشہ (بصورت کرۂ ارض) تیار کیا تھا اور اپنے دیہاتی مدرسے کے بچوں کو اُس کے ذریعہ نئے نئے مقامات کے حالات بتانے شروع کئے تھے۔ کیری کے شاگرد یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے کہ اُن کو جغرافیہ کے سبق پڑھاتے وقت اکثر اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے جب وہ اپنے اس نقشہ پر ایک ایک مُلک کو دکھا دکھا کر کہا کرتا تھا کہ "یہ بھی غیر مہذّب ہے۔ یہ بھی غیر مسیحی ہے۔ اس میں بھی وحشی آباد ہیں۔ یہاں بھی مردم خور لوگ رہتے ہیں۔ اس مُلک میں بھی انجیل نہیں پہنچی۔ وغیرہ"۔

ایک وقت کیری کے دل میں یہ خیال بھی پیدا ہُوا تھا کہ ہوائی (HAWII) کے جزیروں میں جاکر تبلیغ کرے۔ لیکن جب اُس نے یہ خبر سُنی کہ تاہیتی کے وحشیوں نے کپتان کُوک کو اپنا پہلا شکار بنالیا ہے تو اُس نے ہوائی جانے کے خیال کو تو ترک کر دیا اور تاہیتی جانے کا ارادہ مُصمّم کر لیا۔ کیری کی نظر میں تاہیتی کے

وحشیوں کو کلام اور تہذیب کی زیادہ ضرورت تھی۔ لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ امریکہ اور بحرالکاہل کے جزیرے لامذہبیت یا توہمات کا مرکز نہیں تھے، اور اُن کے ذریعہ پُرانی اور نئی دُنیا مسیح کی بادشاہت میں نہیں لائی جاسکتی تھی۔

جس وقت سوسائٹی کی کمیٹی کے سامنے یہ سوال پیش ہُوا کہ اپنے مشنری کس مُلک کو روانہ کئے جائیں تو کیری خُود اجلاس میں حاضر نہ تھا۔ لیکن اُس کے مندرجہ ذیل خط کے ذریعہ کمیٹی کا تعارف ایک ایسے شخص سے ہُوا جو کیری کے دَورانِ خدمت میں بہت عرصہ تک اُس کا ہم خدمت رہا تھا۔

"بنگال کے مشنری مسٹر ٹامس (MR. THOMAS) اس صُوبہ میں مشنری خدمت کرنے کی غرض سے چندہ جمع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کیا یہ مُناسب نہ ہوگا کہ ہم بھی اُن کے ساتھ تعاون کریں تاکہ انجیل کی خدمت میں سہولت ہو اور بشارت کے کام میں یک جہتی پیدا ہو جائے؟"

کیری افریقہ یا تاہیتی کو فراموش کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس کے اعلےٰ منصوبوں اور عظیم مقاصد میں ان مقامات کے لئے بھی جگہ تھی۔ لیکن خیال یہ تھا کہ اگر مسٹر ٹامس لائق آدمی ہیں تو اُن کے تجربہ سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے اور بنگال میں کام شروع کرنا چاہیئے۔ لیکن ٹامس جیسا غیر ذمّہ دار آدمی کبھی بھُول کر ہی کسی کام کو خُوبی سے کر سکتا تھا۔ انتظام یہ ہُوا تھا کہ ٹامس خُود کمیٹی کے رُوبرُو پیش ہو کر ہندوستان کے متعلّق اپنا بیان دے۔ لیکن ٹامس کمیٹی کے اجلاس کی تاریخ کو "بھُول گیا"!!! ٹامس سے اور کیا اُمیّد ہوسکتی تھی؛ ہندوستان سے وُہ آیا اس غرض سے تھا کہ اپنے کام کے لئے ایک مددگار تلاش کرے۔ آٹھ ماہ تک اُس نے انگلستان کے طُول وعرض میں سفر کیا تھا کہ کہیں اُس کو کوئی شخص مِل جائے جو اُس کے ہمراہ ہندوستان چلنے کو تیار ہو۔ نارتھیمپٹن (NORTHAMPTON) کے پاسبانوں کے ارادوں کا اُس کو علم تھا۔ کیٹرنگ (KATTERING) کے اس اجلاس کی تاریخ اُس کو بتادی گئی تھی۔ یہاں اُس کو ایسا مددگار ملنے کی اُمید بھی تھی جس کی جستجو میں وُہ ہندوستان سے آیا تھا، لیکن جب وقت آیا تو ٹامس تاریخ کو "بھُول گیا"۔!!!

چنانچہ مجبوراً کمیٹی کا اجلاس ٹامس کی غیر موجُودگی میں منعقد ہُوا، اور شاید

یہی بہتر بھی تھا کہ اُنہوں نے ٹامس کی غیر حاضری ہی میں فیصلہ کیا کہ اُن کا پہلا مشنری ہندوستان جائے۔ مگر اجلاس منتشر ہونے سے پیشتر اُنہوں نے فُلر (FULLER) کو ہدایت کی کہ ٹامس سے ملاقات کر کے مزید معلومات فراہم کریں اور کمیٹی کے آئندہ اجلاس میں پیش کریں۔

مگر جب کمیٹی کا یہ دُوسرا اجلاس منعقد ہؤا تو فُلر کو یہ دیکھ کر بہت مایوسی ہوئی کہ نہ تو رائیلینڈ (RYLAND) ہی موجود تھے اور نہ ہی سٹکلف (SUTECLIFF) آ سکتے تھے۔ بلکہ ٹامس بھی پھر غیر حاضر تھا کیونکہ اس مرتبہ کسی حادثہ کی وجہ سے اُس کے پاؤں میں سخت چوٹ آگئی تھی۔ فُلر نے اپنی قرارداد پیش کی اور ٹامس کے چند خطوط پڑھ کر سُنائے۔ اور سب نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ "کوشش کی جائے کہ موسم بہار تک ٹامس کے ہمراہ ایک مددگار روانہ کیا جا سکے۔"

اُسی شام کیری نے مکاشفات کی اس آیت پر وعظ کیا: "مَیں جلد آنے والا ہُوں اور ہر ایک کام کے موافق دینے کے لئے اجر میرے پاس ہے۔" لیکن سامعین کی حیرت اور خُوشی کی انتہا نہ رہی جب عبادت کے اختتام پر خود ٹامس لنگڑاتا ہُوا اُن کے درمیان آ موجود ہؤا!!! اُس کی ہمّت اور جرأت قابلِ تعریف تھی۔ لیکن یہ امر بھی کیسا دلچسپ ہے کہ کمیٹی نے پہلی مرتبہ ٹامس کو ایسی حالت میں دیکھا۔ یہ گویا ٹامس کے کردار کی مجسّم تصویر تھی۔ تمام عُمر وُہ ہمّت سے کام کرتا رہا لیکن لغزش بھی اُس کے ساتھ ہی ساتھ رہی۔ وُہ رُوحانی جوش میں جوانمردی سے کام لیتا تھا لیکن دُنیوی امُور میں اگر بُزدل نہیں تو کمزور ضرور تھا۔

کمیٹی کا اجلاس دوبارہ منعقد ہُوا۔ ٹامس کو صُبح کے اجلاس کا فیصلہ سُنایا گیا! جس کو اُس نے نہایت خُوشی سے منظُور کیا۔ پھر ٹامس سے دریافت کیا گیا کہ اخراجات کا تخمینہ کیا ہوگا (کمیٹی کو معلُوم نہ تھا کہ وُہ کیسے شخص سے صلاح لے رہے ہیں!!!) ٹامس نے اُن کو بہت سبز باغ دکھائے۔ چنانچہ اُس کا بیان تھا کہ:-

"مالدہ میں ایک پینی (PENNEY) میں مُرغی اور دو ۲ پنس (PENCE) میں بطخ مِل جاتی ہے۔ اور ڈھائی ڈھائی پنس میں بھیڑ۔ بکری۔ ہرن وغیرہ بڑی آسانی سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ .... اٹھارہ ۱۸ شلنگ (SHILLING

ہیں چھپر تو اَر کچی اینٹوں کا ایک عمدہ مکان تیار ہو جاتا ہے۔ مَیں نے خُود اپنے لئے
ایک ایسا مکان بنایا ہے اور مجھے اس میں جو آرام حاصل ہُوا وُہ انگلستان
کے مکانوں میں بھی نصیب نہیں ہو سکا۔ ہندوستان کے ہزاروں خاندان
دس شلنگ ماہوار میں اپنے گھر کا خرچ چلا رہے ہیں وغیرہ۔

کمیٹی کو ٹامس کے قرضوں کا علم نہ تھا ورنہ وُہ ضرور یہ سوال کرتی کہ اگر ہندوستان
میں بُود و باش کے اخراجات اس قدر کم ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ٹامس خُود بار بار قرض میں
مُبتلا ہو جاتا ہے۔ ٹامس سے جب دریافت کیا گیا کہ آیا یہ مُمکن ہے کہ مشنری ہندوستان
میں خُود اپنی گُزر کا انتظام کر سکیں تو اُس نے جواب دیا کہ شروع شروع میں تو انکو امداد
کی ضرُورت ہوگی لیکن رفتہ رفتہ وُہ خُود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں گے۔ یہ کیری کے
اصُول اور اُس کے ارادوں کے بالکل مطابق تھا لہٰذا کیری نے فوراً اپنے آپ کو پیش کر
دیا۔ ٹامس اپنی چوٹ کو بھُول گیا اور ایک جست لگا کر کھڑا ہُوا اور کیری کو گلے سے لگا
لیا۔ کئی منٹ تک یہ دونوں اِسی طرح گلے مل کر روتے رہے۔ اُس دن سے کیری اور
ٹامس نے ایک دُوسرے کا ساتھ نہ چھوڑا۔

وُہ دن تھا جب کہ کیری نے اپنے آپ کو ہندوستان کی خدمت کے لئے وقف کیا
اور تادمِ حیات اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس ملک کی بہتری اور بہبُودی میں صرف کر دیا۔

کمیٹی کے دیگر افراد کا یہ حال تھا کہ وُہ بقول فُلر:

"یہ محسُوس کر رہے تھے کہ ہندوستان ایک سونے کی کان ہے جو زمین کے قلب میں
واقع ہے۔ سوال یہ تھا کہ اس اتھاہ گہرائی میں اُتر کر کون اُس بیش قیمت سونے
کو نکالنے کی جُرأت کرے گا۔"

"مَیں اس تاریک غار میں اُترنے کی ہمّت کرتا ہُوں" کیری نے جواب دیا اور پھر
فُلر کو مخاطب کر کے کہا "لیکن واضح رہے کہ غار کے دہانہ پر وہ رسّیاں تم کو سنبھالنی
ہوں گی جن کے ذریعہ مَیں نیچے اُتروں گا۔"

چُنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صرف فُلر۔ رائیلینڈ اور رٹکلف نے ہی نہیں بلکہ اُس کمیٹی
کے ایک ایک فرد نے تادمِ زیست نہایت وفاداری اور دیانتداری سے کیری کا ساتھ دیا۔

اس طرح ۱۰ جنوری ۱۷۹۳ء کو کیٹرنگ کے مقام پر ٹامس اور کیری۔ ایک ڈاکٹر

اور دوسرا پادری ہندوستان کے لئے مشنری مقرر ہوئے۔ ان دونوں کی مجموعی تنخواہ "سو یا ڈیڑھ سو پونڈ" مقرر ہوئی جس میں دو مشنری۔ اُن کی بیویاں۔ اور چار بچوں کے اخراجات پورے کرتے تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا گیا تھا کہ یہ تنخواہ صرف اُس وقت تک دی جائے گی جب تک کہ یہ دونوں اپنی گذر کا انتظام خود نہ کریں گے لیکن دراصل تین سال کے عرصہ میں ان کو فقط دو سو پونڈ ملے۔

ضروری سامان کے لئے سوسائٹی کے پاس فقط ایک سو تیس پونڈ نقد تھے۔ لہٰذا سفر کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے کیری اور ٹامس نے کلیسیاؤں میں چندہ جمع کرنے کی غرض سے دورہ کیا۔ ان ہی ایام میں ہل (HULL) کے مقام پر کیری کی ملاقات ولیم وارڈ (WILLIAM WARD) سے ہوئی جس کو کیری نے ان الفاظ میں راغب کیا "اگر خدا کا فضل ہمارے شامل حال رہا تو ہم کو تمہارے پیشہ کے ایک لائق آدمی کی ضرورت ہوگی تاکہ وہ کتاب مقدس کو چھاپے۔ اُمید ہے کہ تم ہمارے پاس ضرور آؤ گے" چنانچہ پانچ برس بعد یہ بھی ہندوستان میں کیری سے جا ملا۔

۲۰ مارچ ۱۷۹۳ء کو لیسٹر (LEICESTER) کی عبادت گاہ میں ان دونوں مشنریوں کو تبلیغی خدمت کے لئے تخصیص کرنے کی رسم ادا کی گئی۔ صبح کا وقت دعا میں صرف ہوا۔ بعد دوپہر ٹامس نے زبور ۱۶ آیت ۴ پر وعظ کیا یعنی "غیر معبودوں کے پیچھے دوڑنے والوں کا غم بڑھ جائے گا"۔ خزانچی نے شام کو اعمال ۲۱ باب ۱۴ آیت پر کلام کیا یعنی "جب اُس نے نہ مانا تو ہم یہ کہہ کر چپ ہو گئے کہ خداوند کی مرضی پوری ہو"۔ پھر خداوند مسیح کے مشہور الوداعی حکم پر فلر صاحب کی ایک تقریر ہوئی جس میں خداوند نے کہا "پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور اُن کو باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے بپتسمہ دو اور اُن کو یہ تعلیم دو کہ ان سب باتوں پر عمل کریں جن کا میں نے تم کو حکم دیا اور دیکھو میں دنیا کے آخر تک ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں" (متی ۲۷ باب ۱۹ اور ۲۰ آیات)۔

کیری کی کلیسیا کے رجسٹر میں چار دن کے بعد مندرجہ ذیل الفاظ لکھے گئے:۔

آج ہمارے پاسبان مسٹر کیری لیسٹر تشریف لے گئے تاکہ وہاں سے ہندوستان کی بت پرست اور توہم پرست قوموں میں تبلیغی خدمات انجام دینے کے لئے روانہ

ہوں۔ یہ الفاظ اس لئے درج کئے جاتے ہیں کہ ظاہر ہو کہ اُن کے دل میں غریب اور لاچار ابنائے جنس کے لئے کس قدر محبّت موجود ہے۔ ہم نے اُن کو اس خدمت کی اجازت دے دی ہے حالانکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم ایک ایسے شخص کو اپنے ہاتھ سے جانے دے رہے ہیں جس کو ہم سب اپنی جان کے برابر عزیز رکھتے ہیں۔"

اس کلیسیا میں ایک وقت ایسا بھی گزر چکا تھا کہ کیری کی فصاحت و بلاغت کی کشش سے حاضرینِ عبادت کی تعداد اتنی زیادہ ہونے لگی تھی کہ اُن کو اپنے گرجا گھر کی عمارت بڑھانے کی ضرورت پڑی۔ لیکن اُن کی مالی حالت اس قدر خراب تھی کہ ۹۸ پونڈ کی خاطر دُوسری کلیسیاؤں کے سامنے اپیل کرنی پڑی مگر بے سُود۔ اس پر کیری نے اُن کو یہ صلاح دی کہ کیوں نہ خُود ہی کوشش کر کے اس رقم کو پُورا کیا جائے۔ لہٰذا پانچ سال کے عرصہ میں اُنہوں نے تھوڑا تھوڑا چندہ جمع کر کے اس تعمیر کے کام کو پُورا کیا۔ اس طریقہ پر کیری نے اس کلیسیا کو قُربانی کرنے کا جو سبق سکھایا تھا یہ اُس ہی کا نتیجہ تھا کہ آج اس کلیسیا نے اپنی عزیز ترین شے یعنی اپنا ہر دلعزیز پاسبان دُوسروں کو سونپ دیا۔

لیکن کیری کے راستہ میں ابھی بہت سی دُشواریاں تھیں جن کو عبُور کرنا لازم تھا۔ اُس نے بپٹسٹ مشنری سوسائٹی کا پہلا مشنری بنکر بنگال آنے کا وعدہ تو کر لیا لیکن واپس گھر کو جاتے وقت وُہ یہی سوچ رہا تھا کہ اپنی بیوی سے کس طرح کہے گا کہ وُہ ہندوستان چلنے پر رضامند ہو جائے۔ کیری نے وعدہ کیا تھا کہ وُہ اپریل تک روانہ ہو جائے گا۔ اُس وقت مسز کیری کے ماں بننے میں فقط ایک ماہ باقی رہتا تھا!! ایسی حالت میں وُہ کس طرح پانچ ماہ کے طویل بحری سفر کے لئے آمادہ ہو سکتی تھی؟ اور اگر اس اُمید پر اُس کو چھوڑ کر چلا جاتا کہ وُہ اکیلی اُس وقت آجائے گی جب تمام ضروری امُور سے فارغ ہو جائے تو وُہ اپنے خاوند کی غیر موجُودگی میں اپنی زچگی کو برداشت کیسے کر سکے گی؟ اور پھر یہ بھی ناممکن تھا کہ ایک ناخواندہ عورت جس نے کبھی اپنے گھر کی چار دیواری سے باہر قدم بھی نہ رکھا تھا تن تنہا ہندوستان جیسے دُور دراز مُلک میں پہنچ جائے جبکہ اُس کو راستہ بھر چار ننھے ننھے بچّوں کی بھی خبر گیری کرنا ہو۔ بلکہ واقعہ تو یہ تھا کہ اس غریب نے کبھی سمندر کی شکل تک نہ دیکھی تھی۔ وسطی انگلستان میں اس کی پیدائش ہوئی اور یہیں پرورش پائی اور یہیں اس کی جائے سکونت رہی بلکہ اس کے خاندان کے لوگ بھی ایک دُوسرے

سے جُدا نہ ہُوئے تھے کیونکہ کلیسیا کے رجسٹروں سے پتہ چلتا ہے کہ کم از کم ایک صدی تک یہ خاندان اِسی علاقہ کے مختلف قصبوں میں بُود و باش رکھتا تھا۔ اگر ایسے خاندان کی ایک عورت اپنے عزیزوں سے جُدائی کے خیال پر برہم ہو تو کوئی تعجّب کی بات نہ تھی۔

اُس زمانہ میں ہندوستان کا سفر خطروں سے خالی نہ تھا۔ سمندر میں ڈاکوؤں کے جہاز گھُومتے پھرتے تھے۔ بغیر محافظ جنگی جہازوں کے کوئی مسافری جہاز بندرگاہ سے باہر نکلنے کی جُرأت نہ کرتا تھا۔ ایسی صُورت میں یہ ناممکن تھا کہ ڈوروتھی DOROTHY CAREY، جس نے اپنی شادی کے بعد تو اپنا نام لکھنا سیکھا تھا اس بات پر رضامند ہو جائے کہ اُس کا خاوند ہندوستان چلا جائے اور وُہ اپنی زچگی سے فارغ ہو کر اُس کے پاس ایک دُور دراز ملک بنگال میں پہنچ جائے۔ لیکن ان کے باوجُود اُس کو نہ تو خاندان سے جُدائی کی اس قدر فکر تھی اور نہ ہی سمندر کے خطرات کی اتنی پرواہ۔ اُس کی سب سے بڑی دِقّت اُس کی ہونے والی زچگی تھی۔

کیری بڑی مُشکل میں تھا۔ وُہ اپنے عزیزوں سے محبّت رکھتا تھا۔ حالانکہ اُس نے مشنری بن کر دُور دراز مُلکوں میں جانے کے خواب دیکھے تھے لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہ تھے کہ وُہ اپنے گھر بار۔ اپنی بیوی اور اپنے بچّوں کی پرواہ ہی نہ کرتا تھا۔

جب ڈوروتھی کیری پر بالآخر کیری کے ارادہ اور اُس کی تجاویز کا انکشاف ہُوا تو وُہ حسبِ توقّع خاموش نہ رہ سکی۔ یہ اُس کی برداشت سے قطعی بعید تھا۔ اُس نے اس تجویز کی مخالفت ہی نہیں کی بلکہ ایک حد تک سرکشی بھی کی۔ وُہ اپنے خاوند کے ساتھ جانے کو کسی طرح رضامند نہ ہو سکتی تھی۔ اور نہ ہی وُہ یہ گوارا کر سکتی تھی کہ کیری کو اکیلا جانے دیا جائے۔

چُنانچہ فُلر اور سٹکلف سے درخواست کی گئی کہ وُہ اُس کو سمجھائیں لیکن اُس نے ایک کی نہ مانی بلکہ عُذر پیش کرتی رہی کہ اُس کا خاوند کمزور رہا ہے۔ وُہ کہتی تھی کہ "اُس کے بُخار کے عارضہ کو کسی اَور نے نہیں دیکھا جیسا کہ مَیں نے اُس کا مشاہدہ کیا ہے۔ وُہ ہندوستان کی صعُوبتوں اور موسمی مُشکلات کی ہرگز تاب نہ لا سکے گا۔ مَیں کبھی اُس تک نہیں پہنچ سکتی۔ لہٰذا اُس کا اس وقت جانا میرے نزدیک اُس کی موت کے برابر ہو گا،

کیونکہ میں اس دُنیا میں اُس کو پھر نہ دیکھ سکوں گی" وغیرہ۔
لہٰذا فُلر اور سٹکلف کو مایوس ہو کر واپس جانا پڑا۔ لیکن اس کے چند دن بعد ہی کیری نے فُلر کو اطلاع دی کہ "میری بیوی اب میری روانگی کی اتنی مخالفت نہیں کرتی جتنی پہلے کیا کرتی تھی۔
رفتہ رفتہ رہا سہا غُصّہ بھی جاتا رہا اور کیری نے گھر کا اسباب باندھ کر اپنی بیوی اور تینوں بچّوں کو اپنے سُسرال کے قصبہ پڈنگٹن (PIDDINGTON) میں پہنچا دیا۔ وہاں اُس نے ایک مکان لے کر دونوں بہنوں اور تین بچّوں کی رہائش کا مناسب انتظام کر دیا لیکن ڈوروتھی کیری اس شرط پر بضد رہی کہ کیری تن تنہا نہ جائے بلکہ اپنی دلبستگی کے لئے آٹھ سالہ فیلکس (FELIX) کو اپنے ہمراہ لے جائے۔ اس پر کیری کو کوئی اعتراض نہ تھا۔
اب ایک اور مُشکل مرحلہ والد کی اجازت کا تھا۔ کیری نے کیٹرنگ کے اجلاس کے ایک ہفتہ بعد ہی یعنی ۱۷ جنوری ۱۷۹۳ء کو اُن پر اپنا ارادہ اس خط میں ظاہر کیا:

محترم والد صاحب

اپنے تمام وقت کو خُدا کی خدمت میں صَرف کر دینا انجیل کا خاص موضُوع ہے۔ پولوس رسُول نے بھی کہا ہے "پس اے بھائیو مَیں خُدا کی رحمتیں یاد دلا کر تُم سے التماس کرتا ہُوں کہ اپنے بدن ایسی قُربانی ہونے کے لئے نذر کرو جو زندہ اور پاک اور خُدا کو پسندیدہ ہو۔ یہی تمہاری معقُول عبادت ہے۔" [رُومیوں ۱۲ باب آیت ۱]۔
ان صریح احکام کے پیشِ نظر ہر مسیحی پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو ایثار و قُربانی کے لئے وقف کر دے۔ مَیں یہ محسُوس کرتا ہُوں کہ مَیں بھی خُدا کی خدمت کے لئے مخصُوص کر دیا گیا ہُوں۔ اور اب مَیں اس احساس کو عملی صُورت دینے والا ہُوں۔
صُوبۂ بنگال کے ہندوؤں کے درمیان تبلیغ کرنے کی غرض سے ہندوستان جانے کے لئے مجھے منتخب کیا گیا ہے۔ میرے ہمراہ ایک ہم خدمت بھی ہوگا جو وہاں پانچ چھ سال رہ چُکا ہے اور اُن کی زبان سے بخُوبی واقف ہے۔

ہندوستان کے لوگ نہایت نرم دل اور ملنسار ہیں لیکن وُہ توہم پرستی اور جہالت میں پڑے ہُوئے ہیں۔

والدِ محترم۔ مَیں اُمید کرتا ہُوں کہ آپ مجھے اس خدمت کے لئے سپُرد کرنے میں کوئی تامّل نہ کریں گے۔ یہ خدمت نہایت مُشکل لیکن دقیع اور اہم ہے۔ بنی نوع انسان اس سے اعلےٰ خدمت نہیں کر سکتا۔ مجھے بہُت سی قربانیاں ضرور کرنی پڑیں گی۔ اپنے خاندان سے جُدائی اور اپنے عزیز دوستوں سے علیحدگی اختیار کرنی ہوگی۔ گذشتہ اتوار کو جس رنج و افسوس کا مظاہرہ میری کلیسیا میں کیا گیا، اُس سے زیادہ مَیں نے آج تک کبھی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن "مَیں نے اپنا ہاتھ اب ہل پر رکھ دیا ہے"۔

آپ کا تابعدار پسر

ولیم کیری

اس خط کے جواب میں کیری کے باپ نے کہا "ولیم پاگل ہو گیا ہے" اور اس طرح اُس نے اپنی عجیب ذہنیّت کا اظہار کر دیا۔ کیری کی والدہ اس سے چھ سال پہلے انتقال کر چکی تھیں۔

ان تمام دُشواریوں کے باوجُود کیری کی ہمّت پست نہ ہُوئی اور وُہ اپنے ارادہ پر قائم رہا۔ چنانچہ ۲۶ مارچ ۱۷۹۳ء کو وُہ اپنی بیوی اور بچّوں کو الوداع کہہ کر سفر ہندوستان کے لئے روانہ بھی ہو گیا۔

لیکن اُس کی مُصیبتوں کا ابھی خاتمہ نہ ہُوا تھا۔ کیونکہ اُس کو چند ہفتے اور مایُوسی اور نا اُمیدی کی آزمائشوں کا مقابلہ کرنا تھا۔ جب وُہ فیلکس اور ٹامس کے ہمراہ لنڈن پہنچا تو سب سے پہلی دِقّت پروانۂ راہداری کی صورت میں پیش آئی۔ پارلیمنٹ (PARLIAMENT) نے دس سال پیشتر ایک قانون منظور کیا تھا جس کی رُو سے ہر وُہ انگریز بغیر لائسنس یا اجازت نامہ ہندوستان میں پکڑا جائے تو جرمانہ اور قید کی سزا کا مستوجب ہوتا تھا۔ اس ایکٹ کی عملی صُورت یہ تھی کہ ہر جہاز کے کپتان کو حُکم تھا کہ ہُگلی پر پہنچ کر جہاز کے تمام مسافروں کی ایک مکمّل فہرست افسران کے حوالہ کرے۔ چُونکہ حکومت اُس وقت مشنریوں کے ہندوستان آنے کی مخالف تھی لہٰذا وُہ

کیری اور ٹامس اور ٹامس کے خاندان کو اجازت نامہ دینے پر رضامند نہ تھی۔ لیکن اس پابندی کے باوجود اکثر کسی نہ کسی طرح دوستوں کے اثر و رسوخ سے اجازت نامے حاصل کر ہی لیتے تھے۔ لیکن چونکہ انڈیا آفس (INDIA OFFICE) میں چند ارباب اقتدار ٹامس کے قرضوں کی کیفیت سے واقف تھے لہٰذا وہ اُس کی مدد کرنے کو تیار نہ ہوئے، اور نہ ہی اُنہوں نے اُس کے ساتھی کو کوئی سہولتیں دیں۔ مگر پھر بھی جہاز "آکسفورڈ" ("OXFORD") کے کپتان وائٹ (CAPT. WHITE) اس گروہ کو نہ صرف اپنے جہاز میں جگہ دینے پر رضامند ہوئے بلکہ اُنہوں نے یہاں تک وعدہ کر لیا کہ اُن کو بغیر لائسنس پہنچا دیں گے۔ ٹامس اس سے پہلے بھی دو مرتبہ اس جہاز پر بحیثیت طبیب ہندوستان کا سفر کر چکا تھا۔ چنانچہ ۴ اپریل بروز جمعرات کیری کے ساتھ جہاز پر سوار ہو گئے۔ اس جماعت میں کیری۔ فیلکس۔ ٹامس۔ مسز ٹامس اور اُن کا بچّہ اور ٹامس کے دو بھائی تھے۔ سولینٹ (SOLENT) کے مقام کے نزدیک اُن کے جہاز نے لنگر ڈالے اور یہاں اُن کو کامل چھ ہفتے تک محافظ جنگی جہازوں کا انتظار کرنا پڑا۔ یہیں کیری کو پہلی مرتبہ ٹامس کی مقروض حالت کا پتہ چلا۔ کیونکہ اُس کے قرض خواہوں نے یہاں تک بھی اُس کا پیچھا نہ چھوڑا تھا اور ایک سَو پونڈ کی ایک ڈگری لے کر وہاں آ پہنچے تھے۔ لہٰذا کیری اور ٹامس کو مجبوراً واپس لندن جانا پڑا تاکہ ٹامس کے مالی معاملات کو صاف کر سکیں۔

اسی انتظار کے مہینہ میں کیری کو اپنی بیوی کا ایک خط ملا جس کے جواب میں اُس نے یہ لکھ بھیجا:۔

"تمہارا خط آیا جس میں بچّے کی پیدائش اور تمہاری خیریت کی اطلاع ملی۔ اس خبر کو سُنکر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ دراصل خُداوند کا فضل اور رحمت میرے شاملِ حال ہیں۔

مجھے اس جگہ قیام کرنے میں تکلیف اور رنج تو ضرور ہوا۔ لیکن اب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ اس میں خُداوند کی کیا مرضی تھی۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ دُنیوی چیزوں کے متعلّق میں اس سب سے بڑی خوشی کی خبر کو بھی سُن سکوں۔

تُم دریافت کرتی ہو کہ میرا کیا ارادہ ہے۔ میرا جواب ہے کہ اپنے آنے کے بعد سے

اب تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اگر مَیں تمام دُنیا کا مالک ہوتا تو تُم کو اور اپنے بچوں کو اپنے ساتھ رکھنے کے لئے سب کچھ قربان کر دیتا۔ لیکن ان تمام باتوں سے زیادہ اہم مجھے اپنے فرض کا احساس ہے۔ اگر مَیں اس فرض کو فراموش کردوں تو یہ میرے لئے موجبِ راحت نہ ہوگا، بلکہ میرا ضمیر مجھے ملامت کرے گا۔ مَیں اپنے اندر ایک بڑی خواہش محسوس کرتا ہوں کہ مَیں معرفتِ الٰہی کے جتنے مدارج بھی طے کر سکوں اچھّا ہے۔......

.... دیگر تُم نے دریافت کیا ہے کہ مسز ٹامس کا کیا خیال ہے۔ اور وہ اس سفر کے متعلق کیا رائے رکھتی ہیں۔ ان کی دِلی خواہش تو یہ ہے کہ انگلستان ہی میں رہیں لیکن وُہ اپنے شوہر کے ساتھ جانا ہی اپنا فرض سمجھتی ہیں۔......

مجھے خط کے ذریعے اطلاع دینا کہ میرا بچّہ کس نام سے منسوب کیا گیا ہے۔

یہ خبر کیری کے لئے بہت صبر آزما تھی کہ اس نوزائیدہ بچّہ کا نام "جعبیض" رکھا گیا۔ یُوں تو مسز کیری کے خاندان کے بہُت سے افراد کے نام کتابِ مُقدّس سے لئے گئے تھے لیکن "جعبیض" جیسے غیر معروف نام سے کسی کو منسُوب نہیں کیا گیا تھا۔ اور نہ ہی کیری کے رشتہ داروں میں کبھی کسی کو یہ نام دیا گیا تھا۔ پھر کیا وجہ تھی کہ مسز کیری نے اس بچّہ کو یہ نام دیا؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسز کیری اپنی موجُودہ حالت کو اُس عبرانی عورت کی حالت کے مشابہ سمجھتی تھی جس کے بارے میں کتابِ مُقدّس میں ذکر آیا ہے کہ اُس نے اپنے بیٹے کے لئے کہا تھا کہ "مَیں عذاب میں اُسے جنی اس لئے اُس کا نام یعبیض[1] رکھا" [۱ تواریخ ۴ باب ۹ آیت] "جعبیض" کا نام رکھنا ایک عجیب طنز تھا۔

محافظ جہازوں کی آمد کے دن قریب آ رہے تھے کہ کپتان و آبیٹ کو انڈیا آفس سے ایک گمنام خط مِلا کہ اُن کے مسافروں میں "ایک" ایسا ہے جس کو کورٹ آف ڈائرکٹرز (COURT OF DIRECTORS) کی طرف سے پروانہ راہداری حاصل نہیں ہے اور اگر اُنھوں نے اُس شخص کو ہندوستان لے جانے کی کوشش کی تو اس کا جہاز بھی ضبط ہو جائے گا اور اس کو اپنے عہدہ سے مُعطّل کر دیا جائے گا۔ اب کپتان و آبیٹ

[1] جس کو انگریزی میں "جعبیض" کہتے ہیں۔

کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وُہ ٹامس اور کیری سے درخواست کریں کہ وُہ جہاز چھوڑ کر کہیں چلے جائیں۔ ٹامس کا خیال تھا کہ یہ اُس کے کسی قرضخواہ کا کام ہے اور اگر اُس کے ایک دوست کی وساطت سے جو انڈیا آفس میں ملازم ہے اُس قرضخواہ کا پتہ چل جائے اور اُس کا قرض ادا کر دیا جائے تو معاملہ رفع دفع ہو جائے گا۔ چُنانچہ ٹامس کپتان و ائنٹ کو اس امر کا وعدہ دے کر پھر لندن واپس گیا لیکن اُس کو ناکام لوٹنا پڑا۔ واپسی پر اُس نے دیکھا کہ محافظ جنگی جہازوں کا بیڑا آن پہنچا ہے اور کیری زار وقطار رو رہا ہے کیونکہ کپتان و ائنٹ نے اُس کو حُکم دے دیا تھا کہ آج ہی اپنا اسباب جہاز سے اُتار کر جہاز خالی کر دو۔ کپتان و ائنٹ کا اس میں کوئی قصور نہ تھا کیونکہ معاملات اس قدر طُول پکڑ چکے تھے اور واقعات بھی ظاہرہ حُکّام کے علم میں آچکے تھے لہٰذا وُہ مجبور تھے۔ چُنانچہ کیری۔ فیلکس اور ٹامس کو جہاز سے اُترنا پڑا۔ مسز ٹامس اور ٹامس کے بھائیوں کی روانگی پر چُونکہ کوئی اعتراض نہ کیا گیا تھا لہٰذا وُہ اکیلے ہندوستان آگئے۔

ٹامس پھر بھاگا ہُوا لندن گیا۔ اور کیری نے بھی فُلر کو خط کے ذریعہ اپنی مُصیبتوں کی داستان سُنائی۔ ابھی تک وُہ اس اُمید میں خاموش رہا تھا کہ شائد کوئی راہ نکل آئے تو کسی اَور پر اپنی تکلیفوں کا انکشاف کرنے کی ضرورت نہ ہو۔

۲۳ تاریخ کو ٹامس دوبارہ ناکام واپس آیا۔ اُس دن کیری کا دل کیا کہتا ہوگا جب اُس نے ٹامس اور فیلکس کے ہمراہ ساحل پر کھڑے ہو کر اُس جہاز کو لنگر اُٹھاتے دیکھا جس پر وُہ خود سفر کرنے والے تھے؟ لیکن کیری رنج و افسوس میں فضول وقت ضائع کرنے والا شخص نہ تھا۔ جلد ہی اُس نے لندن پہنچنے کے انتظامات کر لئے۔ کیری کو یقین تھا کہ جس خُدا نے اُس کے دل میں خدمت کا اس قدر جوش پیدا کیا ہے وُہ خدمت کے دروازوں کو اس بیدردی سے قطعی بند نہ کرے گا بلکہ اُن تمام مُشکلات کے بیچ میں بھی کوئی نہ کوئی راہ ضرور نکالے گا۔

اس ہفتہ ٹامس نے جو کام کیا وُہ معمول کے خلاف تھا۔ ٹامس اکثر خطا کرنے کا عادی تھا لیکن اس معاملہ میں اُس نے اس ایک ہفتہ کے اندر جو کام کیا وُہ واقعی حیرت انگیز تھا۔

لندن پہنچ کر کیری نے اپنی بیوی کو خط لکھا کہ میں کل کی گاڑی سے گھر آؤں گا۔ اس عرصہ میں ٹامس نے واقعات کا جائزہ لیا۔ سفر مشرق کا موسم تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ لہٰذا وقت ضائع نہیں کیا جا سکتا تھا۔ انگریزی جہاز ہرگز ہرگز اُن کو لے جانے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے اگر اُن کو ہندوستان جانا ہی مقصود تھا تو انکو سیکنڈے نیویا (SCANDINAVIA) کے کسی جہاز پر جانا ضرور تھا۔ لیکن ممکن تھا کہ ایسے جہاز پر سوار ہونے کے لئے اُن کو ہالینڈ (HOLLAND) اور فرانس (FRANCE) کے ممالک کو عبور کرنا پڑے۔ اور یہ بھی خطرہ تھا کہ وہاں پہنچنے پر معلوم ہو کہ جس جہاز کی اُمید پر وُہ آئے تھے وُہ کلکتہ نہیں بلکہ کسی اور مشرقی بندرگاہ کا عزم کئے ہُوئے ہو۔

جہازوں کی آمد و رفت کے متعلق بہت کچھ معلومات اُن حقیر ہوٹلوں، قہوہ خانوں اور شراب خانوں وغیرہ میں مل جاتی ہیں جہاں مختلف اقوام کے ملاح جمع ہو کر شراب نوشی وغیرہ میں اپنا وقت ضائع کیا کرتے ہیں۔ ٹامس ایسے ہی ایک قہوہ خانہ میں پہنچا اور ایک ملازم کو بتایا کہ وُہ کیا معلومات چاہتا ہے۔ اس علاقہ میں اُن ادنیٰ ہوٹلوں اور قہوہ خانوں کے خادم اکثر ایسی معلومات فراہم کیا کرتے ہیں جو زیادہ تر ہوٹل میں آنے والے جرائم پیشہ لوگوں کے لئے ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہ خادم اپنے جواب بھی معمہ کی صُورت ہی میں دیتے ہیں اور سوال کرنے والے کو جلد ہی فراموش بھی کر دیتے تھے۔ چُنانچہ ٹامس کا مُخبر فقط یہ الفاظ ٹامس کے کان میں کہہ گیا :-

"ڈنمارک کا ایک مشرقی جہاز۔ نمبر ۱ کینن سٹریٹ"

ڈنمارک (DENMARK) کا نام سُنتے ہی ٹامس خوش ہو گیا کیونکہ اگر جہاز ڈنمارک کا ہے تو اُس کی منزلِ مقصود کلکتہ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا وُہ فوراً کیری کے پاس آیا اور دونوں اُس مقام پر پہنچے جس کا پتہ قہوہ خانہ کے ملازم نے دیا تھا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہُوا کہ یہ "سمتھ اینڈ کمپنی۔ ایجنٹ" (SMITH AND CO., AGENT) کے نام سے ایک غیر معرُوف دُکان تھی۔ مالک دُکان کی زبانی پتہ چلا کہ اُس کے بھائی کا جہاز کوپن ہیگن (COPENHAGEN) سے کلکتہ کے لئے روانہ ہو چکا ہے اور ڈوور (DOVER) کے مقام پر اس قدر تھوڑا عرصہ ٹھہرے گا کہ لنگر ڈالنے کی بھی ضرورت نہ ہو گی۔ پانچ دن کے اندر اندر اُس کی آمد کی اُمید تھی۔ اس جہاز میں کئی مسافروں کے لئے جگہ بھی

خالی تھی۔ اور ہندوستان کا کرایہ بچوں کا ۵۰ پونڈ۔ بڑوں کا ۱۰۰ پونڈ اور ملازموں کا ۲۵ پونڈ فی کس تھا۔ اس کرایہ کا نام سُنتے ہی اُن کی اُمنگیں خاک میں مل گئیں کیونکہ اُن کے پاس فقط ڈیڑھ سو ۱۵۰ پونڈ نقد تھے!!!

ٹامس نے تجویز کی کہ کیری اور فیلکس کے ٹکٹ اِن ڈیڑھ سو ۱۵۰ پونڈ سے خرید لئے جائیں اور وُہ خود روپیہ کا انتظام کر کے کسی اور جہاز سے آئے۔ لیکن کیری اس پر رضامند نہ ہُوا۔ پھر کیری یہ بھی چاہتا تھا کہ ایک مرتبہ اور اپنی بیوی کو آمادہ کرنے کی کوشش کرے لہٰذا اُس نے ٹامس سے درخواست کی کہ اُس کی امداد کرے۔

آٹھ بجے رات کو یہ گاڑی میں سوار ہُوئے۔ اور تمام رات سفر کر کے صُبح پانچ بجے نارتھمپٹن اور دس بجے ہڈنگٹن پہنچ گئے۔

مسز کیری پر کون الزام لگا سکتا ہے کہ اُس نے دوبارہ ہندوستان کا سفر اختیار کرنے سے انکار کر دیا؟ اُس کا بچّہ ابھی ایک ماہ کا بھی نہیں تھا۔ تین ۳ بچے نو سال سے کم عُمر کے تھے۔ وُہ کس طرح چند گھنٹوں میں پانچ ۵ ماہ کے طویل سفر کے لئے تیار ہو سکتی تھی؟ وُہ کس طرح اپنے تمام عزیزوں اور رشتہ داروں سے یکایک جُدائی کے صدمہ کو برداشت کر سکتی تھی؟ اُس کے انکار سے کیری کو رنج تو بہت ہُوا لیکن ٹامس کو اب بھی اُمید نظر آتی تھی۔ وُہ ایک مرتبہ پھر کوشش کرنے پر بضد تھا۔ لیکن کیری نے اُس کو یہ کہہ کر منع کر دیا کہ بار بار کے اصرار اور اُس کے انکار سے اُس کا رنج اور میرا صدمہ بڑھتا ہی جاتا ہے۔ چنانچہ ظاہرہ طور سے یہ دونوں قطعی مایُوس ہو کر واپس آ گئے۔

لیکن راستہ میں ٹامس نے اچانک گاڑی کو ٹھہرا کر کیری سے کہا "مَیں اب آپ کے منع کرنے کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ مَیں دوبارہ واپس جا کر کوشش کروں گا اور مجھے یقین ہے کہ مَیں کامیاب بھی ہُوں گا"۔ لیکن کیری نے اُس کے ہمراہ چلنے سے انکار کر دیا۔ مگر ٹامس اس پر بھی نہ مانا اور اکیلا ہی واپس چلا گیا۔

مسز کیری سے ملاقات کرتے ہی ٹامس نے اُس کے سامنے کیری کے رنج اور افسوس کا تذکرہ کیا۔ اُس کے گریہ وزاری کرنے اور انتہائی صدمہ کا بیان کر کے کہا کہ "مَیں اُس کی تکلیف کو دیکھ نہ سکتا تھا لہٰذا مجھے واپس آنا ہی پڑا۔ مَیں خود چھ ۶ سال تک اپنی بیوی سے جُدا رہا ہُوں اور مجھے ایسی زندگی کے مصائب و آلام کا تجربہ ہے۔ آپ کیوں

خواہ مخواہ اپنے آپ کو اس مصیبت میں ڈالتی ہیں؟ میں نے ابھی تک آپ کو مجبور نہیں کیا تھا۔ لیکن میں آپ کے خاوند سے محبت کرتا ہوں اور اس محبت ہی کی خاطر اب میں آپ کو مجبور کرتا ہوں۔ اگر آپ نے اب بھی انکار کر دیا تو آپ کو تمام عمر پچھتانا پڑے گا۔"

آخر مسز کیری سے نہ رہا گیا اور وہ چیخ پڑی "میں جاؤں گی!!! میں اُن کے ہمراہ ضرور جاؤں گی بشرطیکہ میری بہن بھی میرے ساتھ چلنے کو تیار ہو۔"

مسز کیری کے معترضین حضرات یہ تو بتاتے ہیں کہ اُس نے کیری کو باز رکھنے کی کوشش کی۔ خود جانے سے انکار کیا اور سرکشی پر آمادہ ہوئی۔ لیکن وہ یہ بھولے ہوئے ہیں کہ بالآخر جب وہ آنے کو تیار ہوئی تو چوبیس گھنٹوں کی قلیل مہلت پر ہی عازمِ سفر ہو گئی!!! اُس کی ہمت اور دلیری کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ رہا معاملہ اُس کی شرط کا کہ اُس کی بہن اُس کے ہمراہ چلے اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ ڈوروتھی کیری ایک عورت تھی۔ وہ ایک نسوانی فطرت اور نسوانی دل کی مالکہ تھی لہٰذا اُس نے اس معاملہ میں وہی روش اختیار کی جس کی ایک عورت سے اُمید ہو سکتی تھی۔

جب راستہ میں کیری اور اُس کی بیوی بچوں کی ملاقات ہوئی اُس نظارہ کے بیان کرنے کی قلم میں تاب نہیں۔

مسز کیری کے ہمراہ چلنے پر تیار ہو جانے کی خوشی کیری اور ٹامس کو ضرور تھی، لیکن اب کرایہ کی رقم فراہم کرنے کی دقت میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ یہ مرحلہ جس طرح طے ہوا وہ بھی ملاحظہ ہو۔

فُلر کو قطعی یقین ہو گیا تھا کہ تمام کئے کرائے پر پانی پھر چکا ہے۔ رائیلینڈ بھی مایوس تھا لہٰذا اُس نے کمیٹی کا ایک فوری اجلاس فراہم کیا۔ نا اُمیدی۔ یاس و حسرت کمیٹی کے ہر شریک پہ غلبہ پا چکی تھی کہ اجلاس کو کسی نے خبر دی کہ کیری اور ٹامس آئے ہیں۔

اُن کے داخل ہوتے ہی رائیلینڈ نے کہا: "میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کو یہاں دیکھ کر میں خوش ہوں یا رنجیدہ۔"

ٹامس نے جواب دیا کہ: "اگر آپ رنجیدہ ہیں تو میں جلد ہی آپ کے رنج کو خوشی میں تبدیل کر دوں گا۔ ہم نے مسز کیرتی سے دوبارہ ملاقات کی ہے اور اب وہ معہ بال بچوں کے مسٹر کیرتی کے ہمراہ چلنے کو تیار ہو گئی ہیں۔ لیکن اُنہوں نے صرف ایک شرط لگائی ہے کہ اُن کی بہن اُن کے ساتھ چلے اور اس پر اُن کی بہن تیار ہے۔"

"لیکن آپ کس جہاز سے جائیں گے؟"

"چار دن کے بعد ڈنمارک کا جہاز جانے والا ہے۔ ہم مقام ڈوور پر اُس میں سوار ہو سکتے ہیں۔ اُس جہاز میں ہم سب کے لئے جگہ بھی ہے۔ ہم کو کل ہی لندن جانا ہے۔ کل اتوار کا دن تو ضرور ہے لیکن یہ کام بھی خدا ہی کا ہے۔"

"لیکن کرایہ کا کیا انتظام ہوگا؟"

" اسی کی غرض سے تو ہم یہاں آئے ہیں۔ ہم کو کم از کم دو سو پونڈ کی ضرورت ہے۔"

دو سو پونڈ!!! ناممکن!!!! اس وقت ہمارے پاس کل ۱۳ پونڈ موجود ہیں۔ اس سے زیادہ ایک کوڑی بھی نہیں۔"

"لیکن ہم کو دو سو پونڈ ضرور کہیں سے ملنے چاہئیں۔"

"ہاں! خوب یاد آیا!!! دو سو پونڈ کا ایک چیک یارک شائر (YORKSHIRE) کے فاسیٹ (FAWCETT) صاحب نے دیا ہے جس کی رقم فوراً نہیں مل سکتی مگر چند دن کے بعد ضرور مل جائے گی۔ تم کیٹرنگ جاؤ تو فلر اس چیک کی نقد رقم تم کو دے دیں گے۔

"لیکن ہمارے پاس کیٹرنگ تک جانے کے لئے بھی وقت نہیں ہے۔ ہم کو آج صبح ہی اسباب باندھنے کے لئے پڈنگٹن جانا ہے۔ تاکہ کل تک لندن پہنچ سکیں۔ اب تو ہم ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کر سکتے۔"

ٹامس نے جس جوش اور جذبہ کا اظہار کیا تھا اُس کا مقابلہ کون کر سکتا تھا؟ خدمت کے اس بے انتہا شوق کے راستہ سے دشواریوں کا خود بخود ہٹ جانا تعجب خیز نہ تھا۔ رائیلینڈ نے اپنے لندن کے دوستوں کے نام خطوط لکھے کہ مہربانی فرما کر ۲۰۰ دو سو پونڈ بطور قرضِ حسنہ دے دیں اور یہ رقم جلد ہی ادا کر دی جائے گی۔ یہ خطوط لے کر کیری کمیٹی سے جدا ہوا اور پھر اس زندگی میں اُن سے کبھی نہ ملا۔

لیکن ابھی تک یہ بات کیری کی سمجھ میں نہ آتی تھی کہ فقط دو[۲] سو پونڈ مل جانے سے کس طرح کام نکل سکتا ہے؟ اُن کے پاس صرف ڈیڑھ[۱۵] سو پونڈ تھے۔ لیکن کرایہ کا جو تخمینہ بتایا گیا تھا اُس کے مطابق اُن کو کم از کم سات سو پونڈ کی ضرورت تھی۔ کیری کو خوف تھا کہ ٹامس پھر غلطی کر رہا ہے۔ لیکن اس وقت ٹامس اپنی عقل سے نہیں بلکہ کسی غیبی طاقت کے زیر اثر کام کر رہا تھا لہٰذا اس مرتبہ ٹامس خطا کرنے والا نہ تھا۔

پڈنگٹن پہنچتے ہی ٹامس نے مسز کیری کی بہن کیتھرین (CATHERINE) سے مشورہ کیا۔ اُس کو تمام دقتیں سمجھائیں اور اپنے ارادوں کا اُس پر انکشاف کیا۔ ٹامس یہ چاہتا تھا کہ خود بحیثیت مسافر کے سوار نہ ہو بلکہ اپنا نام ملازموں میں لکھوا کر کیری کے خادم کی حیثیت سے سفر کرے اس طرح اُس کا کرایہ فقط پچیس[۲۵] پونڈ ہوگا۔ اسی طرح ٹامس نے کیتھرین کو بھی راضی کر لیا کہ وہ اپنی بہن کی ملازمہ کی حیثیت سے سفر کرے تاکہ اُس کے کرایہ میں بھی تخفیف ہو جائے۔ کرایہ کی دقت اس طرح حل ہو جانے پر تمام ضروری انتظامات نہایت سرعت سے شروع کر دئے گئے۔ کچھ اسباب فروخت کیا اور کچھ فلر کے سپرد کر دیا گیا۔ اور یہ دونوں خاندان دوسرے دن علی الصبح لندن کی طرف چل دئے۔

ٹامس کی کہانی اور رائیلینڈ کے خطوط نے لندن کے ہمدرد دوستوں کو امداد پر اس درجہ آمادہ کیا کہ انھوں نے مطلوبہ رقم سے ۲۷ پونڈ زیادہ فراہم کر دئے۔

اب چونکہ اُن کے سوار ہونے میں کوئی ظاہری دشواری نہ تھی لہٰذا ٹامس دوبارہ سمتھ کی دوکان پر پہنچا۔ وہاں اُس نے تمام واقعات بیان کئے جن کو سُن کر سمتھ حیرت زدہ رہ گیا۔ کہتے ہیں کہ مالکانِ جہاز اکثر ایسی کہانیوں سے متاثر نہیں ہوا کرتے اور نہ ہی اُن کے دلوں میں تبلیغ کا شوق یا مبلّغوں کے لئے ہمدردی ہوتی ہے۔ لیکن سمتھ نے جن واقعات کا تذکرہ سُنا تھا وہ اپنا اثر سنگ دل سے سنگ دل انسان پر بھی کئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ کیتھرین پلیکیٹ اور ڈاکٹر جون ٹامس نے جس ایثار کا مظاہرہ کیا تھا وہ واقعی حیرت انگیز تھا۔ چنانچہ ٹامس کے انتظام کے مطابق اس مکمل جماعت کا کرایہ مبلغ تین[۳] سو پونڈ ادا کر کے جہاز کا انتظار شروع ہو گیا۔

لیکن جہاز "کرون پرنسیسا میریا" ("KRON PRINCESSA MARIA") جو

چار دن کے اندر آنے والا تھا دراصل دو ۲ ہفتے بعد پہنچا۔ رات کو تین ۳ بجے اُن کو بیدار کیا گیا کہ تیار ہو جائیں۔ پانچ ۵ بجے یہ سوار ہو گئے اور جلد ہی جہاز روانہ بھی ہو گیا۔

کیری اور ٹامس کے علاوہ اس گروہ میں جو افراد ہندوستان کی خدمت کے لئے روانہ ہوئے اُن میں سوائے کیتھرین کے کسی ایک کو بھی اپنے وطن کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔

اس قابلِ یادگار دن (۱۳ جون ۱۷۹۳ء) پر کیری نے اپنی "ڈائری" میں مندرجہ ذیل الفاظ قلمبند کئے ہیں:۔

"آج کا دن میرے لئے نہایت اہم روحانی مسرت کا دن ہے۔ مجھے مجبوراً واپس ہونا پڑا تھا تاکہ میں اپنے خاندان کو اپنے ہمراہ لے جا سکوں۔ اور اُن تمام برکتوں سے لطف اندوز ہو سکوں جن کو میں قربان کرنے کو تیار تھا۔ میں یہ 'ابن عذر' نصب کرتا ہوں اور اس دن کی یاد سے ہمیشہ تقویت پاتے رہنے کی اُمید رکھتا ہوں۔"

یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ کیری نے اپنا سفر کس طریقہ پر شروع کیا۔ چند لوگوں نے اُس کے طرزِ عمل پر اعتراض کرتے ہوئے اُس کے اس فعل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کیری اور اُس کے ہمراہیوں کا ہندوستان آنا ہی خلاف قانون تھا۔ اُن تمام مہمل اعتراضات کا معقول جواب دیا جا چکا ہے لہٰذا اُن کے متعلق فقط اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ رسولوں کو مسیح نے حکم دیا تھا کہ "زمین کی انتہا تک جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ۔" اُن کو یہ نہیں کہا گیا تھا کہ کسی دُنیوی طاقت سے اجازت حاصل کرنے کے لئے ٹھہرو۔ یا کسی حاکم کی نظرِ عنایت یا حکومت کے احسان کے منتظر رہو۔ اُن کا فرض تھا کہ وُہ جائیں اور اُن کی روانگی کے جو بھی نتائج ہوں اُن کو برداشت کریں۔ چنانچہ یہی کیری نے کیا۔

ایک شخص کا ضمیر بالکل صاف ہے، اور وُہ کسی حکومت کی مخالفت کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ بلکہ معاشرتی معاملات میں اپنی حکومت کا وفادار اور اطاعت گذار رہنا چاہتا ہے۔ اور وُہ یہ بھی ارادہ رکھتا ہے کہ دُوسروں کو بھی یہی تعلیم دیگا۔ اگر ایسا شخص اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر کتابِ مقدس ہی کے الفاظ میں کہتا ہے کہ "میں جاؤں گا اور اگر

اُنہوں نے مجھے ایک شہر میں ستایا تو میں دُوسرے میں بھاگ جاؤں گا"۔ دُنیوی عقل و فراست خواہ اُس کو کچھ ہی کہے ـــــ لیکن خُدا کی عدالت میں وُہ ضرور پاک و بے گناہ ثابت ہوگا۔

ساتواں باب

کیری کے زمانہ کا ہندوستان

کیری پانچ ماہ کی مسافت کے بعد ۱۱ر نومبر کو کلکتہ میں جہاز سے اُترا۔ اُس وقت کلکتہ کی آبادی فقط دو لاکھ کے قریب تھی۔ اُس نے شہر میں گشت کرتے وقت جو مشاہدات کئے اُن کا نقشہ اپنے مندرجہ ذیل الفاظ میں کھینچا ہے:۔

"میں وُہ سب کچھ محسوس کر رہا تھا جو پولوس نے اتھینی کے شہر کو بُتوں سے بھرا ہُوا دیکھ کر محسوس کیا تھا یعنی "اُس کا جی جل گیا" [اعمال ۱۷:۱۶] ....

.... اس وقت میری نظروں کے سامنے ایک ایسا مُلک ہے جو دُنیا کے بہترین ممالک میں شمار کئے جانے کے لائق ہے۔ اس میں محنتی اور جفاکش لوگ بستے ہیں لیکن اس ملک کے پانچ حصّوں میں سے تین حصّے جنگل ہی جنگل ہیں جن میں کسی قسم کی کاشت نہیں ہوتی۔ ان جنگلوں میں درندے اور سانپ وغیرہ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اگر یہاں انجیل نے اپنا کام کیا تو گویا 'بیابان شاداب میدان بن جائے گا'۔"

یہ اُس زمانہ کا ذکر ہے جب کہ کلائیو (CLIVE) ہندوستان میں برطانوی حکومت کی بُنیاد رکھ چکا تھا۔ وارن ہیسٹنگز (WARREN HASTINGS) حکومت کر کے انگلستان میں اپنے مخالفین کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اور آخری گورنر جنرل لارڈ کارنوالس (LORD CORNWALLIS) سات سال کی کامیاب عُہدہ برداری کے بعد اب گورنر جنرل کے منصب سے سبکدوش ہو کر واپس جا رہا تھا۔ کیری کا جہاز اور وُہ جہاز جس پر

کارنوالس سوار تھا بیک وقت خلیج بنگال میں سے گزرے تھے۔ لارڈ موصوف کے جانشین کا انتخاب دو ہفتہ پیشتر ہوچکا تھا اور گورنر جنرل کے عہدہ پر سرجان شور (SIR JOHN SHORE) کو اس لئے مامور کیا گیا تھا تاکہ جو اصلاحات انہوں نے لارڈ کارنوالس کے ساتھ ملکر مرتب کی تھیں اُن کے نفاذ میں آسانی ہو۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ ہندوستان میں کیری کی آمد کلائو اور ہیسٹنگز کی آمد سے کس قدر مختلف تھی۔ موخر الذکر انگلستان کے اعلےٰ خاندانوں کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے آباؤ اجداد نے بھی مُلک اور قوم کی عظیم خدمات انجام دی تھیں۔ اُن کی آمد کا مقصد فقط یہ ہوتا تھا کہ انگلستان کے زیرنگیں ہندوستان میں ایک ایسی حکومت قائم ہوجائے جو قدیم زمانہ کی رُومی حکومت کے ہم پلّہ ہو۔ یہ لوگ عزت و احترام سے آتے۔ تزک و احتشام سے رہتے۔ اور چند سال اس "کروفر" کے ساتھ گذار کر واپس چلے جاتے تاکہ اپنی عُمر آرام اور چین سے بسر کریں۔ ان کے مقابلہ میں کیری کی آمد پر غور کیجئے جب وُہ ہندوستان آیا تو اُس کو کوئی جگہ بھی نہ مِل سکی جہاں وُہ شب بسر کر سکتا۔ آخر ایک ہندو کو رحم آیا اور اُس نے اُس کو ایک بوسیدہ جھونپڑے میں پناہ دی۔

تعلیم و تربیت میں بھی کیری کو اُن لوگوں سے کوئی نسبت نہ تھی۔ اُن کی تعلیم انگلستان کے بہترین مدارس میں ہوتی تھی۔ اُنہوں نے اعلےٰ یُونیورسٹیوں سے سندیں حاصل کی تھیں۔ مگر کیری کو بھلا اتنی آسائش کہاں سے میسّر ہوتی۔ اُس نے جو کچھ پڑھا وُہ اُس زمانہ کے دیہات کے مدرسوں کی معمُولی تعلیم تھی۔ لیکن بایں ہمہ یہ ایسے علم و عمل کا مالک تھا کہ لارڈ ویلزلی (LORD WELLESLEY) کو بھی جو بعد میں گورنر جنرل مقرر ہُوئے، اُس کی خُوبیوں کا علانیہ اعتراف کرنا پڑا۔ 27/8

انگلستان کا مقصد اُن اعلیٰ گھرانے کے لوگوں کو ہندوستان بھیجنے سے صرف یہ تھا کہ وُہ ہندوستان پر سیاسی تسلط قائم کریں لیکن یہ انگلستان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اُن کی یہ حکومت گاؤں کے موچی کے لئے صرف راستہ تیار کرنے کے مترادف ہوگی۔ اور اُس موچی کے لئے سہولتیں پیدا کرے گی کہ وُہ مسیح کی اُس حکومت کو ہندوستان میں قائم کرے جو خُداوند اپنے بندوں کے دلوں پر کرتا ہے۔ سلطنتِ رُوم نے مغرب کے لئے بہُت کچھ کیا ہے۔ اور کیری نے سیرا مپور میں رہ کر جو خدمت کی وُہ ہندوستان

کے حق میں رُوم کی اُن خدمات سے بہتر اور بالاتر تھی۔ ان حالات کے پیشِ نظر اگر ہم کہیں کہ کیری کی خدمات برطانیہ کے لئے کلائو کی فتوحات سے زیادہ اہم ثابت ہوئیں تو اسے مبالغہ نہیں کہنا چاہیئے۔

کیری کی ان خدمات کا زمانہ کارنوالس کے عہد کے اختتام سے ولیم بینٹنک (WILLIAM BENTINCK) کے عہد تک (تقریباً چالیس ۴۰ سال) رہا۔ اُس زمانہ میں ہندوستان کے اندر برطانیہ کی حکومت بنگال، بہار اور بنارس کے صوبوں پر مشتمل تھی۔ چند مقامات مدراس اور ساحل مالابار پر بھی تھے۔ اور کچھ وہ علاقہ تھا جو لارڈ کارنوالس نے میسور کی لڑائیوں میں فتح کیا تھا۔ باقی تمام علاقے مرہٹوں۔ نظام ٹیپو سلطان۔ اور دیگر مسلمان نوابوں کے زیرِ نگیں تھے یا اُن کی متواتر لڑائیوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ یوں تو شمالی ہند میں کمپنی کا اقتدار الہ آباد تک تھا۔ لیکن اس علاقہ میں کمپنی کی "حکومت" فقط مالیانہ وصول کر لینے کی حد تک ہی تھی۔ سلطنت کے دیگر فرائض اُن مسلمان نوابوں کے ہاتھ میں تھے جو دہلی کے مغل بادشاہ کے ایماء کے منتظر رہا کرتے تھے۔

کیری کی آمد سے پچیس ۲۵ سال پیشتر ۷۰-۱۷۶۹ء کے سخت قحط نے بنگالی اور ہندی بولنے والے اضلاع میں ایک قیامت برپا کر دی تھی۔ کمپنی کے افسران نے اس معاملہ میں کوئی قدم نہ اُٹھایا بلکہ جہاں کہیں بھی اُن کا بس چلا اُنہوں نے تجارت کے راستہ میں رخنہ اندازیاں کر کے حالات کو بد سے بدتر بنا دیا اور کم و بیش دس ۱۰ یا بارہ ۱۲ لاکھ جانوں کو اس قحط کا شکار ہونا پڑا حتیٰ کہ جو زمین قابل کاشت تھی اُس کے لئے کاشتکار بھی میسر نہ آتے تھے۔ اس قحط کے بیس ۲۰ سال بعد لارڈ کارنوالس نے اس زمانہ کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "بنگال کا ایک تہائی حصہ صرف جنگلات پر مشتمل ہے جس میں درندوں کی آبادی ہے"۔ لارڈ کارنوالس کا یہ بیان کیری کے اُس بیان سے بہت ملتا جلتا ہے جو ہم اُوپر نقل کر چکے ہیں یعنی "پانچ ۵ حصوں میں سے تین ۳ حصے جنگل ہی جنگل ہیں جن میں کسی قسم کی کاشت نہیں ہوتی۔ ان جنگلوں میں درندے اور سانپ وغیرہ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

سر جان شور نے اپنی آنکھوں سے قحط زدہ لوگوں کی ناگفتہ بہ حالت دیکھی تھی۔

اس مشاہدہ سے متاثر ہو کر انہوں نے لارڈ کارنوالس کے مشورہ سے چند اصلاحات مرتب کی تھیں۔ تاریخ دان حضرات جانتے ہیں کہ ان اصلاحات کے نفاذ سے مفید اور غیر مفید دونوں طرح کے نتائج برآمد ہوئے اور یہ تمام نتائج قدرتی طور پر کیری کی خدمت کے دوران میں اثر پذیر رہے۔

اُس کی مسافت اور وارد ہندوستان ہونے کے وقت ہندوستانیوں کی مذہبی حالت کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے ہم وارڈ کے مندرجہ ذیل الفاظ نقل کرتے ہیں جو اُس نے ۱۸۲۱ء میں چند خطوط کی صورت میں شائع کئے تھے۔ خیال رہے کہ جو تصویر اس عبارت میں کھینچی گئی ہے وُہ اُس زمانہ کی ہے جبکہ برہمنوں کا اقتدار نصف النہار پر تھا۔ ہندوستان میں نہ تو کیری اور اُس کے جانشینوں نے ہی خدمت دین شروع کی تھی اور نہ ہی برطانیہ عظمیٰ کو فرصت ملی تھی کہ اپنے مقبوضات میں مجلسی اصلاحات کی طرف توجہ کرے۔ اگر آج ہندوستان میں وُہ خرابیاں نہیں پائی جاتیں جن کا ذکر اس بیان میں کیا گیا ہے تو اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ کیری اور اُس کے ہم خدمتوں نے اُن کے خلاف آواز اُٹھائی تھی اور اُن کو ہندوستان سے نیست و نابود کرنے کے لئے اپنی عمریں صرف کر دی تھیں۔ وارڈ لکھتا ہے :۔

"جب ہمارے ساتھی بنگال میں جہاز سے اُترے تو اُنہوں نے تقریباً ایک لاکھ نفوس کے درمیان بود و باش اختیار کی (اُن میں مسلمان شامل نہیں تھے)۔ اُن لوگوں سے جب مذہبی معاملات پر گفتگو کی جاتی تھی تو یہ تینتیس کروڑ دیوتاؤں کا ذکر کرتے۔ یہ تھی اُن کی بُت پرستی کی حالت۔ اس پر طرفہ یہ کہ اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ توحیدِ الٰہی کے قائل ہونے کا بھی دعوےٰ کرتے تھے!!!

ہمارے ساتھیوں نے بے شمار مندر مختلف دیوی دیوتاؤں کی پرستش کے لئے دیکھے۔ لیکن اُن کی نظروں سے ایک مندر بھی ایسا نہیں گزرا جو زندہ اور سچے خدا کی عبادت کے لئے مخصوص ہو۔ ہوا اور پانی کی پرستش سے لے کر ایسے قومی بہادروں تک کی پوجا ہوتی تھی جن کو عوام نے اپنی جہالت کی وجہ سے اُلوہیت کا درجہ دے رکھا تھا، لیکن واحد خدائے برحق کی توصیف میں نہ تو کوئی آواز اُٹھتی تھی اور نہ ہی کوئی پوجا ہوتی تھی۔

یہ لوگ "یہوواہ" کے اخلاقی کمال سے ناواقف تھے لہٰذا ہمارے ساتھیوں نے اُن کو مُردہ مخلوق کے سامنے سربسجود پایا۔ اُن کے معابد میں بندر۔ سانپ اور دیگر بہت قسم کی مورتیاں شامل تھیں۔

* * * * * * *

ہندو لوگ اپنی موجودہ حالت کے متعلق ایک گہری غلط فہمی میں مبتلا تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ اس دنیوی زندگی میں اچھے یا بُرے کام اپنی مرضی کے مطابق نہیں کرتے بلکہ یہ کسی گذشتہ زندگی کی بھلائی یا بُرائی کے نتیجہ کے طور پر انجام پاتے ہیں۔ اِسی طرح اس زندگی کے افعال یعنی کرموں پر آئندہ زندگی کے طرز عمل کا دار و مدار ہے۔ غرضیکہ ایک متنفس کو بے شمار زندگیوں کے چکر میں رہنا پڑتا ہے اور اُس کی مثال بالکل اُس تنکے کی سی ہے جو سیلاب کے ساتھ بہتا چلا جا رہا ہو اور اُس کو اپنی منزل مقصود کا نہ تو پتہ ہی ہو اور نہ ہی اُس تک پہنچنے کے لئے وہ اپنی کوشش استعمال کر سکتا ہو۔

ایسے لوگوں تک خُدا کے کلام کو پہنچانا، اُن کو مذہبی تعلیم کی غرض سے جمع کرنا۔ اُن کے درمیان ایک مُقدّس اور رُوحانی عبادت کو رائج کرنا، اور آئندہ زندگی کے ابدی آرام کی تیاری میں اس زندگی کے یوم السّبت کو ماننے کی تلقین کرنا، اِن کاموں کی عظمت ایسی ہے کہ ایک نجات دہندہ اُن کا حکم دے اور ہر مسیحی اُس حُکم کو بجا لائے۔

لیکن اُس زمانہ میں ہندوستان کی "مسیحی" آبادی کی حالت بھی بہت اچھی نہ تھی۔ جنُوبی ہند میں لُوتھرن (LUTHERAN) فرقہ کے جرمن پادریوں نے ۱۷۰۷ء ہی میں چند لوگوں کو "مسیحی" بنا لیا تھا۔ لیکن کیری کی آمد کے وقت جنُوبی ہند میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی متواتر جنگ نے (جن کو تاریخ میں کرناٹک کی لڑائیاں کہا جاتا ہے) جنوبی ہند کی اس برائے نام "کلیسیا" کو اس حالت تک پہنچا دیا تھا کہ اس کا ہونا نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس کے علاوہ جنوبی ہند میں مسیحیت کے ناکامیاب ہونے کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ جنوبی ہند برہمن مت کا مرکز نہیں تھا لہٰذا مسیحیّت نے جو وہاں فتوحات حاصل کی تھیں وہ آرین قوم کے بُت پرست

ہندوؤں کے مقابلہ میں نہیں بلکہ دراوڑی قوموں کے اُن لوگوں کے خلاف تھیں جو بھوت پریت (SPIRITISM) کی پوجا کیا کرتے تھے۔ رُوحانی طور سے اُن کمزور لوگوں پر فتح حاصل کر کے رہنمایانِ دین کو یہ گمان ہوگیا کہ اُن کے پاؤں اس سرزمین میں جم چکے ہیں لیکن وُہ یہ محسوس نہ کر سکے کہ آزمائش اور تکلیف کے آتے ہی یہ نام نہاد "مسیحی" بہت آسانی سے واپس اپنی توہم پرستی اور جنّات کی پرستش کی طرف مائل ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔

خاص شہر کلکتہ کی یہ حالت تھی کہ خود کلائیو اپنے ہمراہ ایک پادری بنام کیئرنینڈر (KIERNANDER) کو لایا تھا۔ لیکن کیئرنینڈر "مشنری" نہیں بلکہ چیپلین (CHAPLAIN) بن کر آیا تھا۔ اور وُہ بھی اُن پرتگالیوں کے درمیان جو مسیحی تھے اُس نے فرانسیسیوں کی کڈالور کی ڈینش مشن (DANISH MISSION) کو بند کروا دیا تھا۔ للہذا ۱۷۵۸ء میں یہ نوبت آگئی تھی کہ کلکتہ میں "ایک بھی پروٹسٹنٹ پادری نہ تھا جو مُردوں کو دفناتا یا زندوں کا نکاح پڑھتا"۔

پلاسی کی لڑائی میں انگریزوں کو فتح نصیب ہُوئی اور کلکتہ کی وُہ آبادی جو جنگ کے خوف سے شہر چھوڑ کر بھاگ گئی تھی رفتہ رفتہ واپس آگئی۔ ان کے علاوہ مغربی افسران اور گورا فوج مِلا کر اس شہر میں کُل تقریباً دو ہزار ولایتی تھے۔ ان کے لئے کمپنی نے جو چیپلین تعیّنات کئے تھے اُن کے خلاف گورنر جنرل نے تحریری شکایت کی ہے کہ "ماسوائے چند ایک کے ہمارے پادری صاحبان قطعی قابلِ عزّت نہیں ہیں"۔ عوام کی اخلاقی ذہنیت بگڑ چکی تھی اور گورنر جنرل کہتے ہیں کہ ایسے گرے ہُوئے اخلاق سے "میں ایک حد تک مایُوس ہو چکا ہُوں۔"

شمالی ہند کے پہلے ہندوستانی مسیحی دہلی کے بپٹسٹ داس تھے۔ آپ کلائیو کی فوج میں مُلازم تھے۔ آپ ہی پہلے اعلےٰ ذات ہندوستانی تھے جنہوں نے ولایت کا سفر کیا اور کلکتہ کے سپریم کورٹ (SUPREME COURT) کے ججوں کے ہمراہ ۱۷۷۴ء بحیثیت فارسی مترجم واپس آئے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیری سے پہلے اس گہری رُوحانی تاریکی سے ان مسیحی اور غیر مسیحی لوگوں کو نجات دلانے کے لئے کیا کچھ کیا گیا تھا؟ معلوم ہوتا ہے کہ ٹامس کی

وقتاً فوقتاً ادھوری کوششوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں کیا گیا تھا۔ ٹامس کی خدمت سے ایک شخص بھی راہِ راست پر نہیں آیا تھا۔ یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ صحیح معنوں میں کیری سے پہلے کوئی "مشنری" ہندوستان میں نہیں آیا تھا۔ وُہی سب سے پہلا شخص تھا جو اس خدمت پر آمادہ ہُوا اور یہاں آکر جو کچھ اُس نے کیا اُس کا نتیجہ ہم آیندہ ابواب میں دیکھیں گے۔

آٹھواں باب

ابتدائی مراحل

جہاز سے اُتر کر پانچ ماہ تک تو کیری کلکتہ سے باہر ہی نہ جا سکا، چونکہ شروع ہی سے اُس کا ارادہ تھا کہ کاشت کاری کر کے اپنی گذر کرے لہٰذا فیصلہ ہُوا کہ ٹامس اپنی ڈاکٹری کر کے روزی کمائے۔ ان دونوں کو پہلے ہی سال اپنا تمام سامان فروخت کرنا پڑا جس کی قیمت ڈیڑھ سو ۱۵۰ پونڈ ملی۔ ٹامس نے حسبِ عادت مکرر غلطی کی یہاں تک کہ کیری جیسے حلیم الطبع شخص کو بھی مجبور ہو کر ٹامس کو سخت و سُست کہنا پڑا۔ کیری لکھتا ہے:۔

"میرا ساتھی تو ایسا ہے کہ صرف ایک جہاز پر ہی اچھی طرح گذارہ کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں اُس کا روزمرہ کا کام اُس کے سامنے ہو گا اور خوراک وغیرہ کا انتظام اُس کے لئے دُوسرے اشخاص کر دیا کریں گے۔"

لیکن اگر کیری کو ان ڈیڑھ سو ۱۵۰ پونڈ میں سے نصف حصہ مل بھی جاتا تو بھی ۷۵ پونڈ کی یہ قلیل رقم اُس کے خاندان کے لئے ایک غیر مُلک میں پہلے ایک سال گذارہ کرنے کو کسی طرح بھی کفایت نہیں کر سکتی تھی۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ کیری بالکل نادار ہو گیا اور کلکتہ شہر کے وسیع اخراجات سے بچنے کے لئے وہاں سے تیس ۳۰ میل کے فاصلہ پر دریائے ہُگلی کے کنارے باندیل نامی مقام پر چلا گیا۔ یہاں اُس نے ایک جرمن

ہوٹل کے مالک سے ایک مکان کرایہ پر لیا۔ یہیں اُس کی ملاقات کیئرنینڈر (KIERNANDER) صاحب سے ہوئی جن کا ذکر گذشتہ باب میں ہو چکا ہے کیئرنینڈر صاحب کی عمر اس وقت چوراسی برس کی تھی اور آپ بہ تقاضائے پیری تقریباً نابینا ہو چکے تھے۔

باندیل میں کیری اور ٹامس نے وعظ دینے اور لوگوں سے مناظرے و مباحثے کرنے شروع کر دئیے۔ ایک کشتی بھی خریدی گئی جس میں بیٹھ کر وُہ ہُگلی کے کنارے کنارے قصبوں۔ دیہاتوں اور بستیوں وغیرہ میں جا کر منادی کرتے تھے۔

باندیل میں زیادہ تر آبادی پُرتگالیوں اور دیگر یورپین اور یوریشین (EURASIAN) لوگوں کی تھی۔ رفتہ رفتہ کیری کا دل اُن سے اُکتا گیا اور اُس کے دل میں ایک زبردست خواہش پیدا ہوئی کہ وُہ کسی ایسی جگہ سکونت اختیار کرے جہاں ہندوستانیوں کے ساتھ اُس کا زیادہ راہ و ربط ہو سکے۔ اِنہی خواہشات کے زیرِ اثر اُس نے مشہور مُصلح چیتنیہ کی جائے پیدائش ندیا کو اپنی خدمات کا مرکز بنانے کے لئے منتخب کیا۔ ندیا آخری ہندو راجہ کی راجدھانی اور برہمن مت کا گہوارہ تھا۔ یہاں سنسکرت کے بہترین وِدوان پائے جاتے تھے اور یہ شہر ایک دھارمک استھان ہونے کی حیثیت سے بنارس۔ پُونا۔ اور کانجی ورم جیسے تیرتھوں کا ہم پلّہ تھا۔ یہاں رہ کر کیری ہندو دھرم کی بیخ و بُنیاد کو ہِلا سکتا تھا لہٰذا اُس نے مصمّم ارادہ کر لیا کہ ندیا ہی میں ایک چھوٹا سا جھونپڑہ بنا کر اُنہیں لوگوں کی طرح زندگی بسر کرے۔ ندیا گویا "ہندوستان کا آکسفورڈ" (OXFORD) تھا اور کیری چاہتا تھا کہ یہاں فیلکس (FELIX) سنسکرت پڑھے۔ ولیم (WILLIAM) فارسی کی تعلیم حاصل کرے اور پیٹر (PETER) چینی زبان سیکھے حالانکہ فیلکس اور اُس کی والدہ دونو اُس وقت ایسے سخت بیمار تھے کہ دونوں میں سے ایک کے بھی بچنے کی کوئی ظاہری اُمید نظر نہ آتی تھی!!!

ندیا جانے کے اس فیصلہ کے متعلّق کیری اپنی "ڈائری" میں یُوں رقمطراز ہے:

"مَیں نے اپنے پنڈت اور ٹامس کے ہمراہ دُعا میں خُدا کی ہدایت چاہی اور نتیجہ یہ نکلا کہ کئی ایک عالموں اور برہمنوں نے ہم سے درخواست کی کہ ہم وہاں

سکونت اختیار کریں۔ اور چونکہ یہ مقام مشرقی علوم کا مرکز ہے، اس لئے ہم بھی رضامند ہو گئے خاص کر اس خیال کے پیشِ نظر کہ اگر ہم نے اس مقام پر ہندو مذہب کی بنیاد میں تزلزل پیدا کر دیا تو ہندوستان کے کسی اور حصّہ میں ہمیں زیادہ مخالفت کا اندیشہ نہ رہیگا۔

لیکن ندّیا جیسے "مقدّس" مقام پر ایک انگریز "ملیچھ" کو سکونت کے لئے زمین کیسے مل سکتی تھی؟ کیری ندّیا جانے کے ابھی خواب ہی دیکھ رہا تھا کہ اُس کو دوبارہ اپنے خاندان سمیت کلکتہ منتقل ہونا پڑا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ٹامس تو چاہتا تھا کہ وہاں اپنا مطب کھولے تاکہ اُس کو قرض خواہوں کے تقاضوں سے نجات مل جائے اور کیری کو یہ اُمید دلائی گئی تھی کہ اُس کو ایک سرکاری ملازمت مل جائے گی۔ کیری کے ایک دوست کپتان کرسمس (CAPT. CHRISTMAS) نے سُنا تھا کہ کلکتہ کے بوٹانیکل گارڈن (BOTANICAL GARDEN) کے منتظم کی آسامی خالی ہوئی ہے۔ کیری نے علم النباتات پر ایک زبردست علمی کتاب لکھی تھی۔ کپتان صاحب نے ذمّہ دار افسران کو اس کتاب کا قلمی نسخہ دکھایا جس کو دیکھ کر افسران مان گئے کہ کیری واقعی اس عہدہ پر مامور کئے جانے کے لائق ہے۔ معاملات کے اس حد تک پہنچنے کے بعد کپتان صاحب نے کیری کو خبر دی، لیکن جب کیری کلکتہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ اُس کے آنے سے پہلے ہی یہ جگہ پُر ہو چکی ہے۔ اس آسامی پر مدراس کے ڈاکٹر راکسبرگ (DR. ROXBURGH) صاحب کو مقرر کیا گیا تھا جو بعد میں کیری کے دوست بھی بن گئے لیکن سرِدست کیری سے افسران نے صرف یہ وعدہ کیا کہ آیندہ کوئی جگہ خالی ہوئی تو اُس کو آگاہ کر دیا جائے گا۔ چنانچہ کیری مایوس ہوا اور اُسے مجبوراً کسبِ معاش کے لئے کوئی اور ترکیب سوچنی پڑی۔ یہ تو پہلے ہی کہا جا چکا ہے کہ کیری کو باغبانی اور کاشتکاری کا بہت شوق تھا چنانچہ اُس زمانہ میں سرکار نے سُندربن کو آباد کرنے کے لئے ایک سکیم مرتّب کی اور کیری نے اس سکیم کے ماتحت ایک درخواست دے دی کہ اُس کو بھی ایک قطعہ اراضی سُندربن میں مل جائے۔

اس وقت کیری کی ناداری کی یہ حالت ہو چکی تھی کہ وہ کلکتہ شہر میں اپنے بیمار بیوی بچّوں کے لئے ایک مکان بھی کرایہ پر نہیں لے سکتا تھا۔ ناچار اُس کو ایک ساہوکار سے

امداد طلب کرنی پڑی۔ یہ ساہوکار کسی وقت ٹامس کو قرض دے چکا تھا۔ اُس نے کیری کو اپنا ایک بوسیدہ مکان رہنے کو دے دیا۔ اس واقعہ کے کئی سال بعد اتفاق سے یہ نیلودت نامی ساہوکار بھی کسی مُصیبت کا شکار ہو گیا۔ اُس وقت کیری نے اُس کی بہت مدد کی اور اس طرح اُس کے بار احسان سے سبکدوش ہو گیا۔

یہ کیری کے لئے سخت مُصیبت اور پریشانی کے دن تھے۔ ٹامس ہر دو خاندانوں کے خزانچی کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ ماہ جنوری ہی میں اُس نے اطلاع دے دی کہ تمام اثاثہ ختم ہو چکا ہے، اور آیندہ موسم بہار تک انگلستان سے مالی امداد ملنے کی کوئی اُمید نہیں۔ وجہ دریافت کرنے پر معلوم ہُوا کہ ٹامس نے پہلے سال کے اخراجات کا جو تخمینہ لگایا تھا وُہ غلط ثابت ہُوا اور جو رقم ٹامس کے تخمینہ کے مطابق ایک سال کو کفایت کرنی چاہیئے تھی وُہ چند ماہ میں ہی ختم ہو گئی اور پھر اپنے مطب کے لئے بھی ٹامس نے ایک عالیشان مکان کرایہ پر لے لیا تھا۔

کیری کے خاندان میں سات نفوس تھے۔ اُس کی بیوی سخت بیمار تھی۔ فیلکس کے بچنے کی بھی ابھی تک کوئی اُمید نہ تھی۔ رہائش کے لئے نیلودت کا بوسیدہ جھونپڑہ پنڈت کی تنخواہ کے لئے بیس۲۰ روپیہ ماہوار کا خرچ۔ کاشتکاری شروع کرنے کے لئے بیج اور دیگر ضروری سامان کی ضرورت۔ اس پر دس ماہ سے پہلے انگلستان سے کوئی مالی امداد ملنے کی اُمید نہ تھی۔ ان مشکلات میں اُس کی اپنی دماغی پریشانیوں کا اندازہ لگانا مُشکل ہے۔ پھر اُس کی مریضہ بیوی کی تکلیف کا کیا عالم ہو گا؟ در اصل یہ تمام تفکّرات اُس کے لئے ایک ناقابلِ برداشت صدمہ ثابت ہُوئے۔

مُصیبتوں کا مارا کیری بچارا دوپہر کی جلتی ہُوئی دھوپ میں پانچ۵ میل کا پیدل سفر کر کے فورٹ ولیم (FORT WILLIAM) کے چیپلین ڈیوڈ براؤن (CHAPLAIN DAVID BROWN) کے پاس امداد کی نیّت سے پہنچا۔ لیکن ڈیوڈ براؤن صاحب ٹامس کی حرکتوں کی وجہ سے اس قدر متنفّر ہو چُکے تھے کہ اُنہوں نے اُس کے ساتھی کیری کی امداد کرنا تو درکنار اُس کو ایک ٹھنڈے پانی کا گلاس تک دینے سے انکار کر دیا۔ اسی زمانہ سے مسز کیری کے اُس خللِ دماغ کی ابتدا ہوتی ہے جس نے کیری کو تیرہ۱۳ سال تک پریشان رکھا۔ وُہ خود سخت بیمار تھی۔ اُس کا بچّہ قریب المرگ تھا۔ کھانے

کو سُوکھی روٹی بھی میسّر نہ ہوتی تھی۔ وُہ ایک ایسے شہر میں رہتی تھی جہاں کی بولی سے ناواقف تھی۔ وُہ کسی کے آگے اپنا دُکھڑا رو کر ہمدردی تک حاصل نہ کر سکتی تھی۔ دو لاکھ نفوس کی گنجان آبادی میں بھی وُہ اپنے آپ کو بالکل بے یارو مددگار پاتی تھی۔ اُس کی مُصیبت کے وقت کا سہارہ یعنی اُس کا خاوند اس لائق بھی نہ تھا کہ اُس کے لئے دوا تک خرید سکے۔ چہ جائیکہ اُس کے واسطے مُناسب غذا کا انتظام کرتا۔ پھر خاندان سے جُدائی۔ بچّوں کا فِکر۔ موسم کی خرابی۔ رہائش کی تکلیفیں۔ ان سب کی وجہ سے اُس کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی اور بالآخر وُہ مالیخولیہ جیسے مُوذی مرض کا شکار ہو گئی۔ اُس کو مخبوط الحواس کہہ کر اُس کی تحقیر کرنے والوں کو چاہیئے کہ ان واقعات پر نظر کریں اور مسز کیری پر الزام نہ لگائیں بلکہ اس سے ہمدردی کا اظہار کریں۔

لیکن کُچھ بھی ہو کیری کے لئے اُس کی بیوی کا یہ مرض دراصل تکلیف اور مُصیبت کا باعث ثابت ہُوا۔ اور پھر اُس کا ایک ایسے وقت ظاہر ہونا جبکہ وُہ اپنی گھریلو یا مالی مُشکلات کی وجہ سے پہلے ہی پریشان تھا — یہ واقعہ تھا جس نے اس کی تلخی کو دو چند کر دیا۔ مگر شاباش ہے کیری کو کہ حرفِ شکایت زبان تک نہ لایا بلکہ صبر کے ساتھ سب کچھ برداشت کرتا رہا۔

بالآخر کیری کی درخواست منظور ہو گئی اور اُس کو ایک قطعہ اراضی سندر بن میں دیب ہاٹ کے قریب مِل گیا۔ اُس کے پنڈت رام رام باسُو کے والد یہاں زمیندار رہ چُکے تھے۔ یہ زمین اس شرط پر ملی تھی کہ پہلے تین سال کوئی لگان نہیں لیا جائیگا لیکن چوتھے سال کے شرُوع سے ساتویں سال تک آٹھ آنہ فی بیگھ لگان ادا کرنا ہوگا۔ اس کے علاوہ کیری کو اجازت مِل گئی کہ اگر دیب ہاٹ میں محکمۂ نمک کا بنگلہ خالی ہُوا تو اُس میں رہائش اختیار کر سکتا ہے۔ حالانکہ کیری کو معلُوم تھا کہ سندر بن میں خُونخوار درندے اور سانپ وغیرہ کثرت سے پائے جاتے ہیں تو بھی اُس نے اس عطیّہ کو ایک نعمتِ الٰہی تصوّر کر کے شکریہ کے ساتھ قبُول کر لیا اور دُوسرے ہی دن دیب ہاٹ کی تیاری کر دی۔

وہاں پہنچ کر معلُوم ہُوا کہ جس بنگلہ میں قیام کرنے کی اُمید پر آیا تھا وُہ خالی نہیں ہے، بلکہ اُس میں محکمۂ نمک کے ایک افسرِ اعلےٰ مسٹر چارلس شورٹ (Mr.

(CHAS. SHORTT) مقیم ہیں۔ کیری سخت پس و پیش میں تھا کہ اس ویران و سنسان جنگل میں بیمار بیوی بچّوں کو لے کر کہاں جائے۔ بار بار اُس کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ چار دن کا سفر طے کرکے کیا وُہ اس غرض سے آیا ہے کہ وُہ خود اور اُس کا خاندان سُندربن کے درندوں کا شکار بن جائیں؟ لیکن خُدا نے اپنے بندوں کی حفاظت کے لئے کچھ اور ہی انتظام کیا تھا۔

جس وقت کیری کی کشتی دیب ہاٹ پہنچی اُس وقت شورٹ صاحب سیر و شکار کی غرض سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے دُور سے کیری کو دیکھا اور یہ معلُوم کرنے کے لئے گھاٹ کی طرف لپکے کہ اس دُور افتادہ مقام پر انگریزوں کی یہ جماعت کیسے آن پہنچی۔ جب کیری نے اُن کو تمام حالات سے آگاہ کیا تو اُنہوں نے کیری کو دعوت دی کہ اُن کے ساتھ ہی بنگلہ پر قیام کریں۔ شورٹ صاحب مذہب اور تبلیغ مذہب سے کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے بلکہ وُہ کیری کے منصُوبوں کا مضحکہ بھی اُڑاتے تھے۔ لیکن اس کے باوجُود اُنہوں نے کیری کی مصیبتوں کو دیکھ کر ترس کھایا اور اُس کو نہ صرف پناہ دی بلکہ مسز کیری اور فیلکس کے دوا دارُو کا انتظام بھی اپنے ذمّہ لے لیا۔ کیری کا قافلہ شورٹ صاحب کے مکان پر ۱۷ فروری کو پہنچا اور اُسی دن سے اس کی داستان عشق کا بھی آغاز ہو گیا جس کے نتیجہ کے طور پر ایک سال بعد آپ کا نکاح کیری کی سالی کیتھرین پلیکیٹ (CATHERINE PLACKETT) سے ہو گیا۔ کیری کے انتقال کے کئی سال بعد جب مسٹر اور مسز شورٹ انگلستان چلے گئے تھے اُس وقت اُنہوں نے ان واقعات کا ذکر کیا۔

کلکتہ کے مقابلہ میں دیب ہاٹ کیری کے واسطے زیادہ آرام دِہ تھا۔ یہ قصبہ ایک ندی کے کنارے آباد تھا۔ جس بنگلہ میں کیری کے خاندان نے قیام کیا اُس کے کھنڈر اب تک موجُود ہیں اور وہاں کے لوگ اِس کو "سالٹ صاحب کا بنگلہ" کہتے ہیں۔

دیب ہاٹ میں دراصل نمک کا کوئی کارخانہ نہ تھا اور نہ یہاں کا پانی کھاری ہی ہے۔ اس مقام پر فقط ایک گودام تھا جس کو اُس علاقہ میں "گولہ" کہا جاتا ہے۔ کیری کی زمین ندی کے اُس پار ایک میل شمال کی جانب واقع تھی۔ اس جگہ کا نام "کالُوٹولہ" ہے۔ یہ نام ایک مُسلمان بزرگ "کالُو دیوان" کی یاد میں رکھا گیا تھا جن کا عُرس اب بھی کالُوٹولہ میں ہوتا ہے۔

چونکہ کیری بچپن ہی سے دیہات میں رہا تھا لہٰذا کلکتہ کی نسبت اُس کے لئے کاٹو ٹولہ میں سکونت اختیار کرنا زیادہ آسان تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ دوبارہ دیہاتی زندگی بسر کرنا اُس کے لئے مُوجبِ راحت تھا۔ اپنی زمین کو دیکھ کر اُس کے بہت سے پُرانے خواب دوبارہ تازہ ہو گئے۔ مثلاً اُس کو یقین ہو گیا کہ وہ کاشت کاری میں کامیاب ہو گا۔ زمین زرخیز تھی۔ وہ خُود محنت کرنے کا صرف عادی ہی نہیں بلکہ ایک حد تک شوقین بھی تھا۔ اُس کے کھیتوں کو سیراب کرنے کے لئے ندی بھی قریب ہی تھی۔ پھر اس علاقہ میں متعدّد عالیشان عمارتوں کے کھنڈر بھی موجُود تھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ کسی زمانہ میں دُوسروں نے بھی اس جگہ سکُونت اختیار کر کے کامیابی حاصل کی تھی، پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ کیری کہیں یہاں کامیاب ثابت نہ ہوتا۔ اس علاقہ میں چند اور لوگوں نے بھی اراضی حاصل کی تھی۔ یہ جنگلات کو صاف کرنے کے لئے درخت کاٹتے اور اس طرح جو لکڑی حاصل ہوتی تھی اُس کی تجارت سے ایک عرصہ تک گذر اوقات کیا کرتے تھے، اور پھر زمین صاف ہو جانے پر اُس میں کاشت کرتے تھے۔ کیری کا ارادہ بھی ایسا ہی کرنے کا تھا۔ پھر ندی کے کنارے ایک گھونگا پایا جاتا ہے جس کو شامُک کہتے ہیں۔ اس سے ایک خاص قسم کا چُونا تیار ہوتا ہے جس کو بنگالی لوگ پان میں استعمال کرتے ہیں۔ کیری کو ان گھونگوں کی تجارت میں بھی معقُول منافع کی اُمید تھی۔ اس کے علاوہ جنگلات میں شہد اور شہد کے چھتّوں میں سے موم بھی کافی مقدار میں ملتے تھے۔ سامانِ خورد و نوش کی بھی کوئی کمی نہ ہو سکتی تھی کیونکہ جنگل میں شکار کثرت سے تھا۔ ہرن اور جنگلی مُرغ آبادی کے نزدیک ہی ملتے تھے۔ چاول بارہ آنے من بکتا تھا، اور بکریاں چھ چھ آنہ میں خریدی جا سکتی تھیں۔ یہ تمام باتیں کیری کے لئے مُسرّت انگیز تھیں۔

تاہم تمام امُور خُوشگوار ہی نہ تھے۔ اس مقام پر زمین لینے میں سب سے بڑی دِقّت یہ تھی کہ زمیندار لوگ سرکار کے اس انتظام کے سخت مخالف تھے اور اندیشہ تھا کہ اگر کسی وقت زمینداروں کی اس مخالفت نے زور پکڑا تو سرکار کو مجبوراً سندربن آباد کرنے کی یہ سکیم ترک کرنی پڑے گی اور لوگوں سے زمین چھین لی جائے گی۔ اس وجہ سے بہت کم لوگ اس انتظام کے ماتحت سندربن میں زمین لینے کی ہمّت کرتے تھے۔ پھر

ان جنگلوں میں مستقل رہائش اختیار کرنا بھی جُرأت کا کام تھا کیونکہ جنگلات میں ڈاکو بکثرت رہتے تھے جو کسی طرح بھی ان خونخوار درندوں سے کم خطرناک نہ تھے جو سندربن میں اب تک پائے جاتے ہیں۔ خوفناک جانوروں میں ناگ - اژدہے - جنگلی بھینسے - ندی کے کنارے مگرمچھ اور چیتے وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ ہیبت ناک بنگال کا شیر تھا۔ گذشتہ ایک سال کے اندر ہی محکمۂ نمک کے بیس اشخاص کو شیر اُٹھا کر لے گئے تھے اور عوام اس درجہ خوفزدہ ہو گئے تھے کہ وُہ گھر چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ جب کیری وہاں پہنچا تو دیب ہاٹ تقریباً ویران و سنسان ہو چکا تھا۔ جو تھوڑے بہت لوگ باقی تھے اُن میں سے کوئی رات کو باہر نکلنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ اگر ٹامس ہمراہ ہوتا تو کیری کو کچھ تسلّی رہتی کیونکہ ٹامس اچھا نشانہ باز تھا۔ اور کیری کو بندوق اُٹھانی بھی نہ آتی تھی۔ اس لئے اگر وُہ ان خطرات کے پیشِ نظر سندربن کو خیرباد کہہ دیتا تو کوئی تعجّب کی بات نہ تھی۔ چنانچہ اُس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا لہٰذا اُس نے سُندربن کے خطرات کے باوجود وہاں مستقل رہائش اختیار کرنے کا مُصمّم ارادہ کر لیا اور اس نعمت کے لئے خُدا کا شکر ادا کر کے اپنے انتظامات مکمّل کرنے شروع کر دئے۔

چنانچہ جلد ہی پُورے اہتمام کے ساتھ اُس کے کھیتوں میں محنت شروع ہو گئی۔ گھنے جنگلوں کو چھانٹ کر کاشت کے لئے جگہ صاف کروا دی گئی۔ بانس کی ایک جھونپڑی رہائش کے واسطے تعمیر کروائی گئی۔ کھیت کے چاروں طرف منڈیر بنا کر کیلے کے درخت لگا دئے اور جو کیاریاں تیار ہو گئی تھیں اُن میں دالیں۔ رائی۔ پیاز اور سبزیاں بو دی گئیں۔ کیری اپنے کھیت میں کام کرنے کے لئے روز ندی پار کرتا اور اپنی کاشت کی نمو کو دیکھ کر اُس کے دل میں اُمنگیں پیدا ہوتی تھیں۔ کھیتوں کی صاف و تازہ ہوا اُس کے بچّوں کی تندرستی کے لئے بھی مُفید ثابت ہُوئی اور اُس کی اپنی جفاکشی کی وجہ سے خُود اُس کی صحت بھی اچھی ہو گئی۔ لیکن اُس کے دل میں خاص اطمینان اس امر سے تھا کہ دیہات میں رہ کر وُہ کاشت کاروں سے دوستانہ تعلّقات پیدا کر سکتا تھا۔ اور دراصل ہندوستان کی زیادہ آبادی دیہات ہی میں پائی جاتی ہے۔ کلکتہ میں رہ کر وُہ "ہندوستانیوں" سے تو بے شک راہ و رسم قائم کر سکتا تھا لیکن

کلکتہ کی شہری آبادی ہندوستان کی نمائندگی نہیں کرتی۔ کیری کی تمنّا یہ تھی کہ کسانوں کے درمیان رہ کر اور کسانوں کی بولی سیکھ کر کسانوں کے دل کو فتح کرے اور اب چونکہ اس تمنّا کے پُورے ہونے کی کامل اُمید تھی لہٰذا اُس زمانہ میں کیری کی مسرّت کی کوئی انتہا نہ تھی۔

اس کے علاوہ ایک اور امر کیری کے لئے مسرّت انگیز یہ تھا کہ جب دیہاتیوں نے یہ دیکھا کہ ایک انگریز اُس قصبہ کے نزدیک اپنا مکان تعمیر کروا رہا ہے تو اُن کی بھی ہمّت بڑھ گئی اور جو لوگ شیروں کے خوف سے قصبہ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے اُن میں سے تقریباً پانچسو نفوس نے واپس آنے کا ارادہ کر لیا اور یہ معلوم کر کے کیری نے ایک خط میں تحریر کیا کہ "جلد ہی ہمارے نزدیک تین[۳] چار[۴] ہزار کی آبادی ہو جائیگی" ندی کے کنارے کنارے بہت سے قصبے اور گاؤں آباد تھے جن میں کبھی مسیح کے نام کی منادی نہیں کی گئی تھی۔ کیری نے جلد ہی ان کی طرف اپنی توجّہ مبذول کی اور اُن میں تبلیغ کا کام شروع کر دیا، حالانکہ اُس کو ابھی تک زبان پر کافی عبور حاصل نہ ہُوا تھا لیکن وُہ اپنے پنڈت رام رام باسُو کے ہمراہ جا کر لوگوں کو تعلیم دینے کی کوشش میں لگا رہتا تھا۔ چنانچہ وُہ لکھتا ہے کہ:-

"جب مجھے زبان پر اس قدر عبور حاصل ہو جائے گا کہ اُس میں وعظ کر سکوں تو میرے گرد سامعین کی کمی نہ ہوگی۔ . . . . . ابھی تک تو مَیں صرف کھانے پینے اور خرید و فروخت وغیرہ کے متعلّق اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا ہوں۔ لیکن اب بنگالی زبان کانوں میں عجیب معلوم نہیں ہوتی۔ یہ ایک عجیب زبان ہے کیونکہ اس میں ضمیر کی جمع کے علاوہ کوئی جمع نہیں ہوتی اور حروفِ عطف قطعی ندارد۔"

کیری کو جب دوستوں کی یاد آئی تو وُہ لکھتا ہے:-

"مَیں نے ملّت اور برادری کے فوائد کو اس سے پہلے کبھی اس طرح محسُوس نہیں کیا تھا جیسا کہ اس تنہائی میں محسُوس کرنے کا اتفاق ہُوا ہے۔ لیکن مجھے اس خیال سے بہت تسلّی حاصل ہوتی ہے کہ مَیں نے سب کچھ خدا کی خدمت کے لئے تج دیا ہے اور باوجود اپنی دُشواریوں اور مُشکلات کے میرا کام ہی میرے لئے کافی اجر ہے۔"

اور پھر وہ لکھتا ہے کہ :-

"حالانکہ مجھے تکلیفیں اور مشکلات تو بے شمار ہیں لیکن اگر کوئی مجھے ساری دنیا
بھی دیدے تب بھی میں اس کے بدلے اپنے اس جذبۂ خدمت کو کسی طرح بھی
ترک کرنے پر تیار نہ ہوں گا"

اس اثنا میں کیری نے کانو ٹولہ میں اپنا مکان مکمل کر لیا تھا اور وہ اپنے سندربن
کے مرحلہ میں تقریباً کامیاب بھی ہو چکا تھا کہ اچانک اس کو ٹامس کی طرف سے ایک
خط ملا جس کو پڑھ کر اس کو تعجب بھی ہوا اور خوشی بھی - اس خط میں ٹامس نے اس سے
درخواست کی تھی کہ سندربن کی زمین کو ترک کر دے اور اس کے پاس چلا آئے۔ کیری
کو اپنی کاشتکاری چھوڑنے کے خیال سے تکلیف تو بے شک تھی لیکن جو امیدیں
ٹامس نے اپنے خط میں دلائی تھیں وہ بہت خوشگوار تھیں لہٰذا اس نے سندربن
کو خیرباد کہنے کا بھی ارادہ کر لیا کیونکہ اس خط کے پس منظر مندرجہ ذیل واقعات تھے:-

۱۷۹۴ء کے پہلے ہی ہفتہ میں دریائے ہُگلی کو عبور کرتے وقت ایک کشتی اُلٹ
گئی تھی جس میں کلکتہ کے متموّل سوداگر مسٹر رابرٹ اُڈنی (MR. ROBERT UDNY)
اور اُن کی اہلیہ غرقاب ہو گئے - مرحوم اُڈنی صاحب کی ضعیف والدہ بقید حیات
اور اُس چھوٹی سی جماعت کی شریک تھیں جس کی خدمت کسی وقت ٹامس نے کی تھی-
اُن کا بڑا بیٹا مسٹر جارج اُوڈنی (MR. GEORGE UDNY) اُس وقت مالدہ کی
ریزیڈنسی (RESIDENCY) میں کمپنی کا ایک اعلےٰ افسر تھا ٹامس نے اس حادثہ کی
اطلاع پاتے ہی ایک ہمدردی کا خط بزرگ مسز اُڈنی صاحبہ کو تحریر کیا حقیقت میں
یہی خط منقطع تعلقات کو ازسرِنو استوار کرنے کا موجب ہوا - چونکہ تعلقات قائم ہو چکے
تھے اس لئے مسٹر جارج اوڈنی نے ٹامس کو مدعو کیا کہ وہ بھی بال ڈی گی کے مقام پر
اُن کے نیل کے کارخانہ میں اُن کی مدد کرے - یہ کارخانہ اُڈنی صاحب اپنے صرفہ سے قائم
کرنے والے تھے - اس کے علاوہ اُن کا ایک کارخانہ مالدہ میں بھی تھا ٹامس نے جارج
اُڈنی صاحب کی اس ملازمت کو قبول کر لیا اور اُن کو اس امر پر بھی رضامند کر لیا کہ وہ
کیری کو اپنے مالدہ کے کارخانہ کا منتظم مقرر کر دیں - ان دونوں کی تنخواہ ڈھائی سو
پونڈ مقرر کی گئی اور امید دلائی گئی کہ تیار کئے ہوئے مال کی فروخت پر اُن کو معقول

کمیشن دی جائے گی بلکہ اغلب ہے کہ رفتہ رفتہ کارخانہ کی ملکیت میں بھی اُن کو شریک کر لیا جائے۔

یہی ٹامس کے خط کا مضمون تھا۔ اس ضمن میں کیری کے احساسات کا اندازہ اُس کی "ڈائری" کے مندرجہ ذیل الفاظ سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

"ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قدرت نے ہماری گذران کا یہ انتظام کیا ہے اس لئے مَیں نے اس کو منظور کر لیا۔ .... مزید خوشی یہ ہے کہ میرا اہم خدمت بھی میرے قریب تر ہوگا اور ہم یک جہتی سے کام کر سکیں گے"

اس کے بعد وہ اپنے مقصد کو یُوں ظاہر کرتا ہے:۔

"میری سب سے بڑی تمنّا یہی ہے کہ غیر مسیحی راہِ راست پر آ جائیں۔ اور اگر مالدہ کی سکونت میرے لئے قابلِ برداشت ثابت ہُوئی تو مَیں ضرور کتابِ مُقدّس کے کئی ترجمے شائع کر سکوں گا"

سُندربن کے عارضی گھر کو چھوڑنے سے قبل کیری نے جن خیالات و جذبات کو اپنی "ڈائری" میں قلمبند کیا ہے وہ پڑھنے کے لائق ہیں۔ لیکن طوالت کے خوف سے ان کو بجنسہٖ نقل نہیں کیا جا سکتا لہٰذا مندرجہ ذیل اقتباسات پر اکتفا کیا جاتا ہے:۔

"۸- اپریل ۱۷۹۴ء۔ میری تمام اُمیدیں عرُوج پر ہیں اور مَیں اپنی تسلّی خُدا سے پاتا ہُوں۔ اُس کی طاقت کے بغیر کوئی یورپین مسیحی نہیں بن سکتا۔ اُسی کی قُدرت سے ہر ہندوستانی راہِ راست پر آ سکتا ہے۔ جب مَیں یہ خیال کرتا ہُوں کہ اُس نے میرے قلب میں خدمت کا کس قدر شوق پیدا کیا ہے اور میری راہ مستقیم کرنے کے لئے معجزات دکھائے ہیں تو میں اُس کے وعدوں پر بھی کامل بھروسہ رکھ سکتا ہُوں"

اور گیارہ دن کے بعد کیری لکھتا ہے:۔

"۱۹- اپریل۔ خُداوند کے راستے کیا ہی پُرجلال ہیں! میری جان اُس کی پیاسی اور میرا جسم اُس کا مشتاق ہے تاکہ اُس کی قُدرت اور اُس کی حشمت کو دیکھے جیسا کہ مَیں نے بیتِ قُدس میں دیکھا ہے۔

جب مَیں پہلے پہل انگلستان سے چلا تو مجھے بڑی اُمید تھی اور اگر میرا توکّل خُدا پر نہ ہوتا تو میری مشکلات کے پیشِ نظر میری اُمیدوں پر پانی پھر جاتا

عجیب نہ تھا۔"

ان مشکلات کی تفصیل وہ اس طرح بیان کرتا ہے :۔

"آج اپنی عزیز کلیسیا کو چھوڑے ہوئے ایک سال اور اُنیس ۱۹ دن ہو گئے ہیں۔ اُس دن سے آج تک مجھے زیادہ تر سفر ہی میں رہنا پڑا۔ پہلے تو نفس پرست لوگوں کے ساتھ پانچ ۵ ماہ تک جہاز پر مقید رہا اور پانچ ۵ ماہ زبان سیکھنے میں لگ گئے۔ میرے منشی کو اتنی انگریزی نہیں آتی کہ میرے وعظ کی صحیح ترجمانی کر سکے۔ میرا ہم خدمت مجھ سے جدا ہو گیا۔ ہم مذہب بھائیوں کے ساتھ جماعتی عبادت شاذ و نادر ہی ہو سکی۔ کوئی ایسا مقام نہیں جہاں کامل سکون کے ساتھ وقت گذار سکوں کیونکہ یہاں کے جنگلوں میں شیروں کا بڑا خوف ہے۔ کوئی دُنیوی شے ایسی نہیں جس پر بھروسہ کر سکوں اور کوئی دُنیوی آرام نہیں سوائے تن ڈھانک لینے اور یک نان شبینہ پر اکتفا کرنے کے۔ یہ ہاں! میرا خُدا میرے ساتھ ہے اور اُس کے وعدے برحق ہیں۔ اور ہر چند کہ غیر مذاہب کی توہم پرستی لاکھ گنا کیوں نہ ہو۔ خواہ سب مجھے چھوڑ دیں؟ اگر سب مجھے ستائیں۔ تب بھی میری اُمید جو اُس کے کلامِ حق سے وابستہ ہے اُن تمام مشکلات پر فتح پائے گی اور اُن تمام آزمائشوں پر غلبہ حاصل کرے گی۔ خداوند کا کلام ظفر مند ہو گا اور مَیں اپنی ہر آزمائش کے بعد اُس سونے کی مانند نکلوں گا جو آگ میں تپا کر صاف کیا جاتا ہے۔"

اُسی دن اُس نے اپنی دماغی کشمکش کا اعتراف بھی ان الفاظ میں کیا ہے :۔

"میری حالت ہَوا کے جھونکوں کی طرح غیر مستقل اور ناپائدار ہے۔"

مندرجہ بالا طویل اندراج کے تین ۳ دن بعد یہ الفاظ مرقوم ہیں :۔

"مَیں آنے والے خوشگوار زمانہ کی اُمید پر حال کے رنج و ملال کو قربان کرتا ہوں۔"

اور دوسرے دن میں یُوں مرقوم ہے :۔

"زندگی کی تمام تکلیں تو میرے ساتھ لگی ہی ہوئی ہیں لیکن مَیں نے معلوم کر لیا ہے کہ اگر خُدا کے ساتھ مراقبہ میں وقت گذارا جائے تو وہ تسلی دینے اور اطمینان بخشنے پر قادر ہے۔ وہ رُوح کو ایک مقدس خوشی عنایت فرماتا ہے جو انسان کو اس لائق بنا دیتی ہے کہ ہر تکلیف پر غلبہ حاصل کر سکے۔"

چنانچہ ۲۳ رمئی کو کیری کا خاندان سنددبن سے مالدہ کو روانہ ہؤا۔ کشتی کے اس سفر میں اُن کو ۲۳ دن لگے اور ۱۵ جون کو وُہ مالدہ پہنچے۔ آیندہ باب میں ہم کیری سے ملاقات مالدہ ہی میں کریں گے۔

نواں باب

مالدہ میں نیل کی کاشت

گذشتہ باب میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اوڈنی صاحب نے ٹامس کی صلاح پر کیری کو دعوت دی تھی کہ اُن کے نیل کے کارخانہ کا انتظام سنبھالے۔ ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ کن خیالات کے ماتحت کیری نے اُس دعوت کو قبول کیا تھا۔ اسی سلسلہ میں اُس نے اپنی "ڈائری" میں یہ الفاظ تحریر کئے ہیں :-

"میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ سوسائٹی کو تحریر کردوں کہ مجھے اُن کی مالی امداد کی ضرورت نہیں بلکہ میں یہ چاہتا ہُوں کہ اپنی تنخواہ میں سے کُچھ نہ کچھ بنگالی بائبل کی اشاعت کے لئے بھی وقف کردُوں"

چُنانچہ کیری نے سوسائٹی کو اس مضمون کا ایک خط تحریر کر دیا لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی واضح کردیا کہ :-

"میں اس کو فخر اور خُوشی کا باعث سمجھُوں گا اگر سوسائٹی مجھے یہ اجازت دیدے کہ میرے اور اُن کے تعلقات وُہی رہیں جو اُس وقت تھے جبکہ سوسائٹی میرا خرچ برداشت کرتی تھی"

جُون کے مہینہ میں برسات کا موسم خُوب زور پہ تھا۔ اُن ہی دنوں کیری نیل کے کارخانہ میں کام کرنے مدن باٹی پہنچا۔ پہلے ہی اتوار کو اُس نے ریزیڈنسی (RESI-DENCY) میں ایک عبادت کرائی۔ یہ ایک سرکاری عمارت تھی جس میں قانوناً کسی "مشنری" کو قدم تک رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ لیکن چُونکہ کیری نے نیل کی کاشت کو اپنا ذریعۂ معاش بنا لیا تھا اس لئے اُس کو پانچ سال قیام کرنے کا لائسنس (LICENSE) مل چکا تھا اور

اسی اجازت نامہ کی بنا پر وُہ نہ صرف دُنیوی کاروبار میں بلکہ دینی خدمت میں بھی مصروف تھا۔ سرکارِ ہند فقط یہ چاہتی تھی کہ محض خانہ پُری کے لئے ہندوستان میں رہنے والے انگریز کوئی نہ کوئی دُنیوی کام اپنا ذریعۂ معاش لکھوا دیں۔ بحیثیت مبلغ حکومت کسی انگریز کو ہندوستان میں قیام کرنے کی اجازت دینے کو تیار نہ تھی۔

کیری نے اپنی ان نئی ذمّہ واریوں کو اس طرح شروع کیا کہ سب سے پہلے آیندہ فصل کے لئے کارخانہ کی عمارات مکمّل کروائیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اُس نے ان نوّے دیسی لوگوں سے بھی ملاقات کی جو اُس کے ماتحت تھے۔ ان مُلاقاتوں کے نتیجہ کے طور اُس کے دل میں جو اُمنگیں پیدا ہوئیں اُن کا اندازہ اُس کے ایک خط کے مندرجہ ذیل اقتباس سے ہو سکتا ہے:۔

"اس مُلک کے باشندے وعظ کے اچھے سامعین ثابت ہوں گے اور چُونکہ مُجھے دن رات ان ہی سے سابقہ پڑے گا اس لئے خدمت کا دروازہ بھی نہایت کشادہ ہو جائے گا۔ کاش کہ یہ دروازہ صرف کشادہ ہی نہیں بلکہ کارآمد بھی ثابت ہو!"

یہ وُہ زمانہ تھا جبکہ ایسٹ انڈیا کمپنی فقط سوداگروں ہی کی نہیں بلکہ کارخانہ داروں اور سرمایہ داروں کا ایک ادارہ تھی۔ اس کی قدیم اجارہ داریوں میں سے جو سب سے زیادہ مکروہ اجارہ داری تھی وُہ اب تک قائم ہے یعنی افیون کی کاشت، تیاری اور تجارت۔ سرکاری ملازموں کو "ریذیڈنٹ" (RESIDENT) کہا جاتا تھا لیکن ان کی کوئی سیاسی ذمّہ داری نہ تھی اور نہ ہی کسی خراج گذار حاکم کے دربار میں یہ اپنی حکومت کی نمائندگی کرتے تھے جیسا کہ آجکل کے ریذیڈنٹ کرتے ہیں۔ ان کا کام محض یہ تھا کہ محل نما عالیشان "کارخانوں" میں رہتے۔ بڑی بڑی تنخواہیں وصول کرتے اور دیسی اور ولائتی ٹھیکہ داروں کو پیشگی رقم دیتے۔ ٹھیکہ دار کاشت کاروں سے کپڑا بنواتے۔ ریشم کے کیڑے کی پرورش کرواتے اور نیل کی کاشت کرواتے تھے۔ ریذیڈنٹوں کو ذاتی طور پر تجارت کرنے کی اجازت تھی اور اُن میں سے چند خود غرض اس اجازت کا ناجائز استعمال بھی کرتے تھے۔ اس خرابی کو روکنے کے لئے تیس سال پیشتر کلائیو کو بھیجا گیا تھا کیونکہ اس میں نہ صرف کمپنی کا نقصان ہوتا تھا بلکہ رعایا بھی بگڑ رہی تھی۔ مگر کلائیو کے واپس جانے سے پہلے یہ خرابی اتنی وُسعت اختیار کر چکی تھی کہ جج اور پادری تک ان ناجائز

منافعوں میں سے حصّے وصول کرنے لگے تھے۔ بالآخر گورنر جنرل لارڈ کارنوالس (LORD CORNWALLIS) کے وقت میں اس کامیابی سے سدِّباب ہُوا۔

نیل کی کاشت جو اب کیری نے اختیار کی تھی اُس کا یہ طریقہ ہے کہ زمین کو نہایت احتیاط سے تیار کیا جاتا ہے اور اس میں ماہ مارچ میں "نیل" کا پودہ بویا جاتا ہے۔ یہ پانچ فٹ تک لمبا ہوتا ہے اور جولائی کے شروع میں کاٹ لیا جاتا ہے۔ پھر اس کو مٹکوں میں ڈال کر اس حد تک سڑایا جاتا ہے کہ اس میں ایک قسم کی "لاہن" نکل آتی ہے اب اس سڑے ہُوئے مواد کو حوض میں بھر کر اس قدر زور سے ہلایا اور پھینٹا جاتا ہے کہ پانی علیحدہ ہو جائے اور نیل نیچے بیٹھ جائے۔ اس کے بعد اس کو پکایا جاتا ہے اور پھر تلچھٹ کو چھان کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی صورت میں کاٹ لیا جاتا ہے۔ جب یہ اچھی طرح سُوکھ جاتے ہیں تو نیل تیار ہو جاتا ہے۔

شروع سے آخر تک نیل کی کاشت خطرہ ہی میں رہتی ہے۔ بارش کی کمی ہو تو خراب ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر بارش زیادہ ہو جائے تب بھی برباد ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اس کے علاوہ کھیتوں کی صفائی اور نلائی میں بھی نہایت احتیاط کی ضرورت ہے۔ نیل کی تیاری کے دوران میں ہر قدم پر خاص نگرانی نہ کی جائے تو تمام فصل کے تباہ ہو جانے کا امکان ہوتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ تیار شدہ مال کو دساور بھیجنے کے طریقے بھی اگر درست نہ ہوں تو مال خراب ہو جاتا ہے۔

اگر کارخانہ کی اصل لاگت پر گراں سُود کا بار نہ ہو تو تین۳ سال میں ایک ہی اچھی فصل ہو جانے سے تمام سرمایہ وصول ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد اگر ہر دُوسرے سال بھی اچھی فصل ہوتی رہے تو غنیمت ہے۔ اور اگر ہر سال ہی عُمدہ فصل ہو جائے تو کیا کہنا۔

بذاتِ خود کیری نیل کے معمولی کاشت کاروں سے زیادہ سمجھدار اور ایسے کارخانہ کا انتظام کرنے کے لائق تھا کیونکہ وُہ نہ صرف سائنس کا علم رکھتا تھا بلکہ وُہ ہر کام کو دیانتداری سے کرنے کا بھی عادی تھا۔ محنت اور مشقّت سے وُہ کبھی گھبراتا نہ تھا۔ وُہ ہندوستانی فطرت سے بھی بخوبی واقف تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ اُس نے اس مضمون کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اُس نے اپنے اس خاص علم۔ تجربہ اور قابلیّت کو اپنے مالک اُوڈنی صاحب (MR. UDNY) کے کارخانہ کی بہبُودی کے لئے پُوری طرح استعمال میں لانا شروع کر دیا۔

اس زمانہ میں کیری نے جو "ڈائری" مرتّب کی ہے وہ نہایت دلچسپ ہے لیکن طوالت کے خوف سے ہم اُس کے اقتباسات نہیں دے سکتے لیکن ایک خاص واقعہ کی طرف ہم ناظرین کی توجّہ ضرور مبذول کرانا چاہتے ہیں کیونکہ اس واقعہ کا ذکر بیسویں باب میں پھر آئیگا کیری لکھتا ہے:۔

"ایک دن میں اور مسٹر ٹامس سواری کی غرض سے باہر گئے ہوئے تھے کہ ایک درخت پر لٹکی ہوئی ایک ٹوکری نظر پڑی۔ اُس ٹوکری میں ایک ہلاک شدہ معصوم بچّہ کی نعش تھی جس کی کھوپڑی اب تک پڑی تھی لیکن باقی تمام جسم دیمک کی نذر ہو چکا تھا۔"

دختر کُشی کی اس مکروہ اور بھیانک مثال کو دیکھتے ہی کیری نے فیصلہ کر لیا کہ اس سفّاکی کو بند کرنے میں وہ اپنی انتہائی کوشش صرف کر دے گا۔ چنانچہ اس ضمن میں اُس نے جو خدمات انجام دیں اُن کا مفصّل بیان ہم مناسب جگہ کریں گے۔

مدن باٹی میں پہلا سال کیری کے لئے سخت مُصیبت کا سال تھا۔ کارخانہ والوں میں بیماری اس قدر پھیلی کہ کام چلانا مُشکل ہو گیا۔ ستمبر کے مہینہ میں وہ خود بھی سخت بیمار ہو گیا حتّٰی کہ اُس کے بچنے کی کوئی اُمید نہ رہی۔ ایک مرتبہ تو مکمّل چوبیس ۲۴ گھنٹے تک اُس کو ہوش نہ آیا۔ اچانک مسٹر اوڈنی تشریف لے آئے۔ اُن کو معلوم نہ تھا کہ کیری اس قدر بیمار ہے لیکن وہ احتیاطاً اپنے ہمراہ دوا لیتے آئے تھے جس سے کیری کو افاقہ ہو گیا۔

پھر اکتوبر میں دوبارہ اُس کو بُخار آیا جس کی وجہ سے بہت پریشانی اُٹھانی پڑی۔ اسی وقت اُس کا پانچ سال کا بچّہ پیٹر (PETER) بھی بخار اور پیچش میں ایسا مُبتلا ہُوا کہ جانبر نہ ہو سکا۔ یہ والدین کے لئے سخت آزمائش کا مقام تھا کیونکہ جن لوگوں کے درمیان یہ بود و باش رکھتے تھے اُن کے مذہبی قوانین اس امر کی اجازت نہ دیتے تھے کہ مُردہ کو (اور خاص طور پر ایک غیر مذہب والے کی لاش کو) ہاتھ لگائیں۔ لہٰذا ایک شخص بھی ایسا نہ مل سکا جو مرحوم بچّہ کی تجہیز و تکفین میں مدد دیتا۔ اُس کے اپنے ملازم بڑھئیوں نے کفن کا صندوق بنانے سے صاف انکار کر دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ معصوم کی قبر بھی کھودنے کو کوئی تیّار نہ ہوتا تھا۔ بصد مُشکل چار اشخاص نے ہمّت باندھی اور برادری کے قوانین کے برخلاف بستی سے دُور اور مسلمانوں کے قبرستان سے الگ ایک چھوٹی سی قبر کھود دی۔ اس مرحلہ کے طے ہو جانے کے بعد کوئی اس پر رضامند نہ

ہُوا کہ لاش کو کندھا دے کر قبر تک پہنچا دے۔ چنانچہ غم زدہ والدین کو خود ہی اس دل سوز کام کے لئے تیار ہونا پڑا۔ مگر آخری وقت اس دل خراش موقعہ پر اُن کی امداد ایک شُودر اور ایک بھنگی نے کی جو خود مرحُوم کی لاش کو قبر تک لے گئے، اور والدین کو ایک ایسی مجبُوری سے بچا لیا جو غالباً اُن کے لئے زندگی کا سب سے بڑا صدمہ تھا۔

دُوسرے ہی دن گاؤں کے نمبردار نے ان چار آدمیوں کو برادری سے خارج کر دیا جنہوں نے قبر کھودی تھی۔ کیری خود اپنی بیماری کی وجہ سے اس درجہ کمزور ہو چُکا تھا کہ اُس کے لئے دو قدم چلنا بھی محال تھا۔ لیکن اپنے محسنوں کے ساتھ اس قدر بے انصافی وُہ کس طرح خاموشی سے دیکھ لیتا؟ چنانچہ بہ مُشکل تمام وُہ گرتا پڑتا نمبردار کے مکان تک پہنچا اور اُس کو سمجھایا کہ اُن لوگوں کا کوئی قصُور نہ تھا، کیونکہ جو کچھ اُنہوں نے کیا وُہ محض ایک انسانی فرض تھا۔ لیکن جب متعصّب نمبردار اپنی ضد پر قائم رہا تو کیری کو مجبُوراً اپنے دوستوں کے لئے دیناج پور کے انگریز جج کی پناہ حاصل کرنی پڑی۔

بچّہ کی موت ایک ایسا صدمہ تھا جس کی برداشت کرنے کی طاقت ڈوروتھی کیری (DOROTHY CAREY) جیسی نحیف عورت میں نہ تھی۔ وُہ خُود بھی اپنی طویل بیماری کی وجہ سے پریشان رہتی تھی۔ پھر اس پر بچّہ کی وفات اور مندرجہ بالا دلخراش واقعات ایسے حوادث تھے جن کا مجموعی اثر اُس پر یہ ہُوا کہ اُس کا رہا سہا دماغی توازن بھی بگڑ گیا اور وُہ بالکل مخبوط الحواس ہو گئی۔ مالیخولیہ کے مرض نے مستقل صُورت اختیار کر لی اور اس عارضہ سے اُس کو بالآخر موت ہی نے نجات دلائی۔

ہم نے جس قدر بھی مسز کیری کے کیریکٹر کا مطالعہ کیا ہے ہمارا یہ یقین پُختہ ہوتا چلا گیا ہے کہ اُس کو قصُوروار ٹھہرانا نہ صرف غلطی بلکہ سراسر بے انصافی بھی ہے۔ ہم اُن انگریز مُصنّفین کے زاویۂ نگاہ کو سمجھنے سے قاصر ہیں جنہوں نے مندرجہ بالا جگر سوز واقعات کو جانتے ہُوئے بھی مسز کیری کے عارضہ کو ایک ایسے رنگ میں پیش کیا ہے گویا وُہ اُس کا قصُور تھا جس کے واسطے وُہ لعنت اور نفرت کی مستحق ہے۔ مسز کیری دراصل ایک فرشتہ صفت عورت تھی۔ یہ دیگر امر ہے کہ زندگی کے حوادث نے اُس

کو کیا سے کیا بنا دیا ـــــــ لہٰذا ہمیں لازم ہے کہ اس نیک خاتون پر رحم کریں۔ اُس سے ہمدردی کریں اور اُس پر انگشت نمائی کر کے اُس کی بدنامی کرنے سے احتراز کریں۔

یُوں تو غیر اقوام میں انجیل مُقدّس کی تبلیغ کی خاطر ہزاروں مردوں اور عورتوں نے اپنی جان کی قُربانیاں کر دی ہیں لیکن مسز کیری کی یہ قُربانی سب سے پہلی اور سب سے بیش قیمت تھی۔

مخبُوط الحواس مسز کیری نے ٹامس کے پاس ایک قاصد روانہ کیا اور اُس کے ہاتھ ایک خط بھیجا جس میں کیری کے خلاف نہایت عجیب و غریب اتّہامات تحریر تھے۔ حالانکہ اس افسوسناک واقعہ نے کیری کو انتہائی صدمہ پہنچایا لیکن پھر بھی ہم اس معاملہ میں مسز کیری کو قطعی قصُوروار نہیں ٹھہراتے۔ کیونکہ ہم محسُوس کرتے ہیں کہ جس وقت اُس نے یہ خط لکھا اُس وقت مخبُوط الحواس ہونے کی وجہ سے وُہ اپنے قول و فعل کی ذمّہ وار نہ تھی۔

جیسا کہ ذکر ہو چُکا ہے ٹامس ایک ڈاکٹر تھا اور وُہ خُوب جانتا تھا کہ جو کچھ مسز کیری نے کیا ہے وُہ اُس کی دماغی خرابی کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ ٹامس نے مسز کیری کے خط کا جواب اُس کو تو نہ دیا لیکن کیری کو لکھ بھیجا کہ :۔

"آپ اپنی بیوی کے خلل دماغ کو ایک مستقل عارضہ سمجھ لیجئے۔ آپ کی طرف بہت لوگوں کی نگاہیں لگی ہُوئی ہیں اور بہت سے کان آپ کے الفاظ سُننے کے لئے بے تاب رہتے ہیں۔ جو الزامات آپ کی بیوی نے آپ پر لگائے ہیں اُن کے متعلّق یہ دیکھنے اور سُننے والے ہرگز ہرگز آپ کو قصُوروار نہیں ٹھہراتے لیکن اگر اس وقت آپ غضب ناک ہُوئے اور آپ نے اپنے غُصّہ کا اظہار کیا تو یاد رکھیئے کہ اُن لوگوں کے پاس سُننے کے لئے کان ہیں اور ...... آگ کے شُعلے جیسی زبانیں۔ اگر مَیں آپ کی جگہ ہوتا تو شائد مَیں اس معاملہ میں سختی سے کام لیتا لیکن خُدا کا شُکر ہے کہ وُہ ہم کو بوجھ اُٹھانے کے لئے بوجھ ایسے دیتا ہے جن کو ہم اُٹھا سکتے ہیں۔"

"مَیں آپ کے لئے دُعا کرتا ہُوں اور ہمیشہ آپ کو ہمدردی سے یاد رکھتا ہُوں۔ ایُّوب کو یاد کیجئے۔ خُود مسیح کو دیکھئے۔ اور اُن لوگوں کا خیال کیجئے جو بقولِ بائبل

"مارے گوٹے اور سنائے گئے" تھے"

اس افسوسناک واقعہ کی نسبت ۲۸ جون کی "ڈائری" میں کیری کے یہ الفاظ مرقوم ہیں۔
"مجھے اپنے خاندان کی طرف سے سخت پریشانی اور رنج پہنچا لیکن میں کسی پر الزام نہیں لگاتا۔ مجھے اس وقت ایمان اور صبر کی دو چند ضرورت ہے اور میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے یہ نعمتیں مجھے بڑی فیاضی سے عطا کی ہیں"۔

مندرجہ بالا الفاظ مسز کیری کو بدنام کرنے والوں کی زبان بند کر دینے کے لئے کافی ہیں۔ اگر مسز کیری کسی شخص کے لئے تکلیف اور رنج کا باعث ہوئی تو وہ خود کیری تھا۔ لیکن کیری ہی "کسی پر الزام نہیں لگاتا" پھر ہم کون کہ مسز کیری کو اپنے الزامات کا نشانہ بنا کر اُس کے خلاف جذباتِ نفرت و حقارت پیدا کریں۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اس افسوسناک معاملہ میں کیری سے ہمدردی نہیں رکھتے۔ ہم ضرور محسوس کرتے ہیں کہ کیری کے لئے اس کو برداشت کرنا نہایت مشکل تھا۔ لیکن کیری کا کیریکٹر بیناتِ خود ہماری تعریف سے بالاتر ہے اور وہ ہماری ہمدردی کا محتاج نہیں ہماری ہمدردی دراصل مسز کیری کے ساتھ ہے کیونکہ اُس کے ساتھ اتنے عرصہ تک جو بے انصافی کی گئی وہ قطعی بے معنی تھی۔ جب کہ دماغی توازن خراب ہونے کے سبب وہ اپنے فعل کی نوعیت ہی کو نہ سمجھ سکتی تھی پھر اس قسم کی ذمہ داری اُس پر کیونکر عائد ہو سکتی ہے؟ ان تمام حالات کے پیشِ نظر ہم مسز کیری کا احترام کرتے ہیں اور اس معاملہ کو صاف کر کے ڈیڑھ سو سال بعد ہم اُس سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ جذباتِ تشکر کے ساتھ ہم اعتراف کرتے ہیں کہ مسز کیری کی یہ قربانی ہمارے وطن کی خاطر تھی۔

جس وقت کیری ان مصائب کا مقابلہ کر رہا تھا اُس وقت اُس نے اپنی ہمشیرہ کو ایک طویل خط لکھا جس میں اُس نے اپنے کام کرنے کے طریقہ کو اس طرح بیان کیا ہے:-

۱۱-مارچ - ہمارے قریب پندرہ یا سولہ ایسے اشخاص ہیں جو دینِ حق کے متلاشی معلوم ہوتے ہیں - یہ تمام یورپین ہیں -
مجھے دیسی لوگوں سے ملاقات کرنے کے بہت سے اتفاقات ہوئے ہیں کیونکہ ۲۰ میل کے دائرہ کے تمام کاشتکار ہمارے کارخانہ کے لئے نیل کی کاشت

کرتے ہیں - پھر کارخانہ میں بھی تقریباً پانچ سو[۵] مزدور کام کرتے ہیں - لہٰذا ان کے درمیان انجیل کی خوش خبری سنانے کے بہت سے مواقع ملتے رہتے ہیں -
اب مجھے بنگالی زبان پر اتنا عبور حاصل ہو گیا ہے کہ تقریباً آدھ گھنٹے تک وعظ کہہ سکتا ہوں - لیکن ابھی تک اپنے مضامین میں تفوّق پیدا نہیں کر سکتا - میں ان کو یہ بتایا کرتا ہوں کہ گناہ ایک بُری چیز ہے لیکن یہ عالمگیر بھی ہے - میں ان کے درمیان انسان کی گناہ کرنے کی فطرت - خدا کا انصاف - مسیح کا تجسّم - اور ہماری خاطر اُس کے دُکھ سہنے کا ذکر کرتا ہوں - اُن کو راہِ حق پر آنے کی تلقین کرتا ہوں - اور نجات حاصل کرنے کے لئے ایمان لانے اور راستبازی سے زندگی بسر کرنے کی ترغیب دیتا ہوں - عام طور پر یہ لوگ کان لگا کر سنتے ہیں اور چند اشخاص خدا کی باتوں کے متعلّق تعلیم حاصل کرنے بھی آتے ہیں -
میں نے اپنی خدمت کے لئے جو حلقہ مقرر کیا ہے وہ تقریباً بیس[۲۰] مربع میل ہے - میں دیہات میں جا کر انجیل کی اشاعت کرتا ہوں - اس علاقہ میں تقریباً دو سو[۲۰۰] دیہات ہیں جن کے باشندے وقتاً فوقتاً میرے کلام کو سنتے ہیں سفر کے واسطے میں نے دو[۲] کشتیاں رکھ چھوڑی ہیں - ایک میں خود رہتا ہوں اور دوسری میں کھانا وغیرہ پکایا جاتا ہے - میرا تمام سامان میرے ساتھ رہتا ہے جو سامان خورد و نوش کے علاوہ ایک کرسی - ایک میز - ایک چارپائی اور ایک بتّی پر مشتمل ہے - ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کا سفر تو پیدل ہی کرتا ہوں لیکن سونے اور کھانے کے لئے اپنی کشتی پر واپس آجاتا ہوں - اس علاقہ میں کئی ندیاں ہیں جن کی وجہ سے سفر بہت آسان ہوتا ہے "
مدن باٹی میں نیل کی کاشت کرتے وقت کیری نے اپنی دینی خدمات کی طرف اپنا تمام فرصت کا وقت صرف کر دیا - ان خدمات کا بھی بیان اسی جگہ کر دینا مناسب ہے -
کیری کے ہاتھوں مسیحی ہونے والا پہلا شخص پرتگالی نسل کا اگنیشس فرنینڈیز (IGNATIUS FERNANDEZ) تھا - یہ شخص داناپور میں موم بتیوں کی تجارت کر کے ایک متموّل سوداگر بن گیا تھا - اس نے اپنے مکان کے قریب کلکتہ شہر کے باہر ایک گرجا گھر

بنوایا جو ہندوستان کا پہلا پروٹسٹنٹ (PROTESTANT) عبادت خانہ تھا۔ یہ ۱۷۹۷ء کا ذکر ہے۔ ٹامس فاؤنٹین (FOUNTAIN) کیری کی عدم موجودگی میں یہی شخص بزبان انگریزی و بنگالی اس گرجاگھر میں عبادت کراتا تھا۔ اسی کے مکان میں فاؤنٹین اور ٹامس نے وفات پائی جو فرینڈیز کی وفات سے چار سال پیشتر ہوئی اور وفات سے پہلے فرینڈیز اپنی تمام جائداد مشن کے نام وقف کر گیا۔

کیری روزانہ منادی کے ساتھ ساتھ منشیوں سے بنگالی زبان میں گفتگو کیا کرتا تھا۔ اس کے پہلو بہ پہلو اُس نے کتابِ مقدّس کے ترجمہ کے کام کو بھی جاری رکھا۔ جب ایک جز تیار ہو جاتا تو بہ اُس کو سینکڑوں لوگوں کی جماعت کے رُوبرُو اس ترجمہ کو جانچ پڑتال کے خیال سے پڑھتا۔ ترجمہ کے اس کام میں کیری کو سب سے بڑی دِقّت یہ پیش آتی تھی کہ ابھی تک بنگالی زبان کوئی ادبی حیثیت نہ رکھتی تھی لہٰذا اُس کو الفاظ و محاورات کے انتخاب میں بہت محتاط رہنا پڑتا تھا۔ بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ اُس کو نہ صرف ترجمہ ہی کرنا پڑتا تھا بلکہ ساتھ ہی ساتھ بنگالی زبان کو بھی ایک ادبی شکل دینی پڑتی تھی۔ پھر بنگالی زبان میں ایسے الفاظ بہت مُشکل ہی سے ملتے تھے جو عبرانی اور یُونانی زبانوں کے اعلےٰ خیالات کو جو علمِ الٰہی کے لئے ضروری تھے صحیح طور پر ادا کر سکتے تھے۔ ہلکے الفاظ اور بازاری محاورات کی کوئی کمی نہ تھی لیکن ان کو انجیل مُقدّس میں استعمال کرنا ہرگز مناسب نہ تھا۔

یُوں تو کیری نے مختلف ذرائع سے خدمات کی ہیں لیکن اُس کی تمام مجموعی خدمات سے بلند اور اعلےٰ خدمت ہندوستان کی زبانوں میں کتابِ مُقدّس کے تراجم کا کام تھا۔ جب وُہ اس ترجمہ میں مصروف ہوتا تھا تو اُس کے انہماک کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ وُہ دُنیا و مافیہا سے قطعی بے خبر ہو جاتا تھا۔ اس کا ذکر کیری نے ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"جن دُشواریوں سے ہم ——— اور خاص کر میں ——— کام کرتا ہوں ان میں سے چند ایک کا ذکر کرنا ہے۔ اس علاقہ کے لوگ جو زبان بولتے ہیں وُہ بنگالی تو ضرور ہے لیکن اصل بنگالی زبان سے بالکل مختلف ہے۔ مثلاً میں کافی آزادی کے ساتھ ایک گھنٹہ تک تقریر کر لیتا ہوں اور جو لوگ بنگالی لکھنا اور پڑھنا جانتے ہیں وُہ سب میری تقریر کو بخُوبی سمجھ سکتے ہیں لیکن غریب ناخواندہ لوگ ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکتے۔ بنگالی زبان وسیع اور پُرمعنی ہے۔ اس کا لب و لہجہ خوبصورت

لیکن اس کے باوجود مذہبی امور و تصورات کے اظہار کے لئے اس زبان میں الفاظ کا ذخیرہ بہت کم ہے۔ یہ لوگ محض اپنی زندگی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے تھوڑے سے چاول مہیّا کرنا یا ظالم تاجروں اور زمینداروں کو دھوکہ دینا ہی جانتے ہیں۔ ان کے پاس 'محبّت' کے لئے کوئی لفظ نہیں اور نہ ہی 'توبہ' کے واسطے۔ اسی طرح کے اور بہت سے خیالات ہیں جن کا اظہار یا تو اشاروں کے ذریعہ کیا جاتا ہے ورنہ کسی نرالے محاورہ یا ثقیل جملہ کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اگر کوئی دلیسی آدمی بھی اس زبان کو سیکھے تو کم از کم ایک سال کی محنت کے بعد وہ ان اشارات و محاورات کو سمجھ سکے گا۔

ان دِقّتوں کی وجہ سے کبھی کبھی میری ہمّت بہت پست ہوتی ہے لیکن خداوند کی حمد ہو کیونکہ میری خواہش بڑھتی چلی جاتی ہے کہ میں خدا کے کام کو کثرت سے انجام دوں۔ مجھے یقین ہے کہ خداوند کی جو خدمت میں کر رہا ہوں وہ کبھی رائیگاں نہیں جا سکتی.......... اگر داؤد کی طرح مجھے فقط یہ شرف حاصل ہو جائے کہ میں صرف سامان جمع کر دوں تاکہ اُس سامان سے دوسرے خداوند کی ہیکل تعمیر کریں تو اس سے میری خوشی کم نہ ہوگی۔"

مندرجہ بالا خط کیری نے اپنے دوست پیئرس (PEARCE) کو لکھا تھا۔ کیری کی بڑی آرزو تھی کہ پیئرس اُس کے پاس مدنؔ باٹی آ جائے۔

بنگالی زبان سنسکرت کی ایک شاخ ہے اور کیری نے محسوس کر لیا کہ سنسکرت کے بغیر وہ بنگالی پر عبور حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہی عام بولی کو ایسے الفاظ سے مزیّن کر سکتا ہے جو کلام کے ترجمہ میں ہونے ضرور ہیں۔ ہر کام میں پھرتی اور سرگرمی کا تو وہ عادی تھا ہی اس لئے اپریل ۱۷۹۶ء میں اُس نے آریّن قوم کی مادری زبان اس قدر سیکھ لی کہ ایک عالم کے انداز میں وہ رائیلینڈ (RYLAND) کو یہ خط لکھنے کے لائق ہو گیا۔

"مَیں نے رامائن کا بہت کافی حصّہ پڑھ لیا ہے۔ یہ نہایت شُستہ زبان میں لکھا ہُوا رزمیہ کلام ہے اور ہومر (HOMER) کے کلام کی برابری کرتا ہے۔ اُس کی "اِلیڈ" (ILIAD) کی طرح اس کو بھی انسانی فکر و عقل کا ایک شاہکار مانا گیا ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ دُنیا کی قدیم ترین کتابوں میں سے ہے۔ مگر افسوس کہ لاکھوں نبی

نوع انسان اس کو اپنے ایمان کی بنیاد بنائے ہوئے ہیں۔ اس لئے اس کو مَیں سخت نفرت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔"

۱۸۹۸ء کے شروع میں اُس نے سٹکلف (SUTCLIFF) کو لکھا:۔

"مَیں سنسکرت زبان سیکھ رہا ہوں جو۔۔۔۔۔۔۔۔ شاید دُنیا کی سب سے مشکل زبان ہے۔ اس کو سیکھنے کی غرض سے مَیں سنسکرت کی گرامر اور ڈکشنری کے ترجموں کو انگریزی میں تقریباً مکمل کر چکا ہوں اور ایک ایسی ڈکشنری کی ترتیب کا کام بھی کافی ترقی پا چکا ہے جس میں کہ سنسکرت کے الفاظ کا ترجمہ بنگالی اور انگریزی زبانوں میں ہوگا۔"

اسی سال اُس نے اپنے پہلے بائبل کے ترجمہ کو بھی تقریباً مکمل کر لیا تھا۔ صرف یشوع کی کتاب سے ایوب کی کتاب تک کے تاریخی حصے باقی تھے۔ نئے عہد نامہ کے ترجمہ کی چھپائی کا تخمینہ لینے وہ کلکتہ بھی آیا ہوا تھا۔ اس ترجمہ کے متعلق اُس نے فُلر (FULLER) کو لکھا:۔

"اس کی ایک نظرثانی تو ہو چکی ہے لیکن کئی بار نظرثانی اور کرنی ہوگی۔ مَیں نے فقط اس کام کے لئے ایک پنڈت کو ملازم رکھ لیا ہے۔ اس کے ساتھ مل کر مَیں خود حتی الامکان نظرثانی کرتا ہوں۔ وہ محاورات اور صرف و نحو کی خامیوں کو درست کرتا رہتا ہے اور مَیں خیالات کے صحیح مفہوم اور ترجمہ کی صحت و صداقت پر نظر رکھتا ہوں۔ لیکن مَیں نے کئی ایک باب ایسے بھی ترجمہ کئے ہیں جن میں اُس کو ترکیب تبدیل کرنے کی ضرورت نہ ہوئی۔ تاہم مَیں اس کے متعلق فیصلہ ہمیشہ اُسی پر چھوڑتا ہوں۔ پھر جب وہ پڑھتا ہے تو اُس کے لہجہ اور مناسب الفاظ پر زور دینے یا نہ دینے سے مَیں یہ بھی اندازہ لگاتا ہوں کہ وہ جو کچھ پڑھتا ہے اُس کو سمجھتا بھی ہے یا نہیں۔ اگر وہ اس میں کوئی غلطی کرتا ہے تو مَیں فوراً ترجمہ پر شک کرتا ہوں۔ معمولی پڑھنے والے کے لئے یہ آسان نہیں کہ بنگالی پڑھتے وقت مناسب الفاظ پر زور ڈالے کیونکہ اس زبان میں اعراب قطعی نہیں ہیں۔ اب چھپائی کے طریقہ کا دارومدار سوسائٹی پر ہے۔ یعنی آیا چھاپنے کی مشین وغیرہ انگلستان سے آئے گی۔ یا یہ یہیں چھپوائی جائے گی اور آیا یہ کہ اس کو چھپوایا بھی جائے گا یا نہیں۔"

قلر اس معاملہ میں اُس کی ہر ممکن مدد کرنے کو تیار تھا۔ لیکن کیری کو صبر کہاں؟ کلکتہ میں کہیں اُس نے کسی لکڑی کے ایک پُرانے پریس کی فروختگی کا اشتہار دیکھ لیا اور اپنے دوست مسٹر اوڈنی کو اس پر رضامند کر لیا کہ اس کو چھیالیس ۴۶ پونڈ میں خرید کر مشن کو لبطور عطیہ دے دیں۔ اتوار کے دن یہ مشین پہنچی اور اُسی دن اُنھوں نے مشین کے ملنے پر حمد و ثنا کے بعد خدا کی شکرگذاری کی۔ جب اس پریس کو مدن باٹی کے مشن کے مکان میں نصب کیا گیا اور کیری نے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ کیا ہے اور کیونکر استعمال ہوتا ہے تو ان جاہلوں کی سمجھ میں ماسوا اس کے اور کچھ نہ آیا کہ یہ بھی انگریزوں کے کسی دیوتا کا بُت ہے جس کی آمد اور "سنبھالنا" (نصب) کرنے پر وہ اس قدر مسرور و شادمان نظر آتے ہیں۔

کیری اور ٹامس بائبل کی چھپائی کا کام کس طریقہ پر اور کن ذرائع سے کرنا چاہتے تھے اس کا اندازہ کیری کے خط کے مندرجہ ذیل اقتباس سے ہوتا ہے۔ یہ خط کیری نے ٹامس کے صلاح و مشورہ سے مدن باٹی سے ۲۷ جنوری ۱۷۹۵ء کو لکھا تھا:۔

"ہم نے یہ بھی ارادہ کیا ہے کہ سوسائٹی سے درخواست کریں کہ ہم کو ٹائپ وغیرہ کے لئے کچھ روپیہ دے تاکہ ہم بنگالی بائبل چھاپ سکیں۔ اس روپیہ کو ہم پر ایک قرض تصوّر کیا جائے جس کو ہم ایک سال کے اندر ادا کر دیں گے۔ اس کے علاوہ انگلستان سے ایک چھاپنے کی مشین بھی روانہ کرنی ہوگی۔ اگر خدا نے ہم کو زندگی عطا کی تو ہم اس کی قیمت بھی ادا کر دیں گے اور بائبل کو بھی اپنے خرچ پر چھاپ سکیں گے۔ پھر ان چھپی ہوئی جلدوں کو اگر سوسائٹی نے خرید لیا تو سوسائٹی ہی ہماری قرضدار ہو جائے گی۔ اس وقت مسٹر ٹامس نمونہ کے حرف وغیرہ تیار کر رہے ہیں جو غالباً اسی جہاز پر روانہ کر دئے جائیں گے۔"

ہرچند کہ نیل کی کاشت کیری کی توجہ کا مرکز تھی لیکن بائبل کے ترجمہ اور چھپائی کے انتظامات کی جو لو اُسے لگی ہوئی تھی وہ بھی اپنی جگہ کم نہ تھی۔ اور پھر وہ اپنی توجہ صرف کاشت کاری اور ترجمہ تک ہی محدود نہ رکھتا تھا بلکہ اُس کو تعلیمی کام میں بھی دلچسپی تھی۔ چنانچہ جس خط کا اقتباس ابھی دیا گیا ہے اُسی میں مندرجہ ذیل عبارت بھی ہمیں ملتی ہے:۔

"ٹامس کے اور میرے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار ہیں۔ ہم دونوں نے ایک تجویز پر اتفاق کیا ہے کہ ہم دو کالج قائم کریں۔ ایک میرے مکان پر اور دوسرا ٹامس کے مکان پر۔ ان میں ہم بارہ بارہ لڑکوں کو تعلیم دیں گے یعنی ہر دو جگہ چھ چھ ہندو اور چھ چھ مسلمان طلبا کو ان تمام کی نگرانی ایک پنڈت کرے گا اور ان کو سنسکرت بنگالی اور فارسی کی تعلیم دی جائے گی۔ نصاب میں بائیبل بھی شامل ہوگی اور تھوڑا بہت فلسفہ اور جغرافیہ۔ تعلیم کی مدت سات سال ہوگی جس عرصہ میں ہم ان کی خوراک۔ پوشاک۔ اور رہائش وغیرہ کے ذمہ دار ہوں گے۔ اب اس کام کے لئے موزوں لڑکوں کی جستجو ہے۔"

اور پھر اسی سال کے اندر وہ اس مدرسہ کی ترقی کی نسبت لکھتا ہے کہ اس میں چالیس طالب علم ہیں اور کہتا ہے کہ:۔

"اگر ہم خرچ برداشت کر سکتے ہیں تو اس سے بھی زیادہ ترقی پا چکے ہوتے لیکن طالب علموں میں سے چند بچے یتیم ہیں جن کے تمام اخراجات کی کفالت ہمارے ذمہ ہے۔ اس لئے ہم اخراجات کو زیادہ نہیں بڑھا سکتے .... اب لڑکوں نے پڑھنا لکھنا سیکھ لیا ہے اور خاص طور پر بائبل کے حصص پڑھنا۔ اس کے علاوہ حساب کتاب رکھنا بھی سیکھ گئے ہیں۔ اس لئے اب شائد ہم کوئی اور شعبۂ تعلیم بھی اپنے تعلیمی سلسلہ میں شامل کر سکتے ہیں ....

... میں امید کرتا ہوں کہ ان مدارس کے ذریعہ اس بڑھتی ہوئی نسل میں مزید علم حاصل کرنے کی ایک خواہش پیدا ہو جائے گی۔ یہ ایک ایسی صفت ہے جو بنگالیوں میں عموماً نہیں پائی جاتی۔"

کیری کو یقین تھا کہ کوئی مشن کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس میں ایک طبی شاخ نہ ہو۔ لہٰذا اپنی مشن کو مکمل کرنے کی غرض سے اس نے اس جانب بھی توجہ مبذول کی چنانچہ یہ الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

"میں سوسائٹی سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ واجب نہیں ہے کہ ہم کو ادویات مفت پہنچائی جائیں۔ ہم ان کو فروخت نہیں کریں گے۔ سردست ان کی قیمت ادا کرنا ہماری ذاتی آمدنی پر ایک زبردست بار ہے۔ جہاز 'ارل ہاؤ' (EARL)

(HOWE) پر جو دوائیں بھیجی گئیں اُن پر تینتیس فی صدی محصول ادا کرنے کے علاوہ ان کی ۳۵ پونڈ قیمت مجھے خود برداشت کرنی پڑی۔ حالانکہ یہ تمام دوائیں یا تو غریبوں کے کام آئیں گی یا ہمسایوں کو حسب ضرورت دی جائیں گی۔ کبھی کبھی ہمارے پڑوسی بھی ہم کو دوائیں دے دیتے ہیں۔

ہم طبی امداد سے بہت دور ہیں۔ اور دواؤں کی قیمت ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ ہمارے آس پاس ہزاروں مفلس اور تنگدست بیمار رہتے ہیں جو ہم سے مدد کی امید رکھتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہم ہرگز ایک پیسے کی دوا بھی قیمت لے کر نہیں دے سکتے۔ بھائی ٹامس نے کئی جانوں کو بچایا ہے۔ ان کے گھر میں ہر وقت بیمار لوگ پڑے رہتے ہیں اور وہ اس خوبی سے ان کا علاج کرتے ہیں کہ اگر یورپ میں کام کرتے تو کافی شہرت حاصل کر لیتے۔ لہٰذا ہم کو ہر سال کم از کم ایک ہنڈرڈ ویٹ چھال ضرور ملنی چاہیئے۔"

اس طرح کیری نے ایک مکمل مشن قائم کر لی۔ کیری بیک وقت ایک پادری بھی تھا اور واعظ بھی، معلم بھی تھا اور عالم بھی۔ سائنس دان بھی تھا اور پرنٹر بھی اور ساتھ ہی کاشت کاری کا دلدادہ بھی تھا۔ اُس کا ساتھی ایک ڈاکٹر تھا جو سولہ[16] میل کے فاصلہ پر رہتا تھا۔ ان دونوں مرکزوں پر بہت سے متلاشی جمع ہونے لگے۔ ان میں کاشتکار سے لے کر سرکاری سول اور فوجی افسران تک ہوتے تھے۔ ان سب کی خدمت کیری نے کی۔

آخرکار لارڈ مورننگٹن (LORD MORNINGTON) گورنر جنرل مقرر ہوئے تاریخ ہند میں آپ لارڈ ویلزلی (LORD WELLESLEY) کے نام سے مشہور ہیں۔ قلر نے کیری کے ایک قدیم دوست مسٹر کننگھم (MR. CUNNINGHAM) نامی کے کہنے پر کیری کو صلاح دی کہ گورنر جنرل سے ملاقات کرنے کی کوشش کرے۔ اس پر کیری تیار تو ہو گیا لیکن اُس نے یہ جواب بھی لکھ بھیجا۔

"میں آپ پر یہ امر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم ہرگز اپنے آپ کو پوشیدہ نہ رکھیں گے، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہم مجسٹریٹوں اور ججوں کے سامنے وعظ کہتے ہیں اور اگر میں لارڈ مورننگٹن کے رُوبرُو ہُوا تو میں ضرور اُن پر اس حقیقت کا انکشاف کر دوں گا کہ میں غیر مذہب والوں کے درمیان مسیحیت کا مبشر اور مبلغ

ہُوں لیکن گورنر جنرل کے حضور اِس حیثیت سے حاضر نہیں ہُوا ہُوں"۔

مئی ۱۷۹۹ء میں کیری کو مندرجہ ذیل خط مِلا:۔

شائد آپ کو یاد نہ ہوگا کہ کبھی آپ کی ملاقات ایک نوجوان شخص سے ہُوئی تھی جو چھپائی کا کام کرتا تھا۔ اتوار کے دن آپ اپنے مجوّزہ سفر ہندوستان کے متعلق گُفتگو کرتے ہُوئے رپنز چیپل (RIPPON'S CHAPEL) سے اُس کے ساتھ نکلے اور کچھ دُور تک اسی موضوع پر بات چیت کرتے رہے۔ وُہ شخص آپ سے ملاقات کرنے کو آرہا ہے اور وُہی یہ خط تحریر کر رہا ہے۔ ۱۶ تاریخ کو سوسائٹی نے اُس کی خدمات منظور کر لی ہیں۔ اُس دن کا اجلاس نہایت اطمینان بخش تھا۔ تبلیغ کا شوق کامل عرُوج پر تھا۔ پیئرس نے تمام سامعین کے اندر ایک آگ کا سا جوش پیدا کر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر مشنریوں کی ضرورت لاحق ہوتی تو اُسی اجلاس کے حاضرین میں سے ایک جہاز پُر ہو جاتا۔ مَیں اُمید کرتا ہُوں کہ دیگر ہمراہیوں کے ساتھ میں آیندہ موسم بہار میں سفر شرُوع کر دُوں گا۔ میری دلی خواہش ہے کہ آپ کے ساتھ زندگی بسر کرُوں اور آپ ہی کی قُربت میں مر جاؤں۔ مَیں چاہتا ہُوں کہ آپ کے ہمراہ نہ صرف اپنا وقت صرف کرُوں بلکہ آپ کی خدمت میں خود کو فنا کر دُوں۔

مجھے اُمید ہے کہ سفر کے دوران میں آپ کی دُعائے خیر میرے شاملِ حال رہیگی۔ اور آپ سے شرفِ ملاقات حاصل کرنے پر میری رُوح کو تازگی نصیب ہوگی۔ کاش کہ خُدا مجھے اِس عظیم خدمت کے لئے تازیست وفا شعار رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ کا نیاز کیش

ولیم وارڈ"

مندرجہ بالا خط کیری کو مئی ۱۷۹۹ء میں ملا۔ اُسی ماہ مسٹر اوڈنی نے محسُوس کر لیا کہ اُن کی نیل کی کاشت ناکامیاب ثابت ہُوئی۔ بدیں وجہ اُنہوں نے اُس کو چھوڑ کر انگلستان واپس جانے کا قصد کر لیا۔ ٹامس پہلے ہی سے کارخانہ کی ملازمت ترک کر چکا تھا اور وُہ کیری کو ترغیب دے رہا تھا کہ شکر سازی کا تجربہ کرے۔ لیکن اُس زمانہ میں کھانڈ تیار کرتے وقت ایک قسم کی شراب پیدا ہوتی تھی جس کو عوام نشہ کے واسطے استعمال کرتے تھے۔

اگر اس شراب کو برباد کر دیا جاتا تو شکر سازی میں کوئی منافع نہ تھا لہٰذا کارخانہ دار کو مے فروش بھی بننا ہی پڑتا تھا۔ کیری کام کو کرنے کے لئے بالکل تیار نہ تھا اس لئے اُس نے ٹامس کی صلاح نہ مانی بلکہ مسٹر اوڈنی کا نیل کا کارخانہ خود خرید لیا کیونکہ اس میں جو "شراب" تیار کئے جانے کا ذکر کیا گیا ہے وہ دراصل کوئی منشی شئے نہ تھی اور نہ ہی اس کو انسانوں کے استعمال میں لایا جاتا تھا۔

یہاں کیری نے نئے مشنریوں کی آمد کا انتظار شروع کر دیا اور انتظام کیا کہ ایک ایسی خود کفیل مشنری نوآبادی قائم ہو جائے جس کا ذکر اُس نے اپنے مضمون "انکوائری" (ENQUIRY) میں کیا تھا۔

نئے مشنریوں میں سب سے پہلے جان فاؤنٹین آئے۔ لیکن اپنے سیاسی خیالات کی وجہ سے یہ مشن کے لئے اُتنے ہی زیادہ خطرناک ثابت ہوئے، جتنا ٹامس اپنے قرض کی وجہ سے تھا۔ کیری کا ارادہ تھا کہ بھوٹیا قوم میں ایک مشن قائم کر کے فاؤنٹین کو وہاں تعینات کر دے تاکہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے دائرۂ اقتدار سے باہر رہے۔ لیکن سرکار نے اُس کو وہاں تک جانے کے لئے لائسنس دینے سے انکار کر دیا۔

اب کیری کے سامنے یہ مشکلات تھیں۔ کیا سرکار دوسرے مشنریوں کو اُس کے ساتھ رہنے کی اجازت دے گی یا نہیں؟ اور پھر کیا خود کیری کے پانچ سال کے لائسنس کی توسیع کی جائے گی یا نہیں؟ مؤخر الذکر رعایت مل جانے کی اُمید تھی کیونکہ وہ اب نیل کے کارخانہ کا مالک تھا اور "کاشت کار" کی حیثیت سے مملکتِ انگلشیہ میں سکونت پذیر ہو سکتا تھا۔ لیکن اگر وہ دنیوی کاروبار کو ترک کر دے اور فقط ایک "مشنری" کی حیثیت سے رہنا چاہے تاکہ اپنا تمام وقت تبلیغ میں صرف کر سکے تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟

کیری اور اُس کے ہم خدمتوں نے رائے عامہ کو منعطف کرنے کا کام شروع کیا تھا۔ یہ کام مشکل تھا اور اُن کو جو دشواریاں پیش آئیں اُن کا کچھ ذکر تو ہم کر چکے ہیں، لیکن ان کو ابھی اور بھی مشکلات کا مقابلہ کرنا تھا کیونکہ جب تک عوام ان کے ہم خیال نہیں ہوئے تب تک ہندوستان میں مشنریوں کو ستانے کا سلسلہ متواتر جاری رہا۔ مبلغین کے لئے ہر قدم پر خطرات کا سامنا تھا۔ مگر خدا اپنے خادموں کی حفاظت پر قادر ہے۔ اُس نے اپنے ان بندوں کے لئے ایک ایسا انتظام کیا جو ان کو ستانے والی دنیوی عملداری

کی دسترس سے باہر تھا۔

دسواں باب

کیری کی نئی صلیبی جنگ

کیری کے ہندوستان آنے کے زمانہ میں جہاز نہایت سست رفتار ہوتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وسط انگلستان کے جو لوگ کیری اور ٹامس کے حق میں دعائے خیر کر رہے تھے اُن کو چودہ ۱۴ ماہ تک اپنے غریب الوطن دوستوں کی کوئی خبر نہ مل سکی۔ ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ان دونوں نے ڈنمارک (DENMARK) کے ایک جہاز پر ہندوستان کا سفر کیا تھا۔ اس جہاز کے ہمراہ چند محافظ جنگی جہاز بھی چلے تھے۔ جوان کو فرانس (FRANCE) کی حدود تک چھوڑ کر انگلستان واپس چلے گئے تھے۔ ان محافظ جہازوں کے ذریعہ بھی انگلستان والوں کو مشنریوں کا کوئی خط نہ ملا۔

بالآخر ۲۹ جولائی ۱۷۹۳ء کو فلر (FULLER)۔ پیرس (PEARCE) اور رائیلینڈ (RYLAND) کو کیری کے سفر کے حالات معلوم ہوئے۔ ان خطوط میں بالاسور۔ کلکتہ۔ بانڈیل۔ اور ندیا کے تجربات کا بھی تذکرہ تھا۔ تقریباً ان ہی دنوں میں کیری کو بھی ہندوستان میں خبر ملی کہ سوسائٹی کی مالی حالت بد سے بدتر ہو چلی ہے۔

مشنریوں کے خطوط ملتے ہی کمیٹی کا فوری اجلاس طلب کیا گیا۔ اور کمیٹی کی طرف سے مندرجہ ذیل خط مشنریوں کو تحریر کیا گیا:۔

"ہم اُس خدائے لازوال کی حمد و تمجید کرتے ہیں جس کا رحم و کرم ابد تک قائم ہے اُس نے تم کو بحری سفر کے خطرات سے محفوظ رکھا اور ہر قدم پر تمہیں کامیابی اور ظفر مندی عطا فرمائی۔ جب ہم نے تمہارے بیانات کو پڑھا تو ہمارے دل سے بھی وُہی جذبات پیدا ہوئے جن کا ذکر نبی نے کیا ہے کہ "تیرا دل اُچھلے گا اور کُشادہ ہو گا"۔ زبانیں سیکھنے۔ ترجمے کرنے اور ان تمام دیگر محبت کی کاوشوں کے لئے جو تم برداشت کر رہے ہو ہم تم لوگوں کو مبارکباد پیش کرتے ہیں اور نہایت

مُسرت کے ساتھ اس فیصلہ کو تمہاری عقل، دیانت داری اور دانشمندی پر چھوڑتے ہیں کہ تم کہاں خدمت کروگے اور اُس کو کامیاب بنانے کے لئے کیا کیا ذرائع اختیار کروگے۔ تاہم ہمارے نقطۂ نظر سے جو مقام زیادہ اہمیت رکھتا ہے وہ ندیا ہے۔ لیکن تم کو اُسی مقام پر پہنچنا چاہیئے جہاں خُداوند تمہارے لئے کامیابی کے دروازے کھول دے۔"

نکتہ چینی کا مرض ابتدائے آفرینش سے چلا آیا ہے۔ چنانچہ جب لوگوں کو معلوم ہُوا کہ مشنری نیل کی کاشت کرنے لگے ہیں تو چند پست حوصلہ ممبران کمیٹی کی تحریک پر انہوں نے کیری کو ان دُنیوی آزمائشوں سے احتراز کرنے کی ہدایت کی۔ لیکن کیری نے ان کو ایک نرم سا جواب لکھ کر خاموش کر دیا۔

کیری کا اصُول ہمیشہ یہ رہا کہ تمام مشنریوں کا خرچ ایک ہی خزانہ سے ادا کیا جائے اور اپنی ذاتی ضرُوریات کے لئے کوئی مشنری کبھی روپیہ جمع نہ کرے۔ اُس کی نیل کی کاشت پر اعتراض کرنے والوں کو چاہیئے تھا کہ وُہ اس امر کو یاد رکھتے کہ کیری نے اس دُنیوی کام کو شرُوع کرتے ہی سوسائٹی سے تنخواہ وصُول کرنا بند کر دیا تھا اور اس طرح اپنی دیانت داری کا ثبوت دے دیا تھا۔ اُس نے اگر نیل کی کاشت شرُوع کی تو محض اس واسطے کہ جو روپیہ سوسائٹی اُس پر خرچ کرتی ہے اُس سے افریقہ اور ایشیا میں اور مشنری بھیجے جا سکیں نہ کہ اس لئے کہ وُہ اس کاشت کے ذریعہ روپیہ جمع کر کے عیش و عشرت میں زندگی بسر کرے۔ کہا جاتا ہے کہ کمیٹی کے جس اجلاس میں یہ فیصلہ ہُوا کہ کیری کو اس مضموُن کا خط لکھا جائے اُس میں فُلر حاضر نہ تھا۔ اگر وُہ ہوتا تو شاید یہ نوبت نہ آتی کیونکہ جب تک فُلر سیکریٹری رہا کمیٹی اور کیری کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار رہے اور کبھی کوئی رنجیدہ واقع پیش نہ آیا۔

۱۷۹۴ء کے اختتام پر فُلر اور اُس کے ساتھیوں نے اپنے کام کی رپورٹوں کے سِلسِلہ کا پہلا نمبر شائع کیا۔ ان رپورٹوں کا اصل نام بہُت طویل ہے یعنی "periodical Accounts relative to a Society formed among the particular Baptists for propagating the Gospel among the Heathen" لہٰذا موجُودہ کتاب میں ہم اس کو "رپورٹ"

ہی کے نام سے موسوم کریں گے۔ رپورٹوں کے اس پہلے نمبر میں سوسائٹی کے قیام کا ذکر تھا اور ۱۵ فروری ۱۷۹۴ء تک کے کیری کے وہ تمام خطوط بھی شامل تھے جو اُس نے ستمبر سے تحریر کئے تھے۔ ۱۸۰۰ء تک ایسی ہی چھ رپورٹیں یکے بعد دیگرے شائع ہوئیں۔

ہم شروع ہی میں کہہ چکے ہیں کہ مسیحی دین کی تبلیغ کی غرض سے غیر ممالک میں جانے والے لاکھوں مبلغین کی رہبری ولیم کیری نے کی۔ اس دعوے کے ثبوت میں ہم مندرجۂ ذیل واقعات پیش کرنا چاہتے ہیں جن سے معلوم ہو جائے گا کہ کیری کی تحریک کا کیا اثر ہوا۔

بپٹسٹ مشنری سوسائٹی کے معرضِ وجود میں آتے ہی کیری اور ٹامس مشنری بنکر ہندوستان آگئے۔ جب رائیلینڈ کو کیری کا پہلا خط ملا تو اُس نے برسٹل (BRISTOL) سے ڈاکٹر بوگ (DR. BOGUE) اور مسٹر سٹیفن (MR. STEPHEN) کو بلوا بھیجا تاکہ اُس کے ساتھ مل کر خوشی منائیں۔ ان تینوں صاحبان نے اُس کامیابی کے لئے خدا کا شکر کیا جو اس کام میں اب تک حاصل ہوئی تھی اور پھر بوگ اور سٹیفن نے مسٹر ہے (MR. HEY) سے مل کر ایک غیر بپٹسٹ سوسائٹی قائم کرنے کا انتظام کیا۔ اس کا نام "لندن مشنری سوسائٹی" (LONDON MISSIONARY SOCIETY) رکھا گیا۔ بوگ ایک بلند پایہ عالم پریسبٹیرین (PRESBYTERIAN) تھا اور یہ ایک علم الٰہی کے کالج کا پرنسپل بھی رہ چکا تھا جہاں کئی مبلغ خدمتِ دین کے واسطے تیار ہوئے تھے۔ بوگ نے ایک مضمون شائع کیا جس میں اُس نے کلیساؤں سے درخواست کی کہ بیس یا تیس مشنری فوراً روانہ کئے جائیں۔ اس کے ایک سال بعد ہی بوگ نے ایک معرکۃ الآرا تقریر کی جس میں اُس نے کہا کہ اس زمانہ کی مشنری تحریک تاریخ میں ایک خاص اہمیت حاصل کرلے گی۔ "ہم اس وقت کو ابد تک یاد کریں گے اور وہ کیا ہی اچھا وقت ہوگا جبکہ آیندہ نسلیں تحریک کے اس دور کو مسیحیت کا معراج تسلیم کریں گی"

اُسی دن سینکڑوں پادریوں کا ایک اجلاس منعقد کیا گیا تاکہ فیصلہ کرے کہ اُن کی پہلی مشن کہاں بھیجی جائے۔ اس اجلاس میں پادری ٹی ہوینر (REV. T. HAWIES) نے ایک پُرزور تقریر کی جس کا اثر یہ ہُوا کہ اس نئی سوسائٹی نے اپنے مشنری بھی ہندوستان ہی بھیجنے کا فیصلہ کیا اور یُوں کیری کی تحریک ہندوستان کی مزید خدمت کا باعث ثابت ہُوئی۔

اس جدید خدمت کے سب سے پہلے اپنی خدمات پیش کرنے والا ایک شخص گریول یوئنگ (GREVILL EWING) تھا۔ یہ ایڈنبرگ (EDINBURGH) کے ایک گرجا گھر کا نوجوان پاسبان تھا۔ مارچ ۱۷۹۶ء میں اس نے ایڈنبرگ کی "سکاٹش مشنری سوسائٹی" (SCOTTISH MISSIONARY SOCIETY) کی اپیل شائع کی اور اس نئی سوسائٹی نے بھی اپنا پہلا مشنری جان ولسن (JOHN WILSON) نامی بمبئی بھیجا۔

تبلیغ کا جوش اب بڑھ رہا تھا۔ کیری کی تحریک نے عوام پر اپنا اثر پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ سکاٹش مشنری سوسائٹی کے بعد ہی گلاسگو (GLASGOW) کے مقام پر ایک اور سوسائٹی قائم ہوئی جس نے جنوبی افریقہ کے بے دینوں کے درمیان ایک نہایت کامیاب مشن جاری کی۔

غیر ممالک میں پہنچ کر انجیل مقدس کے پیغام کو سنانے کا شوق ایک سیلاب تھا۔ جو روز بروز بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ کیری کی مثال بہتوں کے لئے ہمت افزائی کا موجب ہوئی۔ ان میں سے ایک رابرٹ ہالڈین (ROBERT HALDANE) تھے۔ انہوں نے جب کیری کی پہلی رپورٹ پڑھی تو ان پر اس قدر اثر ہوا کہ انہوں نے اپنی تمام جائیداد جس کی قیمت تقریباً ۳۵۰۰۰ پونڈ تھی فروخت کر دی اور اس رقم کو تبلیغ کے کام کے لئے وقف کر دیا تاکہ چھ پرسبیٹیرین پادریوں اور "لے مین" (LAYMEN) کی ایک مشن قائم کی جائے اور یہ مشن بنارس میں وہی کام کرے جو کیری مدن باٹی سے کرنا چاہتا تھا لیکن پٹ (PITT) اور ڈنڈاس (DUNDAS) نے ان کو خوف زدہ کر دیا کہ پارلیمنٹ (PARLIAMENT) کا قانون اس امر کی اجازت ہرگز نہ دے گا کہ مملکت انگلستان میں کوئی مشنری بحیثیت ایک مبلغ کے سکونت اختیار کرے۔

اس نئی "صلیبی جنگ" میں کلیسیائے انگلستان کے ان پادریوں نے بھی حصہ لیا جو "بشارتی" (EVANGELICAL) اعتقادات رکھتے تھے۔ انہوں نے ۱۷۹۹ء میں اس سوسائٹی کی بنیاد رکھی جو اس وقت سے اب تک مسیحی تبلیغی انجمنوں کی صف اول میں شمار ہوتی ہے یعنی "چرچ مشنری سوسائٹی" (CHURCH MISSIONARY SOCIETY)۔ کیری کے عزیز دوست ٹامس سکاٹ (THOMAS SCOTT) صاحب ہی اس سوسائٹی کے پہلے سیکرٹری تھے۔

اب یہ مُقدّس جوش اس قدر پھیل چُکا تھا کہ ایک طرف تو ہالینڈ (HOLLAND) میں ڈاکٹر وان ڈیر کیمپ (DR. VAN DER KEMP) نے تحریک شروع کی تو دُوسری طرف امریکہ میں اڈونی رم جڈسن (ADONIRUM JUDSON) جیسے علم الٰہیات کے طلبا میں دلچسپی پیدا ہو گئی۔ مؤخر الذکر اپنی کوششوں میں کامیاب ثابت ہوئے۔ اُنہوں نے امریکہ میں بھی ایک سوسائٹی قائم کروائی اور خود اُس کے پہلے مشنری بنکر ہندوستان آئے۔ لیکن چند نہایت عجیب و غریب واقعات کے ماتحت (جن کا ذکر ہم آیندہ کسی باب میں کریں گے) آپ کیری ہی کی سوسائٹی کے رُکن بن کر برما تشریف لے گئے۔

ادھر بنگالی زبان میں بائبل کا جو ترجمہ شائع ہو چُکا تھا اُس سے عوام کی دلچسپی اس درجہ بڑھ گئی کہ "برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی" (BRITISH & FOREIGN BIBLE SOCIETY) کی بُنیاد بھی پڑ گئی جس کا مقصد فقط بائبل کے مختلف ترجموں کی طباعت و اشاعت کرنا تھا۔

کیری اُن تمام مُشکلات اور سخت مُصیبتوں کا مقابلہ نہایت صبر و استقلال سے کر رہا تھا جن کا ذکر ہم کسی گذشتہ باب میں کر چُکے ہیں۔ ہر طرف یاس و ناامیدی کی مہیب گھٹائیں اُس کو گھیرے ہُوئے تھیں اور ایسا معلُوم ہوتا تھا کہ کسی وقت بھی یہ طُوفان اُس پر پھٹ پڑے گا اور اُس کی اُمنگوں کو بہا کر لے جائے گا۔ ایسے وقت میں اُس کو ان تمام خوشگوار واقعات کی خبر ملی جن کا بیان ہم نے ابھی کیا ہے۔ لیکن کیری کے لئے سب سے زیادہ مُسرّت آمیز خبر یہ تھی کہ اُس کے شریکِ کار چار اور مشنری آ رہے ہیں اور ان میں ولیم وارڈ (WILLIAM WARD) بھی شامل ہے جس کو اُس نے بنگالی بائبل چھاپنے کے لئے کچھ عرصہ پیشتر منتخب کیا تھا۔ چنانچہ جولائی ۱۷۹۹ء میں وُہ یُوں لکھتا ہے:-

"انجیل نے جو کامیابی حاصل کی ہے اور منجملہ دیگر مسرّت انگیز امُور کے انگلستان اور دُوسرے مغربی ممالک میں مشنری خدمت کے لئے جو دائمی مشعل روشن ہو گئی ہے ان سے ہماری بہت ہمّت افزائی ہُوئی اور ہمارے حوصلے بڑھ گئے۔"

اس واقعہ سے ڈیڑھ سال پیشتر اُس نے سٹکلف (SUTCLIFF) کو لکھا تھا کہ

"مشنری رُوح جواب بیدار ہو رہی ہے اُس سے مجھے نہایت مسرّت ہے۔ یہ رُوح کی بیداری کُل عالم میں انجیل کی اشاعت کا پیش خیمہ ہے۔ جرمنی کی موراوین (MORAVIAN) برادری کے متعلّق جو تُم نے لکھا ہے کہ وُہ مجھ سے محبّت کرتے ہیں یہ سُن کر مجھے بہت خُوشی ہُوئی۔ اکثر میری نسبت لوگ جو کچھ کہتے ہیں اُس کا مجھ پر اثر نہیں ہوتا۔ البتہ جب خُدا ترس انسان مجھ پر نظرِ عنایت رکھتے ہیں تو مَیں اس امر کو نظر انداز نہیں کر سکتا .... اب گھر میں رہنا ایک گُناہ ہو گیا ہے اور رفتہ رفتہ یہ ایک گُناہِ کبیرہ بن جائے گا۔ تمام نعمتوں کو سراہنا چاہیئے۔ اور اُن کو فزوں کرنا اور اُن کے دائرہ کو وسیع کرنا چاہیئے۔"

وُہ دن قریب تھا کہ کیری کے کام کے لئے نہ صرف روپیہ فراہم ہو رہا تھا بلکہ کارندے بھی کثرت سے اپنی خدمات کو پیش کر رہے تھے۔ خاص کر سکاٹ لینڈ (SCOTLAND) میں فُلر نے دیکھا کہ اُس کے محض درخواست کرنے کی دیر تھی کہ اُس کی اُمیدوں سے زیادہ روپیہ مل جاتا تھا۔ سکاٹ لینڈ نے آخری وقت تک کیری کے ساتھ وفا کی۔ اُس کی شاید غیبی طور پر یہ بات پہلے ہی سے معلُوم ہو گئی تھی کہ سکاٹ لینڈ اُس کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ کیونکہ ۱۷۹۷ء ہی میں کیری کی ایک تحریر میں قلمبند ہے:۔

"مجھے یہ سُن کر بڑی خُوشی ہُوئی ہے کہ ہمارے سکاٹ لینڈ کے بھائیوں نے مشن کی اس دریا دلی سے ہمّت افزائی کرنے پر کمر باندھی ہے۔"

سکاٹ لینڈ نے کیری کی تجاویز کو لبّیک کہا اور اُس کے کام کے لئے اور اُس کے لئے دُعاؤں میں مشغُول رہے۔ جب فُلر نے سیسل (CECIL) صاحب سے مُلاقات کی تو آپ نے فرمایا کہ "میری نظر میں بپٹسٹ لوگوں میں سے کوئی شخص قابلِ قدر نہیں سوائے ایک شخص کے یعنی کتاب "قابلِ مقبُولیت انجیل" (THE GOSPEL WORTHY OF ALL ACCEPTATION) کے مُصنّف کے۔ لیکن جب فُلر نے سیسل صاحب کو بتایا کہ مَیں ہی اُس کتاب کا مُصنّف ہُوں تو آپ نے معذرت چاہی اور اپنا عطیہ پیش کیا۔ فُلر نے کہا "نہیں جناب۔ مَیں آپ کی ایک کوڑی بھی لینے کا روادار نہیں ہُوں کیونکہ آپ خلُوص کے ساتھ نہیں دیتے۔" لیکن سیسل صاحب کے اصرار پر فُلر کو اُن کا عطیہ قبُول کرنا ہی پڑا۔

اس نئی صلیبی جنگ کے آغاز میں روپے کی اتنی ضرورت نہ تھی جتنی کہ آدمیوں کی تھی۔ ٹامس اور فاؤنٹین (FOUNTAIN) دونوں کا انتخاب غلط ثابت ہو چکا تھا۔ اسی طرح افریقہ میں جانے والے مشنری بھی ناکامیاب ثابت ہو چکے تھے سوائے پیٹر گریگ (PETER GREIG) صاحب کے۔ پھر لندن مشنری سوسائٹی نے ایک جہاز کے ذریعہ تیس[۳۰] مشنری روانہ کئے لیکن ان میں سے صرف چار[۴] اس لائق تھے کہ ان کو خادمِ دین کے معزز عہدہ پر مامور کیا جائے۔ ان تمام مشنریوں میں سے کسی ایک کی خدمت کا اب نشان تک باقی نہیں ہے۔ اُدھر چرچ مشن نے ۱۸۱۵ء تک صرف جرمن پادری ہی بھیجے تھے، مگر بپٹسٹ مشنری سوسائٹی اس معاملہ میں زیادہ خوش قسمت تھی کیونکہ یکے بعد دیگرے چار[۴] مشنریوں نے اپنی خدمات اس سوسائٹی کے سپرد اس اُمید پر کیں کہ کمپنی ان کو ہندوستان میں سکونت اختیار کرنے کی اجازت دے دے گی اور وُہ کیری کے دوش بدوش خدمت کر سکیں گے۔ ان مشنریوں کے نام برنڈسن (BRUNDSON) اور گرانٹ (GRANT) تھے (یہ دونوں رائیلینڈ کی کلیسیا کے شرکا تھے) اور جوشوا مارشمین (JOSHUA MARSHMAN) اور ان کی اہلیہ حنّا مارشمین (HANNAH MARSHMAN) اور ولیم وارڈ جس کو خود کیری ہی نے منتخب کیا تھا۔

نو ماہ کے بعد فُلر نے اُن کو ایک امریکن جہاز پر سوار کر دیا جو کپتان وِکس (CAPT. WICKES) کی نگرانی میں ہندوستان آ رہا تھا۔ کپتان صاحب امریکہ کے شہر فلیڈلفیہ (PHILADALPHIA) کی کسی پرسبٹرین کلیسیا کے رُکن تھے۔ اُنہوں نے مشن کے کام کی امریکہ میں پُرزور حمایت کی۔

لندن میں چارلس گرانٹ (CHARLES GRANT) نے ان تمام مشنریوں کی امداد اس طرح کی جس طرح کہ وُہ صرف کیری ہی کی کر سکتے تھے۔ پہلے تو اُنہوں نے بہت کوشش کی کہ ان لوگوں کو لائسنس (LICENCE) مل جائے لیکن کمپنی کے سب سے زیادہ بارسُوخ ڈائرکٹر (DIRECTOR) ہونے کے باوجود وُہ اس میں ناکامیاب رہے۔ مگر اُنہوں نے مشنریوں کو ایک صلاح دی جو آیندہ ان کے لئے ایک خزانہ سے بھی زیادہ قیمتی اور مُفید ثابت ہوئی۔ آپ نے مشورہ دیا کہ "کلکتہ میں جہاز سے نہ اُترنا بلکہ سیرامپور میں جا کر خشکی پر قدم رکھنا

وہاں تم ڈنمارک کے علاقہ میں ہو گے کمپنی کے حلقۂ اختیار سے باہر ہو گے اور ڈنمارک کے جھنڈے کی پناہ میں امن سے رہ سکو گے۔ وہیں رہ کر تم کیری سے ملنے کی کوشش کرنا۔" ہم آگے چلکر دیکھیں گے کہ یہ نکتہ مشن کے لئے کس قدر کارآمد ثابت ہُوا۔

پانچ ماہ کے سفر کے بعد یہ لوگ ہُگلی پہنچے۔ اس سے پہلے کہ جہاز کلکتہ کی بندرگاہ کی حدود میں داخل ہو کپتان وِکنس نے ان کو ایک کشتی میں سوار کر کے ایک بنگالی کلرک کے ہمراہ سیرامپور بھجدیا۔ یہ شہر کلکتہ سے پندرہ میل شمال کی جانب دریا کے کنارے آباد ہے۔ جنوبی ایشیا کے اس "کنٹربری" (CANTERBURY) میں داخل ہونے کے بارے میں وارڈ کی "ڈائری" میں مندرجہ ذیل عبارت ملتی ہے:۔

"۱۳- اکتوبر ۱۷۹۹ء بروز اتوار۔ میں اور برنڈسن رات بھر آسمان کے سایہ میں اپنے اپنے صندوقوں پر سوئے۔ علے الصبح ہم لوگ بخیر و عافیت سیرامپور پہنچے اور ایک ایسی سرائے میں جس کی سفارش ہم سے کی گئی تھی ٹھہرے۔ آج کوئی عبادت نہیں ہوئی۔ اس جگہ ایک پُرتگالی گرجاگھر کے علاوہ اور کوئی کلیسیا نہیں ہے۔"

"۱۴- اکتوبر۔ کلکتہ سے لندن مشنری سوسائٹی کے مشنری مسٹر فورسائتھ (MR. FORSYTH) کو دیکھ کر ہم بہت حیران ہوئے۔ پہلے سے تو ہم ان کو نہ جانتے تھے لیکن جلد ہی پہچان گئے۔ انہوں نے بہت سی دلچسپ معلومات ہم پہنچائیں۔ اُن کی ملاقات بھائی کیری سے ہو چکی ہے اور یہ اُن کے ہاں چائے کی دعوت میں بھی شریک ہوئے تھے۔۔۔۔۔"

"۱۶- اکتوبر۔ کپتان صاحب کلکتہ ہو کر آئے اور انہوں نے بتایا کہ جب تک ہم اپنے آپ کو ظاہر نہ کریں گے اُن کا جہاز بندرگاہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا میں اور بھائی برنڈسن کلکتہ گئے۔ دوسرے دن ہم کو خبر ملی کہ جہاز کو اس شرط پر اجازت ملی ہے کہ یا تو ہم تھانہ میں حاضر ہوں ورنہ سیرامپور سے باہر نہ نکلیں۔ ہم نے تمام باتوں پر غور کر کے فیصلہ کیا کہ ہم سیرامپور میں ہی قیام کریں گے جب تک کہ کدرپور[1] سے ہمارے وہ دوست نہ آجائیں جن کو

[1] کیری نے کدرپور میں تین ہزار روپے کی لاگت سے ایک نیل کا کارخانہ خریدا تھا کیونکہ

ہم نے خطوط روانہ کئے ہیں۔ کپتان وِکس نے پادری براؤن (REVD. BROWNE) صاحب سے ملاقات کی جنہوں نے حتّی الامکان ہماری مدد کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ حکومت سے متعلقہ ہمارا جو رویّہ ہونا چاہیئے اُس کے متعلق ہم کو چند ہدایات ملی تھیں۔ وُہ اُن کو پڑھ کر سُنائی گئیں اور اُنہوں نے وعدہ کیا کہ وُہ تھانہ میں جا کر وہاں کے اعلیٰ افسر کو خبر کر دیں گے کہ ہم لوگ سیر آمپور میں اُس وقت تک ہیں جب تک کہ ہم کو شمال کی جانب جانے کی اجازت نہ مل جائے۔ کپتان وِکس تھانہ میں گئے اور ایسا معلُوم ہُوا کہ اُنہوں نے ہماری جانب سے جو وعدے کئے اُن سے تھانہ والے مطمئن ہو گئے۔ شام کو ہم سیر آمپور چلے گئے۔"

"۱۹- اکتوبر- مَیں نے گورنر صاحب کو ایک خط لکھا جس میں درخواست کی کہ ہماری آخری "رپورٹ" کی ایک جلد کو قبُول کیا جائے اور اُن کو خبر کی کہ کل ہم اپنے مکان پر عبادت کا انتظام کریں گے جس میں سب کو شامل ہونے کی اجازت ہے۔"

"۲۰- اکتوبر بروز اتوار- آج گورنر صاحب نے دریافت فرمایا کہ عبادت کس وقت ہو گی۔ تقریباً ساڑھے دس بجے وُہ مع چند شُرفا کے تشریف لائے۔ مَیں نے اعمال کی کتاب کے ۲۰ باب کی ۲۴ ویں آیت پر ایک وعظ کیا۔ سامعین نہایت ادب اور غور کے ساتھ سُن رہے تھے۔ معلُوم ہوتا تھا کہ اُن میں سے کئی اس وعظ سے متاثر ہُوئے جن میں گورنر صاحب بھی شامل تھے۔"

وارڈ نے اس موقعہ کے لئے نہایت موزُوں آیت کا انتخاب کیا تھا۔ یہ پولُوس کے الفاظ افسس کے بزرگوں کو اُس وقت کہے گئے تھے جبکہ وُہ قید اور دیگر مصیبتوں کو برداشت کرنے جا رہا تھا۔ لیکن مَیں اپنی جان کو عزیز نہیں رکھتا کہ اُس کی کچھ قدر کروں بمقابلہ اس کے کہ اپنا دَور اور وُہ خدمت جو خُداوند یسُوع سے پائی ہے پُوری کروں یعنی خُدا کے فضل کی خُوشخبری

بقیہ حاشیہ از صفحہ ۱۱۴:- مدناباٹی میں اکثر سیلاب کا پانی بھر جاتا تھا۔ اور تمام کاشت برباد ہو جاتی تھی۔ کدرپور میں کیری نے جو عمارات تعمیر کرائیں اُن کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں۔

کی گواہی دُوں" - آخر کار یہی آیت کیری - مارشمین اور وارڈ کی زندگیوں کی صحیح تصویر ثابت ہوئی -

مشن کے آغازِ کار ہی میں کیسا منحوس واقعہ پیش آیا کہ اُن کا ایک رفیق گرانٹ (GRANT) نامی فوت ہو گیا - گویا ابتدا ہی میں وُہ مُصیبتوں سے دوچار ہو گئے - اُدھر ایک ماہ کی تمام مسلسل کوششیں بے کار ہوئیں - اُن کی کوششوں کا مقصد یہ تھا کہ ان کو اجازت مل جائے کہ کیری کے نائب بن کر انگریزی حکومت میں سکونت اختیار کریں - کیری نے براؤن صاحب اور ڈاکٹر راکسبرگ (Dr. ROXBURGH) تک سے درخواستیں کیں کہ کولبروک (COLE BROOKE) سے سفارش کر کے اُس کا اثر و رسُوخ استعمال کروائیں - لیکن کوئی طریقہ کارگر ثابت نہ ہُوا - اس کی کئی وجُوہات تھیں جن میں سے ایک تو یہ تھی کہ پولیس کو یہ ملال تھا کہ گورنر جنرل کی پُشت پناہی سے یہ لوگ اُس کی دست بُرد سے نکل گئے تھے - پھر اُن کے متعلق یہ افواہ اُڑا دی گئی تھی کہ یہ لوگ "پے پسٹ" (PAYPIST) ہیں اور فرانس کی طرف سے جاسُوسی کرنے کو بھیجے گئے ہیں - اور چُونکہ ان دنوں انگلستان اور فرانس کی جنگ ہو رہی تھی اس لئے فرانس کے باشندوں کی خاص طور پر نگہداشت کی جاتی تھی -

لیکن اس آڑے وقت میں سیرامپور کے گورنر نے نہایت دلیری سے ان کا ساتھ دیا اور کہہ دیا کہ لندن کے ڈینش (DANISH) سفیر نے جن لوگوں کو میری پناہ میں دیا ہے اُن کی میں آخری دم تک حفاظت کروں گا - اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ وارڈ کو پاسپورٹ مل گیا کہ مملکتِ انگلشیہ میں جا کر کیری سے ملاقات کرے -

وارڈ کہتا ہے کہ جُوں جُوں میں مدن باٹی کے کارخانہ کے نزدیک پہنچتا تھا مُجھ کو "نہایت عجیب معلوم ہوتا تھا" اُس کا دل جوش اور خُوشی سے بھرا ہُوا تھا - "آخر کار میں نے مسٹر کیری کو دیکھا!" وُہ لکھتا ہے "میں جتنا سمجھتا تھا وُہ اُتنے تبدیل نہیں ہُوئے ہیں - انگلستان کی بہ نسبت یہاں آ کر وُہ کچھ فربہ بھی ہو گئے ہیں اور خُدا کا شکر ہے کہ وُہ ابھی تک جوان ہیں -!!!"

کیری کے لئے یہ امر نہایت تکلیف دہ تھا کہ وُہ اپنی پہلی مشن سے علیحدہ ہو - وُہ یہاں کی جائداد پر تقریباً پانچ سو پونڈ کی رقم لگا چکا تھا - یہیں اُس نے ایک سکُول بھی

کھول لیا تھا۔ ایک کلیسیا قائم کر لی تھی اور چند متلاشی بھی موجود تھے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود کیری نے پس و پیش نہ کیا بلکہ اُن کو خیر باد کہنے پر رضامند ہو گیا۔ اس کی وجوہات اُس نے یُوں بیان کی ہیں :۔

"سیرامپور میں ہم لوگ مشنری کی حیثیت سے سکونت اختیار کر سکتے ہیں جس کی برطانوی مقبوضات میں ہرگز اجازت نہ ملیگی۔ پھر مشن کے خاص مقصد یعنی بائبل کی طباعت اور اشاعت کے لئے جو سہولتیں ہم کو سیرامپور میں مل سکتی ہیں وہ یہاں ملنی محال ہیں۔ وہاں بھائی وارڈ پریس کی نگرانی کر سکتے ہیں اور اگر ہم یہاں رہے تو ہم کو اُن کی بیش قیمت امداد سے محروم ہونا پڑیگا۔ اُس علاقہ میں آبادی بھی بہ نسبت یہاں کے زیادہ ہے۔ اور پھر وہاں ہمارے ساتھ اور مشنری بھی آ کر رہ سکتے ہیں جس کی یہاں اجازت نہیں ہے"۔

مندرجہ بالا امور کے پیش نظر کیری نے سیرامپور منتقل ہونے کا فیصلہ کیا اور مورخہ ۱۰ جنوری سنہ ۱۸۰۰ء کو وہاں جا پہنچا۔ دُوسرے ہی دن وہ گورنر صاحب کے رُوبرُو پیش کیا گیا اور اُسی روز اُس نے "باہر جا کر ہندوستانیوں کے درمیان منادی کی"۔ اُس کی تعلیم کا زمانہ ختم ہو چکا تھا۔ آج اُس نے اپنی رسالت کے کام کو شروع کیا جس کو اُس نے ہر گرم و سرد حالات میں جاری رکھ کر چونتیس ۳۴ سال بعد اپنی وفات کے ساتھ ہی ختم کیا۔

کیری کی زندگی کے جو اہم واقعات ابھی تک بیان ہو چکے ہیں اُن پر نظر ثانی کرنے سے معلوم ہوگا کہ اُس کی زندگی میں کس قدر نشیب و فراز واقع ہُوئے۔ کتنی مرتبہ مایوسی اور نا اُمیدی سے سابقہ پڑا۔ بار بار اُس کی اُمنگوں کا خون ہُوا لیکن اُس نے حیرت انگیز ثابت قدمی۔ اولوالعزمی اور صبر و استقلال سے کام لیتے ہُوئے ہمت نہ ہاری بلکہ اپنی زندگی کے مقصد کو پہچان کر اُس کو حاصل کرنے کی فکر میں لگا رہا اور آخر کار خُدا نے اُس کے لئے وہ راہ نکالی جس پر چلکر وہ نہ صرف عزت و شہرت کا مالک ہُوا بلکہ بنی نوع انسان کی ایسی خدمت کر گیا کہ جب تک دُنیا کے کسی گوشہ میں ایک بھی مسیحی باقی ہے تب تک ولیم کیری کا نام جذبات تشکر کے ساتھ لیا جائیگا۔ خیال کرنے کا مقام ہے کہ ہمارا ہیرو ایک گاؤں کا موچی تھا۔ اُس نے تاہیتی (TAHITI) جا کر انجیل کی بشارت دینے کے لئے اپنے آپ کو تیار کیا لیکن وہ بنگال بھیجا گیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہاز نے اُس کو ہندوستان لانے سے انکار کر دیا۔

بمشکل تمام وُہ ہندوستان پہنچا۔ یہاں آنے کے بعد بھی کمپنی نے اُس کی مخالفت جاری رکھی۔ اُس نے کلکتہ میں بھوک اور پیاس کی تکالیف برداشت کیں۔ جنگل میں رہنے کے لئے ایک جھونپڑی بنائی۔ دانا پور کی دلدلوں میں نیل کی کاشت اختیار کی۔ ہمالیہ کے پہاڑوں میں بودھیوں کے علاقہ میں وُہ اس غرض سے پہنچا کہ اُس کو حفاظت اور پناہ ملے۔ اور آخر کار ہندوستان کے ایک گنجان آباد علاقہ میں ایک غیر مُلکی حکومت نے اُس کو اپنے سایہ میں رکھا اور وہاں کے گورنر کرنل بائی (COL. BIE) نے اُس کی امداد کی۔

اگر فُلر کچھ اور تاخیر سے کام لیتا تو شائد سیرامپور بھی مشنریوں کے ہاتھ سے نکل جاتا کیونکہ ایک سال بعد ہی نپولین (NAPOLEAN) کی حرکتوں کی وجہ سے انگریز مجبور ہو گئے کہ ڈنمارک کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیں اور فریڈرک نگر پر انگریزوں کا تسلّط ہو گیا (اُس وقت "سیرامپور" کا سرکاری نام "فریڈرک نگر" ہی تھا)۔

کلکتہ اور بارک پور کے مقابل دریا کی دُوسری جانب ہوڑا کا علاقہ ہے اور سیرامپور اس علاقہ کا مرکزی مقام ہے۔ اس علاقہ میں آبادی بہت گنجان ہے جو زیادہ تر ہندوؤں پر مشتمل ہے گو خال خال مسلمان بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ علاقہ وشنو کی پُوجا کا مرکز مانا گیا ہے اور اس معاملہ میں شائد پُوری کے بعد دیگر سب تیرتھوں سے زیادہ اہمیّت بھی رکھتا ہے۔ یہاں سے تھوڑے ہی فاصلہ پر تارکیشور کا مشہُور مندر ہے جہاں ہزاروں جاتری جاتے ہیں۔ ان جاتریوں میں بہت سی بیوائیں ہوتی ہیں جو میلوں کے سفر کا ایک ایک قدم اپنے بدن سے ناپتی ہوئی اُس مکرُوہ مندر میں پُوجا کرنے کو پہنچتی ہیں۔

جب مشنریوں نے یہاں بُود و باش اختیار کی اُس وقت سوائے ایک پُرتگالی کیتھولک گرجا گھر کے اور کوئی عبادتگاہ یہاں نہ تھی۔ گورنر صاحب خود اُس چھوٹے سے گرجا گھر کے لئے ان دنوں چندہ جمع کر رہے تھے جس میں کیری نے آخر تک وعظ کئے۔ کہا جاتا ہے کہ گورنر جنرل ہند نے اس گرجا گھر کی عمارت کا گُنبد خود بنوایا تھا تاکہ اُن کے بارک پور والے نئے محل کی کھڑکیوں سے سیرامپور کے شہر کا منظر زیادہ خوبصورت معلوم ہو۔

سیرامپور میں کیری نے ایک "برادری" قائم کر لی جس میں تمام مشنری اور اُن کے بیوی بچے شامل تھے اور سب کی رہائش کا مشترکہ انتظام تھا۔ اس برادری کے لئے اگر مناسب مکان کرایہ پر لیا جاتا تو اُس میں دقّت بھی ہوتی اور خرچ بھی زیادہ پڑتا۔ اس لئے شہر کے وسط میں

ایک مکان چھ ہزار روپے میں خریدا گیا۔ اس کے گرد خالی زمین بھی تھی جس کا احاطہ کھنچا ہوا تھا یہ مقام ہر لحاظ سے مشن کے کام کے لئے نہایت موزوں اور مناسب تھا۔ اس کے متعلق انہوں نے فلر کو لکھا کہ :- "اس مکان سے انجیل کی تبلیغ و اشاعت شروع ہو گی اور تمام ہندوستان میں پھیل جائے گی۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ایک مدرسہ اور پریس سے جو کچھ بھی ہو سکتا ہے کام لیں۔ کاغذ آ ہی گیا ہے اور پریس مع ٹائپ و دیگر سامان کے مکمل ہو چکا ہے چند ابواب کے سوائے بائبل کا ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ چھپائی کا کام فوراً شروع کر دیں ہم پہلے نیا عہدنامہ چھاپیں گے اور پھر پرانا عہدنامہ۔ ہم کو اپنے کام سے عشق ہے اور ہم حتی الامکان آپ کے اخراجات کم کرنے کی کوشش کریں گے۔"

مشنریوں کی اس برادری نے اپنے رہنے سہنے کے لیے جو انتظامات کئے تھے وہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔ وارڈ کی ڈائری کے مندرجہ ذیل اقتباسات سے اس نظام کی تفصیل ظاہر ہو جائے گی

"۸ اجنوری ۱۸۰۰ء۔ اس ہفتہ ہم نے اپنے خاندان کے انتظام کے واسطے چند قوانین مرتب کئے سب باری باری وعظ کہتے ہیں اور دعا کرتے ہیں۔ ہر شخص ایک مہینہ خاندانی امور کا نگران رہتا ہے۔ بھائی کیری خزانچی ہیں اور انہی کے سپرد دواؤں کا بھی انتظام ہے۔ بھائی فاؤنٹین لائبریرین (LIBRARIAN) ہیں۔ ہر سنیچر کی شام کو ہم آپس کے معاملات کا تصفیہ کرتے ہیں اور باہمی محبت کے وعدوں کی تجدید بھی کرتے ہیں۔ ہمارے فیصلوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم میں سے کوئی فرد ذاتی منافع کی غرض سے کوئی دنیوی کاروبار نہ کریگا بلکہ جو کچھ بھی کیا جائیگا وہ مشن ہی کے لیے ہوگا۔ . . . . ."

پھر اس برادری کی روزمرہ کی زندگی کا نقشہ وارڈ اس طرح کھینچتا ہے :-

"یکم اگست۔ ہمارا روزمرہ کا دستور العمل اب تیار ہو گیا ہے۔ ہم سب صبح چھ بجے اٹھتے ہیں۔ بھائی کیری اپنے باغ میں اور بھائی مارشمین سات بجے مدرسہ چلے جاتے ہیں۔ بھائی برنڈسن اور فیلکس اور میں چھاپہ خانہ چلے جاتے ہیں۔ آٹھ بجے خاندانی عبادت کی گھنٹی بجتی ہے۔ اُس وقت ہم سب ہال میں جمع ہو جاتے ہیں۔ وہاں حمد۔ تلاوت اور دعا ہوتی ہے۔ اس کے بعد صبح کا کھانا کھا کر بھائی کیری ترجمہ کرنے اور پروفوں کی تصحیح کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ بھائی مارشمین مدرسہ کو واپس جاتے ہیں۔ اور باقی چھاپہ خانہ میں کام کرنے لگتے ہیں۔

ہمارا کمپوزیٹر چلا گیا ہے مگر ہم اُس کے بغیر ہی کام چلا رہے ہیں۔ ہم ہفتہ بھر میں ۲۰۰ کاپی کے تین جُز چھاپ لیتے ہیں۔ ہمارے پاس پانچ چھاپنے والے۔ ایک دفتری اور ایک جلد ساز ہے۔ بارہ ۱۲ بجے دوپہر کو ہم ناشتہ کرتے ہیں جس کے بعد ہم میں سے اکثر لوگ نجی ضرورتوں مثلاً حجامت۔ غسل وغیرہ یا مطالعہ اور آرام میں تین ۳ بجے شام تک مصروف رہتے ہیں۔ اُس وقت ہم کھانا کھاتے ہیں۔ اس کے بعد ہم کسی سوال یا آیت پر تبادلۂ خیالات کرتے ہیں۔ یہ طریقہ بہت مفید ہے۔ بھائی مارشمین اور بہن مارشمین البتہ دو ۲ ہی بجے سے مدرسہ چلے جاتے ہیں۔

اگر بعد دوپہر دفتر میں کام نہیں ہوتا تو میں بنگالی کا مطالعہ کرتا ہوں اور برہمن (پنڈت) سے گفتگو کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ہم شام کو سات بجے چاء پیتے ہیں اور رات کو کچھ نہیں کھاتے۔

بنگالی زبان میں عام مُنادی ہفتہ میں ایک یا دو مرتبہ ہوتی ہے۔ اور ہر جمعرات کی شام کو اپنے اپنے ذاتی تجربات بیان کرنے کی غرض سے ایک مجلس مُنعقد کی جاتی ہے۔ اگر کوئی تنازع یا اختلاف رائے پیدا ہو جاتی ہے تو اُس کا فیصلہ سنیچر کی شام کی مجلس میں ہوتا ہے اور اُسی وقت دیگر دُنیوی امور پر بھی فیصلے کئے جاتے ہیں۔ یہ مجلس شام کی چائے کے بعد دُعا کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔

فیلکس دفتر میں بہت مدد کرتا ہے۔ ولیم مدرسہ جاتا ہے اور فرصت کے وقت جلد سازی سیکھتا ہے۔

فُلر نے وعدہ کیا تھا کہ چھ ۶ مشنریوں اور ان کے بیوی بچوں کی پرورش کے لئے سوسائٹی ۳۶۰ پونڈ سالانہ دیا کرے گی۔ سیرامپور کے مکان اور زمین پر سوسائٹی کا چھ ہزار ۶۰۰۰ روپیہ صرف ہوا تھا۔ اُسی زمانہ میں اچانک گرانٹ کا انتقال ہوگیا اور اس کی بیوہ اور بچوں کی پرورش بھی "برادری" کے ذمّہ آئی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے فیصلہ کیا کہ "ہم میں سے کوئی ذاتی طور پر کاروبار نہ کرے گا۔ بلکہ ہم میں سے ہر ایک کی محنت کا حاصل ایک عام خزانہ میں داخل کیا جائے گا۔ اس خزانہ کو کثرت رائے کے مطابق اپنے خاندانوں کے اخراجات کے لئے خرچ کیا جائے گا۔ خُدا کے کام میں صَرف کیا جائے گا اور اگر ہم میں سے کسی کی موت واقع ہو جائے تو اُس کی بیوہ اور بچّوں کی پرورش کے کام آئے گا۔"

چنانچہ اس اعلیٰ انتظام اور نیک نیّتی کا نتیجہ یہ ہُوا کہ پہلے ہی سال مدرسہ سے اور پریس کی آمدنی سے تمام مشن کے اخراجات پُورے ہونے لگے اور دُوسرے سال سے فورٹ ولیم کالج (FORT WILLIAM COLLEGE) سے کیری کی تنخواہ مقرر ہوگئی۔ اب کیا تھا۔ کیری نے قدم آگے بڑھایا اور رفتہ رفتہ مشن کو ترقی کی دُوسری منزل میں لا پہنچایا۔ چھ سال کے قلیل عرصہ میں انہوں نے نہ صرف ان دو نئے مکانوں اور زمین کی قیمت ادا کر دی جو اس بڑھتے ہُوئے کام کے لئے خریدے گئے تھے بلکہ وُہ روپیہ بھی واپس کر دیا جو سوسائٹی نے پہلے مکان اور زمین کی خرید کے لئے بھیجا تھا۔

گیارھواں باب

کیری کے پہلے نو مُرید

بنگالی زبان میں وعظ دیتے ہُوئے کیری کو اب سات سال ہو چکے تھے۔ اس طویل عرصہ میں ضرور تھا کہ اُس کے مُریدوں کی تعداد کافی ہوتی لیکن واقعہ یہ ہے کہ ابھی تک اُس کی کاوشوں کا ثمر حاصل نہ ہُوا تھا کیونکہ اُس کی منادی کے اثر سے ایک شخص بھی اُس کا مُرید نہ بنا تھا۔ سلسلۂ تبلیغ بے شک جاری تھا۔ کلام کی اشاعت بھی کافی ترقی کر چکی تھی کیونکہ نئے عہد نامہ کا پہلا ایڈیشن شائع ہو چکا تھا۔ کیری ہی کی محنتوں کی وجہ سے بنگالی زبان کو بھی ایک ادبی حیثیت مل گئی تھی۔ کیری نے ہر ممکن طریقہ سے ہندو مذہب کی گہرائیوں تک پہنچ کر وہاں نُور کے پیغام کی روشنی پھیلا دی تھی۔ اُدھر نارتھیمپٹن شائر (NORTHAMPTONSHIRE) کے پاسبان قُربانی اور دُعا کے ساتھ اُن "رسّیوں کو سنبھالے ہُوئے تھے" جن کے ذریعہ کیری ان گہرائیوں میں اُترا تھا۔ لیکن پھر بھی قدم قدم پر مشکلات کا سامنا تھا۔ ان تمام باتوں کے بعد سب سے زیادہ ہمّت شکن واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک ہندو بنام فقیرا نے اُن کو دھوکا دیا۔ یہ بڑھئی قوم کا ایک کاریگر تھا جس کی بیوی کی انتقال ہو چکا تھا۔ اُس نے کیری کے ہاتھوں ایک

سال تک تعلیم حاصل کی تھی اور دینِ حق کی تلاش کا شوق اس کو دامن گیر ہو چکا تھا۔ جب نیل کا کارخانہ بند ہونے لگا تو اس نے اپنی تعلیم کے سلسلہ کے منقطع ہو جانے کے خوف سے یہ گوارا کر لیا کہ سابقہ مشاہرہ کے ایک تہائی پر ہی ٹامس کے نئے شکر کے کارخانہ میں ملازمت اختیار کرے۔ ۲۵ نومبر سنہ ۱۸۰۰ء بروز منگل اُس نے تمام حاضرین کے سامنے اپنے ایمان کا اقرار کر کے بپتسمہ کی درخواست کی۔ اس درخواست پر مشن کے ممبران اس قدر خوش ہوئے کہ وہ سب کے سب ایک دم ہو دیانہ کھڑے ہو گئے اور سب نے خلوص دلی سے خداوند کا شکر ادا کیا۔ بالآخر فیصلہ یہ ہوا کہ وہ گھر جا کر اپنے بچے کو لے آئے اور آیندہ اتوار کو اُس کو بپتسمہ بھی دے دیا جائے۔ لیکن افسوس کہ وہ ایسا گیا کہ واپس آنے کا نام تک نہ لیا۔ ممکن ہے کہ اس کا سبب یہ ہو کہ اس کے ارادوں میں زوال آگیا ہو۔ یا شاید اُس کے رشتہ داروں نے اُس کے ارادوں کو معلوم کر کے اُس کی راہ میں ناقابل برداشت دُشواریاں پیدا کر دی ہوں۔ اور کوئی تعجب نہیں کہ یہ بیچارہ موت کے گھاٹ ہی اُتار دیا گیا ہو۔ غرضیکہ اس کے اسباب کچھ ہی کیوں نہ ہوں لیکن یہ کہنا پڑے گا کہ جو جام مسرت کیری کے لبوں تک پہنچ چکا تھا وہ ایک ہی جھٹکے کے ساتھ گر کر چکنا چور ہو گیا۔

تاہم اُسی سال کے آخری اتوار کی شام کو دریائے ہُگلی میں کرشناپال نے اپنے ایمان کا اقرار کر کے بپتسمہ حاصل کیا۔ یہی کرشناپال شمالی ہندوستان کا پہلا مسیحی ہے جس کے متعلق صحیح معلومات حاصل ہو چکی ہیں۔

کرشناپال چندرنگر کے فرانسیسی علاقہ میں پیدا ہوا تھا اور سیرامپور کے نزدیک اُس نے سکونت اختیار کر لی تھی۔ یہاں یہ بڑھئی کا کام کرتا تھا۔ ایک دن راہ چلتے چلتے اُس کی ملاقات ٹامس سے ہو گئی۔ ٹامس نے کرشناپال سے دریافت کیا کہ "سب سے نزدیک برہمنوں کا جو بڑا مدرسہ ہے اُس کا راستہ کس طرف ہے"؟ جب کرشناپال نے راستہ بتا دیا تو ٹامس نے پوچھا کہ "کیا میں ایک گھنٹہ میں اس جگہ پہنچ سکتا ہوں"؟

ٹامس کو خوب معلوم تھا کہ یہ ناممکن ہے۔ اُس نے محض سلسلۂ گفتگو شروع کرنے کی غرض سے سوال کیا تھا۔ چنانچہ کرشناپال نے جواب دیا "نہیں۔ ہرگز نہیں۔ وہ تو کم از کم ایک دن کا سفر ہے"۔

اس پر ٹامس نے کرشنا پال کو مسیح کے مدرسہ کے متعلق بہت کچھ بتایا اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ اس مدرسہ تک پہنچنا کس قدر آسان ہے۔

کرشنا پال اس سے پہلے بھی انجیل کا پیغام سن چکا تھا کیونکہ کئی سال پیشتر اس نے گراس مین (GRASSMAN) صاحب کا کچھ کام کیا تھا جنہوں نے اس کو اس پیغام کی نسبت بہت کچھ بتایا تھا۔

انیس 19 سال کی عمر میں کرشنا پال کو ایک خطرناک مرض سے دوچار ہونا پڑا۔ اس بیماری سے صحت یاب ہونے ہی پر "گھوش پاڑہ" کے رام چرن پال کا چیلہ بن گیا اور اب جبکہ اس کی عمر ۳۵ سال کی تھی یہ خود بھی ایک گرو بن کر دوسروں کو تعلیم دینے لگا تھا۔ لیکن کرشنا پال کو خود قطعی اطمینان حاصل نہ تھا۔ وہ محسوس کرتا تھا کہ اس کے تمام منتروں کے باوجود اس کے گناہ بدستور قائم ہیں اور یہی وجہ تھی کہ اپنی روح کو اطمینان بخشنے کی خاطر وہ ان سے مسیحی گروؤں کی تعلیم سے بھی آگاہ ہونا چاہتا تھا۔

کرشمہ قدرت دیکھئے کہ ۲۵ نومبر کی صبح یہ اشنان اور پوجا پاٹ میں مصروف تھا کہ گھاٹ پر سے اس کا پیر پھسل گیا اور گر کر اس کے کندھے کا جوڑ اتر گیا۔ سخت تکلیف میں گھر پہنچا اور وہاں سے اس نے ڈاکٹر ٹامس کو بلوا بھیجا۔ منشری اس وقت کھانے پر بیٹھے ہی تھے کہ فوراً ہی تینوں کھانا چھوڑ کر اٹھ بیٹھے اور ٹامس۔ کیری اور مارشمین (MARSHMAN) کرشنا پال کے مکان پر پہنچے جو ان کے مکان سے آدھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ ٹامس فوراً کرشنا پال کو پہچان گیا۔ اس کا علاج کیا اور واپس آنے سے پہلے ہدایت کر دی کہ ان الفاظ پر غور کرتا رہے: "باپ جس بیٹے سے محبت کرتا ہے اس کو تنبیہہ بھی کرتا ہے۔"

شام کو ٹامس اور مارشمین پھر اس کے گھر گئے اور بنگالی زبان کی ایک گایتری (منتر) اس کو سکھا آئے جس کا مفہوم یہ تھا: "اگر ہم اپنے گناہوں کا اقرار کریں اور ان کو ترک کر کے آیندہ مسیح کے فضل پر بھروسہ رکھیں تو ہماری روح کو یقیناً نجات مل جائے گی۔"

ٹامس کی بروقت طبی امداد کی وجہ سے کرشنا پال اس کا احسان مند تو تھا ہی۔ اس لئے اس نے ٹامس کو بتاتے ہوئے "منتر کی اپنے گرو رام چرن پال کے منتروں

سے زیادہ قدر کی۔ دُوسرے دن وُہ چوٹ کی وجہ سے زیادہ تکلیف میں تھا اس لئے کیری اُس کو اپنے مکان پر لے گیا۔ یہاں نہ صرف اُس کو طبّی امداد ہی بہم پہنچائی گئی بلکہ اُس کو رُوحانی علاج کے لئے بھی دوا دے دی گئی۔

صحت یاب ہونے کے بعد کرشنا پال روزمرّہ خود ہی آنے جانے لگا۔ اُس کی تعلیم وارڈ اور فیلکس (FELIX) کے سپُرد ہُوئی۔ اُنھوں نے اُس کی رہنمائی نجات کے راستہ تک کی۔ کرشنا پال یہاں جو کچھ تعلیم حاصل کرتا اُسے گھر جاکر اپنی بیوی اس مئی اور اپنی سالی بے مُنی کو بتایا کرتا۔ اس تعلیم کے دوران میں کرشنا پال کے ساتھ جو سب سے زیادہ ہمدردی کا اظہار کیا کرتا تھا وُہ فیلکس کیری تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ فیلکس نے بھی تھوڑا ہی عرصہ پیشتر مسیح کی بشارت حاصل کرکے اپنے نجات دہندہ کو پہچانا تھا اور اپنی اس نئی دریافت کا جوش اُس کے قلب میں موجزن تھا۔ غرضیکہ کرشنا پال اور فیلکس دونوں ایک دُوسرے سے زیادہ مسیح کے شیدائی تھے۔ کرشنا پال نے اپنی داستان خُود بہ ایں الفاظ بیان کی ہے:-

"ایک دن ڈاکٹر ٹامس نے دریافت کیا کہ جو کچھ مَیں سُنتا ہُوں اُس کو سمجھتا بھی ہُوں یا نہیں۔ مَیں نے جواب دیا کہ مَیں یہ سمجھتا ہُوں کہ خُداوند یسُوع مسیح نے اپنی جان گُنہگاروں کی نجات کے لئے دی۔ مَیں نے کہا کہ مَیں بھی اس بات پر ایمان رکھتا ہُوں اور میری طرح میرا دوست گوکل بھی اعتقاد رکھتا ہے۔ تب ڈاکٹر ٹامس نے کہا کہ مَیں تم کو اپنا بھائی مانتا ہُوں۔ چلو دونوں مُحبّت کے ساتھ مل کر کھانا کھائیں۔ کھانے کی میز لگی ہُوئی تھی۔ لہٰذا تمام مشنری، ان کی بیویاں اور مَیں اور گوکل بیٹھ گئے اور ہم سب نے مل کر کھانا کھایا۔"

یہ خبر عوام کے لئے نہایت ولولہ انگیز تھی اور نوکروں نے آنِ واحد میں اس کو چاروں طرف پھیلا دیا۔ ہر شخص کی زبان پر یہی تھا کہ دو ہندو "یورپین بن گئے"۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ جب یہ دونوں گھر واپس جا رہے تھے تو ان پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ یاد رکھنے کا مقام ہے کہ اس واقعہ کے مکمّل تیس ۳۰ سال بعد بھی ڈف (DUFF) کے نوجوان برہمن طالب علموں نے اسی طرح علانیہ ذات کو توڑا تھا جس کی وجہ سے کلکتہ شہر میں ایک زبردست ہنگامہ برپا ہوگیا تھا۔ لیکن اس ہلچل ہی کی وجہ سے کلکتہ میں بدعت

سے برہمن مسیحی بن گئے -]

وارڈ نے مشن کے "جرنل" (JOURNAL) میں لکھا ہے کہ کس طرح ذات پات اور بُت پرستی کی لعنتوں کو نہ صرف مردوں نے دُور کیا بلکہ عورتوں نے بھی اس لایعنی جُوئے کو کندھوں سے اُتار پھینکا- اس "جرنل" کو پڑھتے وقت یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس میں وارڈ ایک ایسی قوم کا ذکر کر رہا ہے جس کے متعلق میکالے (MACAULEY) نے وارڈ کے تیس[۳۰] سال بعد بھی یہ رائے ظاہر کی ہے: "ان میں بہادری کا مادہ قطعی نہیں ہے - آزادئ طبع اور حق گوئی کو یہ جانتے بھی نہیں اور اگر یہ دلیری دکھاتے بھی ہیں تو محض دھوکا دہی ہیں"- وارڈ لکھتا ہے :-

"۲۷ نومبر- مَیں اور فیلکس راستہ میں جا رہے تھے کہ پیچھے سے کرشنا پال آ پہنچا- یہ وُہی شخص ہے جس کے زخمی ہاتھ کی مرہم پٹی کی گئی تھی- اس نے ہم کو بتایا کہ وُہ روز تعلیم حاصل کرنے ہمارے گھر آیا کرے گا کیونکہ ہم لوگوں نے نہ صرف اُس کی تیمارداری ہی کی بلکہ اُس کو نجات کی خوش خبری بھی دی ...."

۵ دسمبر- کل رات گوکل اور کرشنا نے ہمارے گھر پر دُعا میں شرکت کی- آج گوکل نے بتایا کہ اُس کی بیوی اور دو اور رشتہ دار انجیل کا اتّباع کرنے کی وجہ سے اُس کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں- اُس نے کرشنا کے ہاتھ سے چاول کھائے تھے اور چونکہ کرشنا نیچ ذات کا ہے اس لئے گوکل کی ذات بھی جاتی رہی کرشنا کہتا ہے کہ اُس کی بیوی اور اُس کا تمام خاندان مسیحی ہونا چاہتے ہیں- وُہ ہمارے شریک ہو کر نجات دہندہ کے تمام احکام ماننے کو تیار ہیں- گوکل نے اپنی بیوی سے بہت عرصہ تک جدّوجہد کی لیکن وُہ اپنی ضد پر قائم رہی اور اپنے رشتہ داروں کے ہاں چلی گئی"

۶- دسمبر- آج مَیں اور بھائی کیری کرشنا کے گھر گئے- تمام چیزیں بہت صاف سُتھری قرینہ سے رکھی تھیں- عورتیں گھر کے اندر بیٹھی تھیں، بچے دروازہ پر اور ہم لوگ کرشنا اور گوکل کے ہمراہ صحن میں بیٹھے ....

بھائی کیری نے گفتگو کی- ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عورتوں نے ہماری اُمیدوں سے زیادہ انجیل کی تعلیم حاصل کر لی تھی- اُنہوں نے فوراً مسیح کا اقرار کر لیا- یہ کام

بھائی کیری کے لئے بھی نیا تھا۔ ایک پُورا خاندان انجیل کا مشتاق ہے اور اُس پر ایمان لانے کو تیار ہے۔ کرشنا کی بیوی نے کہا کہ اُس کو انجیل سے بڑی مسرّت حاصل ہُوئی"۔

"۷ دسمبر بروز اتوار۔ آج بھائی کیری کرشنا کے مکان پر گئے۔ وہاں صحن میں لوگ بھرے ہُوئے تھے جن سے اُنہوں نے گفتگو کی۔ حالانکہ سردی کی وجہ سے یہ لوگ ٹھٹھر رہے تھے لیکن اُنہوں نے نہایت غور سے کلام کو سُنا......"

"۱۱۔ دسمبر۔ گوکل۔ کرشنا اور اُس کا خاندان کلام کی جستجو میں ہیں اور ہمارے ساتھ شریک ہونے کو قطعی تیار ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں نے یہ سیکھ لیا ہے کہ گُناہ ایک قابلِ نفرت چیز ہے۔ ان کو مسیح یسُوع کے متعلّق سُن کر بڑی خوشی ہے۔ ہم ان سب سے تقریباً روز مُلاقات کرتے ہیں۔ یہ ہمارے مکان سے آدھ میل کے فاصلہ پر رہتے ہیں........."

"۱۳۔ دسمبر۔ آج شام کو فیلکس اور میں اپنے دوست گوکل اور کرشنا سے ملاقات کرنے گئے۔ کرشنا باہر گیا ہُوا تھا گوکل نے اپنے رحجانِ طبع کے متعلّق نہایت تسلّی بخش بیان دیا اور کرشنا اور اُس کے خاندان کی طرف سے بھی اطمینان دلایا۔ جب ہم وُہیں تھے تو گوکل کا گرُو آیا۔ گوکل کے ذات توڑنے کے بعد یہ پہلی مرتبہ آیا تھا۔ گرُو کے پاؤں اپنے سر پر رکھوانے کی غرض سے گرُو کے سامنے ماتھا ٹیکنے سے گوکل نے صاف انکار کر دیا اور اس پر اُس کا گرُو بہُت ناراض ہُوا......"

"۲۲۔ دسمبر۔ آج گوکل اور کرشنا کھانا کھانے آئے.......... اور اس طرح اُنہوں نے علانیہ ذات پات کے بندھنوں کو توڑ دیا۔ اس سے پہلے کہ اس کو عملی جامہ پہنائیں بھائی کیری اور بھائی ٹامس نے اُن کے ساتھ دُعا کی۔ ہمارے تمام ملازم متحیّر تھے کیونکہ اکثر لوگ یہی کہا کرتے تھے کہ کوئی مسیح کی پرواہ نہیں کرے گا اور نہ ہی کوئی ذات کو چھوڑے گا"۔

بھائی ٹامس نے پندرہ ۱۵ سال تک انتظار کیا ہے اور دھوکا باز لوگوں کی خاطر بہُت کچھ خرچ بھی کیا ہے۔ بھائی کیری نے بھی اُس وقت تک انتظار کیا ہے جب کہ اُس کی کامیابی کی تمام اُمیدیں خاک میں ملتی دکھائی دینے لگی تھیں۔ اور آخر کار خُدا نے

اس کام کو نہایت آسانی سے انجام کو پہنچایا۔ غرضیکہ اس اُمید و بیم کے بعد اس صُورت سے ایمان کا دروازہ غیر اقوام کے لئے کُھل گیا۔ اب کون اس دروازہ کو بند کر سکتا ہے؟ ذات پات کی مضبوط زنجیریں ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی ہیں۔ اب کون اُن کو جوڑ سکتا ہے؟"

چنانچہ وُہ دن بھی آ گیا جس کا انتظار سب بڑی بے چینی سے کر رہے تھے۔ کیری نے اس مبارک دن کی یاد ان الفاظ میں کی ہے:-

"۲۹ دسمبر۔ کل نہایت شادمانی اُور کامرانی کا دن تھا کیونکہ کل مَیں نے اپنے بیٹے فیلکس اور ایک ہندُو کرشنا نامی کو گنگا میں بپتسمہ دیکر گنگا جی کو بقول ہندوؤں کے ناپاک کر دیا۔"

یہ مبارک رسم متعدد یورپین افسران اور سیرامپور کے گورنر (GOVERNOR) کی موجودگی میں ادا کی گئی۔ جُونہی کرشنا پال بپتسمہ کے بعد پوشاک تبدیل کر کے واپس آیا ایک نحیف و کمزور یورپین خاتُون نے اس کا ہاتھ پکڑ کر نہایت جوش کے ساتھ اُس کو مبارکباد پیش کی (اس خاتُون سے ہم چودھویں باب میں پھر ملاقات کریں گے۔)

تمام سامعین کے لئے یہ ایک مسرت انگیز منظر تھا اور حاضرین حمد و شکر گزاری کے بنگالی بھجن گا رہے تھے جو رونق کو دوبالا کرنے کا باعث تھے۔ لیکن افسوس کہ ان تمام خُوشیوں کے ساتھ ساتھ ایک طرف سے فیلکس کی والدہ کے خدا اور اس کی بڑبڑاہٹ کی آواز آ رہی تھی اور دُوسری طرف سے کرشنا پال کے رُوحانی باپ ٹامس کے پاگل پن میں چلّانے اور غُل مچانے کا شور بلند ہو رہا تھا۔ دونوں مالیخولیہ کے مریض تھے۔ ایک غم کا شکار اور دُوسرا شادی غم میں مُبتلا۔

کرشنا پال کے بپتسمہ پانے کے کچھ عرصہ بعد ہی اُس کے خاندان نے بھی اُس کی تقلید کی۔ اُس کی سالی جے مُنی پہلی بنگالی عورت تھی جس نے کرشنا پال کے دو ہفتہ بعد ہی مسیحیّت کو قبول کیا۔ جب لوگوں نے جے مُنی کو طعنہ دے کر پُوچھا کہ مسیحی ہونے کے بدلے اُس کو "کتنی رقم ملی" تو جے مُنی نے جواب دیا کہ "مجھے جو خزانہ ملا ہے وُہ دُنیا کی تمام نعمتوں سے بیش قیمت ہے۔"

جے مُنی کی دلیری کو دیکھ کر اُس کی بہن اس مُنی (یعنی کرشنا پال کی بیوی) کی ہمت

بھی بڑھ گئی اور ماہِ فروری میں اُس نے بھی ایمان لانے کا اقرار کر کے مسیحی دین کو علانیہ قبول کر لیا۔

گوکل اپنی بیوی کملا کی وجہ سے عرصہ تک پس و پیش میں پڑا رہا۔ کیونکہ وہ اپنے والد کے گھر بھاگ گئی تھی لیکن کرشنا اور اُس کا خاندان پہلے گوکل کو لے آئے اور اس کے بعد اُس کی بیوی بھی مسیحی ہو گئی۔ کملا کی سادگی اور صاف گوئی کا اثر نومریدوں پر بہت پڑا۔

ان کی عزیز دوست انّا چمار ذات کی بیوہ تھی۔ اُس نے بھی بپتسمہ پایا۔ یہ برہمنوں کے ظلم۔ لالچ اور توہّم پرستی کی ستائی ہوئی اُن لاکھوں بہنوں میں سب سے پہلی فرد تھی جن کو مسیحیت نے شروع سے اب تک پناہ اور نجات کی دعوت دی ہے۔

۱۸۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق ہندوستان میں بارہ کروڑ چالیس لاکھ عورتیں تھیں۔ اُن میں سے دو کروڑ دس لاکھ کے متعلق مردم شماری میں یہ لکھوایا گیا تھا کہ وُہ بیوہ ہیں۔ ان بیواؤں میں سے چھ لاکھ انہتّر ہزار ایسی تھیں جو اُنیس ۱۹ سال سے کم کی تھیں۔ دو لاکھ چھیاسی ہزار کی عمر پندرہ ۱۵ سال سے کم کی تھی اور اناسی ہزار نو ۹ برس سے بھی کم عُمر کی تھیں!!! ان مظلوم و بےکس رُوحوں میں انّا سب سے پہلی تھی جس نے مسیحی دین کو قبول کر کے معلوم کیا کہ اس مذہب میں صنفِ نازک کی کیسی اُونچی قدر و منزلت ہے۔

جے مُنی اور انّا دونوں فوراً اپنی ہم وطن بہنوں کے درمیان مشنری بن کر گئیں اور نہ صرف سیرامپور بلکہ چندرنگر اور اُس کے گرد و نواح میں بھی اُنھوں نے دینی خدمت کی۔

سنہ ۱۸۰۰ء کا مبارک سال اعلےٰ ذات والوں میں سے بھی مسیح کے قدموں میں چند ہدیے لایا۔ پیتمبر سنگھ کائستھ ذات کا ایک پچاس ۵۰ سالہ شخص تھا۔ اُس نے تیس ۳۰ سال تک ہندوؤں کے مختلف تیرتھوں پر نجات کی تلاش میں دھکّے کھائے تھے اور متعدد پوتھیوں کی ورق گردانی کی تھی۔ لیکن جب سیرامپور کے پریس کا ایک پُرانا پرچہ اُس کے ہاتھ لگا تو یہ چالیس میل کی مسافت پیدل طے کر کے اُس کے مصنّف سے ملاقات کرنے اور تعلیم حاصل کرنے آیا۔

پینتمبر سنگھ کے مسیحی ہونے سے کیری کو وہ شخص مل گیا جس کی اُس کو سخت ضرورت تھی یعنی ایک قابل مدرّس۔ اس کے علاوہ پینتمبر سنگھ ہی سب سے پہلا ہندوستانی مسیحی واعظ بھی بنا۔

شیام داس اور پینتمبر مِتّر بھی کالستھ ہی تھے۔ پینتمبر مِتّر کی بیوی دروپدی اپنے نوجوان خاوند کی طرح دلیر اور بہادر نکلی۔ ان تمام لوگوں نے بھی مسیح کا اقرار کر کے بپتسمہ حاصل کیا۔

شُودروں کی نمائندگی شیام داس کے ہمسایہ بھرت نے کی۔ یہ ایک ضعیف العُمر شخص تھا جس کا بیان ہے کہ "میں مسیح کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ میں دوزخ میں گِرتا جا رہا تھا اور بچنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی تھی"۔

مسلمانوں میں سے پہلا نومُرید شیام داس کا ایک اور ہمسایہ پیرو تھا۔

سندربن کے اُس مقام سے جہاں کیری نے اپنی مشنری زندگی شروع کی تھی۔ اُس کے پاس ۱۸۰۲ء کے اختتام پر وہ شخص آیا جو ہندوستان بھر میں سب سے پہلا برہمن ذات میں سے مسیحی ہونے والا تھا۔ اُس کا نام کرشنا پرشاد تھا۔ یہ عمر میں اُنیس ۱۹ سال کا نوجوان تھا۔ "اُس نے اپنے دوستوں اور اپنی اعلیٰ ذات کو بہت دلیری سے ترک کیا اور برہمنوں میں سب سے پہلے بپتسمہ پایا۔ مسیح کی موت کا پیغام اُس کے دل پر اثر کر گیا اور وہ بڑے حلم اور شیفتگی کے ساتھ کلام کی تعلیم حاصل کر رہا ہے"۔

۱۸۰۴ء میں پینتمبر سنگھ کے ذریعہ دو اور برہمن آئے۔ اس سال کے اختتام تک کُل بپتسموں کی تعداد ۴۸ ہو چکی تھی جن میں سے ۴۰ ہندوستانی مرد اور عورتیں تھیں۔

کیری ایک دُور اندیش عالم اور حقیقی مسیحی تھا۔ اُس نے رسولوں کی طرح نہ صرف نومُریدوں کے رُوح و جسم کو مسیح کے لئے جیت لیا بلکہ اُن کے ناموں کو بھی ایک تقدیسی حیثیت بخش دی۔ پولوس نے بھی ایسا ہی کیا تھا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ رُومیوں کے نام کے خط کے سولھویں باب کی چودھویں آیت میں رُوم کے مسیحیوں کے ساتھ ساتھ "ہرمیس" کو بھی سلام بھیجتا ہے .... "ہرمیس" قدیم یونان کا ایک دیوتا اور تمام دیوتاؤں کے سردار "زیوس" (ZEUS) کا فرزند تھا۔ رُوم میں اس کا نام "مرکری" (MERCURY) یعنی "عطارد" رکھا گیا۔ "ہرمیس" یا "مرکری" دیوتاؤں کا

قاصد مانا گیا ہے اور خود "سائنس ایجادات ۔ فصاحت ۔ چالبازی ۔ دھوکا بازی ۔ چوری ۔ خوش قسمتی ۔ دفینہ ۔ جوانی اور کسرت" جیسی مختلف خاصیتوں کا دیوتا تھا ۔ رُوم میں "ہرمیس" نام بُت پرستوں میں اِسی طرح ہر دلعزیز تھا جس طرح آج کل ہندوؤں میں "کرشن سروپ" "گردھاری لال" "شیام مراری" "بنسی دھر" "رادھے شیام" "برجموہن لال" اور "گوکل چند" وغیرہ کرشن کی پوجا کرنے والوں میں عام ہیں ۔ لہٰذا گمان غالب ہے کہ پولُوس نے "ہرمیس" نامی کسی بُت پرست رُومی کو مسیحی بنایا تھا اور اُس کا نام تبدیل کرنے کی ضرورت محسُوس نہ کی ۔ بالکل یہی طرزِ عمل کیری کا بھی تھا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ رُوم کے "ہرمیس" کی طرح کیری نے بھی کلکتہ اور سیرامپور کے "کرشنا" کے پُرانے نام کو اُس ہی کے ساتھ وابستہ رکھا ۔

مسیحیت قبول کرنے کے بعد نومرید کرشنا پال نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے مکان کے مقابل اپنے صرف سے ایک عبادت گاہ بنائی ۔ یہ بنگال میں سب سے پہلی عبادتگاہ تھی جو دیسیوں نے تعمیر کی ۔ اس کے افتتاح کے وقت کیری ہی نے اس میں سب سے پہلا وعظ کیا ۔ افتتاح کے وقت مسیحی خاندانوں کے شرکا کے علاوہ بیس اشخاص اور موجود تھے ۔

اُس سڑک کے کنارے جس پر ہر سال جگن ناتھ کی رتھ کا جلوس نکالا جاتا ہے مشنریوں نے ایک قطعۂ زمین خرید کر اُس میں منادی اور تبلیغ کے لئے ایک مکان تعمیر کروایا اور وہیں ایک مدرسہ اور گوکل کے لئے ایک رہائشی مکان اور مسیحی بیوہ انّا کے لئے ایک حجرہ بنوا دیا ۔ اس تعمیر کا تمام خرچ کپتان وکس (CAPT. WICKES) نے دیا جو ان لوگوں کے بپتسمہ کے وقت حاضر تھے اور جنہوں نے اس بپتسمہ کو دیکھ کر بہت خوشی حاصل کی تھی ۔ جب مسیحیوں نے یہ زمین خریدی تو قریب رہنے والا برہمن بہت برہم ہوا اور اپنی جائداد فروخت کرنے پر آمادہ ہو گیا کیونکہ وہ ان لوگوں سے سخت نفرت کرتا تھا ۔

یہ جائداد کُل چھ پونڈ کی قلیل رقم میں تیار ہو گئی لیکن رفتہ رفتہ اس میں کافی آبادی ہو گئی ۔ یہ آخری نشانی ان بپتسمہ یافتہ رُوحوں کی تھی جنہوں نے کیری کے ہاتھوں سے بپتسمہ حاصل کیا تھا ۔ یہ جائداد ۱۸۷۵ء میں معدوم ہو گئی ۔

نومریدوں کے بل جانے سے اب یہ فکر پیدا ہوئی کہ یہ سچے مسیحی بنے رہیں ۔

جیسا کہ قدیم کرنتھس کی کلیسیا میں ہُوا تھا یہاں بھی نئے مسیحیوں نے شروع شروع میں پاک عشاء کی رسم کے تقدس اور اُس کی اہمیت کو نہ پہچانا۔ چنانچہ جب کرشنا پال کو یہ بات بہت ناگوار گزری کہ اُس سے پہلے پیتمبر سنگھ کو کیوں وعظ کہنے کا موقعہ دیا گیا تو کرشنا پال نے عشاء کی رسم خود ادا کر کے ایک بدعت شروع کر دی۔ اس بدعت کی وجہ سے مشنریوں کو سخت رنج پہنچا لیکن جلد ہی کرشنا پال اپنی غلطی کو مان کر پشیمان ہو گیا۔

چونکہ یہ نئے مسیحی ایسے لوگوں کی زیرِ تعلیم تھے جنہوں نے مسیح کی خاطر اپنا سب کچھ دے دیا تھا اس لئے اُنہوں نے شروع ہی سے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سیکھا۔ اگر یہ مقصود ہے کہ کلیسیا خود بڑھے اور ترقّی کرے تو اس کی ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ نہایت اہم اور ضروری ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ شروع ہی سے بہتیرے مشنریوں نے اس مضمون کی طرف توجہ نہیں دی اور اب بھی اس مسئلہ کی اہمیت کو کافی طور پر محسوس نہیں کیا جاتا۔

لیکن کیری۔ مارشمین اور وارڈ تجربہ نہ ہونے کے باوجود اس بات کو سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مسلم نومرید نے درخواست کی کہ کاشتکاری کرنے اور ریشم کے کیڑوں کی پرورش کرنے کے لئے اُس کی مالی امداد کی جائے۔ مگر وارڈ نے صاف کہہ دیا کہ "ہم نہیں چاہتے کہ ہم کوئی ایسی ناواجب مثال قائم کریں"۔

کیری اور اُس کے ساتھی ہر وقت نومریدوں کے مسئلہ پر غور و خوض کیا کرتے تھے تاکہ ان لوگوں کی زندگی سُدھر جائے اور اُن کے خیالات اور طرزِ عمل میں ایک انقلاب برپا ہو جو اُن کی رُوحانیت کا جُز بن جائے۔ کیونکہ یہ لوگ ایک ایسے مذہب میں پیدا ہوئے تھے جو مسیحیّت سے بالکل متضاد تھا۔ ان کی پرورش اور تعلیم ایسے طریقہ پر ہوئی تھی جس میں مسیحی اصولوں اور مسیحیّت کے اعلےٰ خیالات کے لئے کوئی گنجائش نہ تھی۔ غرضیکہ جس ماحول میں بیشتر حصّہ عمر تک اُنہوں نے تربیت حاصل کی تھی اس کا اثر یہ ہُوا کہ وہ اس نئے مذہب کے علوّ اور بلندی کو نہ سمجھ سکے۔ ان خیالات کے پیشِ نظر اس امر کی اشد ضرورت تھی کہ ان کو اپنے نئے مذہب کی بلندی اور رُوحانی گہرائی سے روشناس کر دیا جائے یہ اگرنا ممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔

کیری شمالی ہند میں نہ صرف ایک کلیسیا کی بُنیاد ڈال رہا تھا بلکہ ایک نئی اخوّت

یا ایک نئی مِلّت کی داغ بیل رکھ رہا تھا جس کی بُنیادی چٹان مسیحی خاندان متصوّر تھا۔ چُنانچہ فلپٹی کے جیلر کی طرح کرشنا پال بھی اپنے خاندان سمیت مسیحی ہُوا تھا۔ یہ فوراً تمام مسیحیوں کا گرُو مقرر کردیا گیا۔ لیکن جلد ہی کیری کو شادی بیاہ وغیرہ کے معاملات میں بھی سخت دُشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان نئے مسیحیوں پر ہندُوؤں کے ظُلم کی پہلی مثال یہ تھی کہ کرشنا پال کی سب سے بڑی لڑکی گولک کی شادی بچپن ہی میں ہو چکی تھی۔ لڑکی کے سُسرال والے اس کو زبردستی کلکتہ لے گئے کیونکہ وہاں کا انگریزی قانون اور سیرامپور کی ڈنمارک (DENMARK) کی حکومت کا قانُون دونوں بچپن کی شادی کو تسلیم کرتے تھے۔ لیکن مسیحی ہونے کی وجہ سے گولک اس رشتہ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی تھی کیونکہ یہ نہ صرف بُت پرستی پر مبنی تھا بلکہ اس میں کثرتِ ازدواج کی رسم کا مکرُوہ جُز بھی ایک حد تک شامل تھا۔ کچھ عرصہ تک گولک کو بہُت دُکھ برداشت کرنا پڑا۔ اعلانیہ مسیحی طریق پر عبادت کرنے کے "جُرم" میں جب کبھی اُس کا شوہر اُس کو زدوکوب کرتا تو یہ غریب تنہائی میں اپنے مسیح سے دُعا کیا کرتی تھی۔ اس نے وہ کھانا چھُونے سے بھی انکار کردیا جو بتوں کو بطور چڑھاوے کے پیش کیا جاتا تھا۔ آخر کار یہ سب کچھ اُس بیکس عورت کی برداشت سے باہر ہوگیا اور وہ اپنی جان چھُڑا کر اپنے باپ کرشنا پال کے گھر بھاگ آئی۔ یہاں آکر اُس نے بپتسمہ حاصل کیا اور کچھ عرصہ کے بعد اُس کا شوہر بھی پشیمان ہو کر اُس کے ساتھ مِل گیا۔

ایسی دِقّتوں کے علاوہ ایک اور دُشواری تھی جو اُس وقت بھی پیش آئی اور آج کل بھی ہمیں اکثر اس سے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ یعنی ان مردوں کا مسئلہ جن کی ایک سے زیادہ منکُوحہ بیویاں ہوتی ہیں۔ ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر ڈاڈرِج (DR. DODDRIDGE) صاحب کی صلاح سے اس دِقّت کو مسیح کی تعلیم (متّی ۱۹ باب) اور پولُوس کے کہنے (اکرنتھیوں ۷ باب) کے مطابق حل کیا گیا۔

اُس زمانہ کے ہندوستانی مسیحیوں کی خاندانی زندگی کی مندرجہ ذیل دو قلمی تصاویر اس مقام پر دلچسپی سے خالی نہ ہوں گی۔

۱۸۰۲ء میں کیری نے نکاح کی رسم کے لئے ایک ترتیب مرتب کی۔ یہ کلیسیائے انگلستان کے دستور کے مطابق تھی۔ جب سبھارام داس کی شادی اس رسم کے بموجب کی

گئی تو حاضرین نے محسوس کیا کہ ہندوؤں کی طول طویل جھنگی اور گندی رسومات کے مقابلہ میں یہ مختصر لیکن مؤثر رسم نکاح قطعی قابلِ عمل سہل اور دلکش ہے۔

ایک سال کے بعد برہمنوں میں سے مشرف بہ مسیحیت ہونے والے ایک شخص کا نکاح کرشنا پال کی لڑکی سے ہوا۔ نکاح کے وقت ایک سَو سے زیادہ ہندو لوگ جمع تھے۔ اُس وقت تمام لوگوں پر یہ اچھی طرح ظاہر ہو گیا کہ مسیحیوں میں ذات پات کے جھگڑے قطعی نہیں ہیں اور یہ بھی کہ وُہ سب مِل کر اپنے واحد نجات دہندہ کے سایۂ عاطفت میں بھائی بھائی ہیں۔ "ڈائری" میں اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں قلمبند کیا گیا ہے:۔

"۴ر اپریل ۱۸۰۳ء۔ آج صبح ہی ہم کرشنا کی لڑکی آنندہ کے بیاہ میں شریک ہونے گئے جو کرشنا پرشاد کے ساتھ ہوا۔ کرشنا نے اپنے داماد کو اپنے مکان کے نزدیک ایک قطعۂ اراضی دیا ہے تاکہ وُہ اُس پر ایک رہائشی مکان تعمیر کرلے۔ ہم نے کرشنا پرشاد کو مکان بنانے کے لئے مبلغ ۵۰ روپے بطور قرض بھی دیا جس کو وُہ اپنی تنخواہ میں سے ہر ماہ قسط وار ادا کرے گا۔

اس نئے مکان کے افتتاح کی عبادت کی گئی جس میں بہت سے ہسلئے شریک ہوئے۔ پانچ بھجن گائے گئے؛ بھائی کیری اور بھائی مارشمین نے بنگالی زبان میں دُعائیں کیں۔ اس کے بعد ہم مکان کے نزدیک ایک شامیانہ میں گئے جہاں کُرسیاں اور چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ اس جگہ تمام دوست احباب بیٹھ گئے بھائی کیری صدر نشین تھے۔ ایک مختصر سی تمہید کے بعد جس میں اُنہوں نے نکاح کی حقیقت کو واضح کیا اور شادی کے متعلق ہندو رسوم کی نکتہ چینی کی۔ اُنہوں نے ۲ کرنتھیوں کے ۶ باب کی ۱۴ آیت سے ۱۸ آیت تک ورد پڑھا۔ اس کے علاوہ قانائے گلیل کی شادی کا بیان بھی پڑھا۔

پھر چھپا ہوا شادی کا اقرار نامہ پڑھ کر سُنایا گیا جس کے بعد کرشنا اور آنندہ کے ہاتھ مِلا کر اُن سے باہمی محبّت۔ وفاداری۔ اطاعت وغیرہ کے وعدے لئے گئے۔ بعد ازاں دونوں سے شادی کے اقرار نامہ پر دستخط کرائے گئے۔ نیز کیری، مارشمین وارڈ، چیمبرلین۔ رام رتن وغیرہ نے بھی بطور گواہ اپنے اپنے دستخط ثبت کئے۔ اور

تمام کارروائی وارڈ کی دعا کے ساتھ ختم ہوئی۔

یہ رسم نہایت شائستہ طریقہ پر ادا کی گئی اور تمام حاضرین کو اس سے بیحد مسرت حاصل ہوئی۔"

وارڈ اپنی "ڈائری" میں مزید لکھتا ہے:۔

"یہ شادی ہندوؤں کے ذات پات کے ڈھکوسلے پر ایک نہایت شاندار فتح ہے کیونکہ یہ شادی ایک برہمن لڑکے اور شودر لڑکی کے مابین ہوئی اور نیز اس میں ایک ہندوستانی کے مکان پر انگریزوں نے ہندوستانیوں کے ہمراہ کھانا کھایا۔ اگر ہندو تواریخ صحیح ہے تو بنگال میں ایسا منظر لاکھوں برس میں آج پہلی مرتبہ دیکھنے میں آیا۔"

مندرجہ بالا شادی کی تصویر کے علاوہ ہمارے روبرو اس وقت کی موت کی ایک تصویر بھی ہے۔ اس کو پڑھتے وقت یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جبکہ سیرامپور میں ڈنمارک والوں کا ایک مسیحی قبرستان تو ضرور تھا لیکن اس میں مردے دفنانے کو پادری نہیں آنے تھے تاکہ نمازِ جنازہ پڑھائیں، گورنمنٹ کا ایک سیکرٹری اس کام کے لئے متعین تھا کہ لاش کو مزدوروں یا رشتہ داروں کے ذریعہ قبر میں اتروا کر ایک مٹھی خاک ڈال کر چل دے اور باقی قبر معماروں یا مزدوروں کے پُر کرنے کو چھوڑ جائے۔ کیری اور اس کے ساتھی ہرگز مرحومین کی اس توہین کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہ تھے لہٰذا انہوں نے نمازِ جنازہ پڑھنے کی ذمہ داری کو اپنے اوپر لے لیا اور اس کے بعد ہی سے یہ رسم ایک مؤدبانہ اور شائستہ طریقہ پر ادا ہونی شروع ہوئی

۱۸۰۰ء میں سیرامپور کے مسیحیوں نے ایک ایکڑ زمین موجودہ ریلوے سٹیشن کے نزدیک خرید کر اس کو قبرستان کے واسطے وقف کر دیا۔ اسی قبرستان میں وہ پہلی نماز جنازہ ادا ہوئی جس کا ہم ذکر کریں گے اور اسی قبرستان میں آج کیری۔ مارشمین۔ وارڈ اور ان کے خاندانوں کے جسم اس دن کے انتظار میں محوِ آرام ہیں جبکہ ان کا نجات دہندہ بادلوں پر سوار ہو کر ان کے استقبال کو آئے گا اور ان کو اس ابدی بادشاہت میں داخل کرے گا جس کے وہ حقیقی مستحق ہیں۔ مارشمین کے الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

"۷۔ اکتوبر ۱۸۰۳ء۔ ہمارا عزیز دست گوکل آج صبح دو بجے انتقال کر گیا۔ بارہ

بجے رات کو اُس نے تمام بھائیوں کو بُلا بھیجا تاکہ اُس کے پاس بھجن گائیں اور دُعا کریں۔ آخری وقت تک وُہ اپنے ہوش و حواس میں تھا اور مطمئن رہا۔

ایک دن پیشتر اُس کو چند پڑوسیوں نے صلاح دی تھی کہ کسی وَید سے مشورہ کرے لیکن اُس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اُس کے واسطے سوائے یسُوع مسیح کے اور کوئی طبیب نہیں۔ اُنہوں نے اُس سے سوال کیا کہ جب تم مسیح کے پیرو ہو گئے ہو تو کیا وجہ ہے کہ تُم کو اس قدر تکلیف ہوتی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ میری تکلیف میرے پاؤں کی وجہ سے ہے۔ میرا مالک سب کام ٹھیک ہی کرتا ہے!!!"

گوکل اپنی بیوی کملا سے بہت مُحبّت کرتا تھا۔ جب اُس نے کملا کو روتے دیکھا تو کہا "تُو میرے لئے کیوں روتی ہے؟ تجھ کو دُعا میں مشغُول رہنا چاہیئے"۔

بیماری کے شرُوع ہی سے گوکل کو بچنے کی کوئی اُمّید نہ تھی لیکن وُہ شکایت کا ایک حرف بھی زبان پر نہیں لایا اور نہ ہی اُس نے کبھی دوا کی پرواہ کی۔ وُہ صرف یہی کہا کرتا تھا "مَیں اپنے مالک کے ہاتھ میں ہُوں۔ مجھے اور کسی طبیب کی ضرُورت نہیں"۔ غرضیکہ اُس کا صبر و استقلال حیرت انگیز تھا۔ مَیں نے کبھی اُس کی زبان سے یہ جُملہ نہیں سُنا کہ مجھے زیادہ تکلیف ہے۔ گوکل کے پُر اطمینان استقلال اور پُر مسرّت انتقال نے ہمارے دوستوں پر بہت اثر کیا۔ وُہ آپس میں کہتے تھے کاش ہمارا دل بھی گوکل کے دل کی طرح ہو جائے!

یہ تو ہم کو معلُوم ہی تھا کہ ہندُو لوگ لاش سے کتنا پرہیز کرتے ہیں اور خاص کر وُہ اس بات پر ہرگز رضامند نہ ہوں گے کہ ایک بالغ شخص کی لاش کو دفنانے میں مدد دیں اس لئے مَیں نے کفن کا صندُوق اپنے ہی گھر پر اُن بڑھئیوں سے تیار کروایا جو ہمارے مُلازم ہیں۔ لیکن اُنہوں نے اس (خالی صندُوق) کو بھی گوکل کے مکان تک لے جانے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کے علاوہ جنازہ کو قبرستان تک لے جانے کا بھی سوال تھا۔ اکثر یورپین لوگ اس کام کے لئے پُرتگالی مزدُوروں کو اُجرت پہ بُلا لیتے ہیں۔ ان پُرتگالیوں کا پیشہ یہی ہے۔ لیکن مَیں دیکھ رہا تھا کہ غریب ہندوستانی مسیحی ایسا نہ کر سکیں گے۔ اور پھر یہ بھی نہایت ضرُوری تھا کہ ان کو تعلیم دی جائے کہ اپنے متوفّی عزیزوں اور ہمسائیوں

اور ہم مذہب بھائیوں کی یہ آخری خدمت انجام دینا اپنا فرض سمجھیں لیکن دِقّت یہ تھی کہ کرشنا ایک دن پہلے خود بیمار ہو گیا تھا۔ ۲ دو بھائی وارڈ کے ساتھ شہر سے باہر کہیں گئے ہوئے تھے لہٰذا ہم زیادہ سے زیادہ ۳ تین اشخاص کو جمع کر سکتے تھے۔ کیری گھر پر نہیں تھے لہٰذا مَیں نے فیلکس اور ولیم سے مشورہ کیا۔ صلاح یہ ہوئی کہ ہم آپس میں کوشش تو کریں۔ چنانچہ ۵ پانچ بجے شام کو ہم اُس کے مکان پر پہنچے۔

یہاں ہندو مرد و زن کثیر تعداد میں موجود تھے۔ اُن کے علاوہ صحن میں بھی لوگ بھرے ہوئے تھے اور راستہ میں بھی دو رویہ قطاروں میں کھڑے تھے۔ کرشنا نے گرہ سے کفن کے صندوق پر سفید ململ چڑھا دی تھی۔ اس میں لاش کو بند کر کے ہم اُس خاموش اور حیرت زدہ مجمع کے سامنے لائے۔ یہاں ہم نے کرشنا کا وُہ بھجن گایا جس کی استھائی یہ ہے "یسُوع کی موت میں نجات ہے"۔ بھید ب برہمن۔ ہندو مسلمان۔ فیلکس اور مَیں نے جنازہ کو اُٹھایا اور ولیم کی مدد سے ہم لاش کو اُس کی آخری آرامگاہ کی طرف لے کر چلے۔ ⁂ ⁂

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

لوگوں کا ہجوم بہت بڑا تھا۔ اُن کو یہ منظر بہت انوکھا اور عجیب معلوم ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ مسیحیوں کی اس باہمی محبّت اور اخلاق کا جو وُہ اپنے مُردوں تک سے روا رکھتے ہیں اُن پر بہت اثر ہوا۔ کیونکہ یہ اُن کے اپنے دستور سے بالکل مختلف تھا۔ یہ لوگ اپنے دوستوں کو کبھی مُردہ اور کبھی کبھی نیم مُردہ حالت ہی میں دریا میں پھینک دیتے ہیں یا اُس کی لاش کو پھُونک دیتے ہیں۔ اور اکثر اُن کے مُردوں کے ساتھ ایک سے زیادہ شخص بھی دیکھنے میں نہیں آتا ؟

بارھواں باب

قانونی مشکلات

موجودہ باب کے مضمون کو شروع کرنے سے پیشتر چند باتوں کا بیان کر دینا ضروری ہے۔ اوّل یہ کہ جن واقعات کا ذکر اس باب میں کیا گیا ہے وہ ۱۸۰۵ء سے ۱۸۱۳ء تک کے ہیں۔ یہی زمانہ تھا جس میں کیری نے وہ تبلیغی خدمات سرانجام دیں جن کا ذکر آیندہ باب میں ملے گا۔

جن قانونی مشکلات کا ذکر اس باب میں کیا گیا ہے وہ دراصل یا تو تیرھویں[۱۳] باب کے مضمون کے دوران میں بیان ہونی چاہیئے تھیں یا پھر تیرھویں[۱۳] باب کے مضمون کو بیان کر دینے کے بعد ان کا ذکر ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن ہم قصداً اس کو نظر انداز کرتے ہیں تاکہ آیندہ باب کے مطالعہ کے وقت ناظرین یہ امر ملحوظ خاطر رکھیں کہ کیری نے اپنی عظیم تبلیغی خدمات کن تکالیف کے ماتحت اور کس دماغی کشمکش کا مقابلہ کرتے ہوئے انجام دیں۔

علاوہ بریں یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ ہم نے اس باب کو ناظرین کی سہولت کے لئے چار حصّوں میں تقسیم کر دیا ہے جن میں دو ہندوستان کے مناظر ہیں اور دو انگلستان کے کیونکہ موجودہ مضمون کی اہمیت کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن مطالعہ کرتے وقت ناظرین کو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ تمام واقعات بیک وقت پیش آئے تھے اور یہی وہ تکالیف تھیں جو ہمارے ہیرو کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھیں۔

مشکلات کا آغاز اس طرح سے ہوتا ہے کہ ۵۔ اکتوبر ۱۸۰۵ء کو بمقام غازی پور گورنر جنرل لارڈ ویلزلی (LORD WELLESLEY) کا اچانک انتقال ہو گیا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ آپ کیری کو کس قدر عزیز رکھتے تھے اور اُس کی کتنی عزت کرتے تھے۔ مرحوم لارڈ ویلزلی کے بدلے کونسل کے سب سے بڑے رکن سر جارج بارلو (SIR GEORGE

(BARLOW) قائم مقام گورنر جنرل مقرر ہوتے ہی تھے کہ کسی نے اُن کے کان بھر دئے۔ اُن کو سمجھایا گیا کہ ویلور کی بغاوت اور اُس سے متعلقہ تمام خونی واقعات کی تہ میں مشنریوں کی تبلیغی سرگرمیاں ہیں کیونکہ عوام ان کی حرکتوں سے بہت آزردہ و پریشان ہیں پس سر جارج بارلو ان افواہوں پر غور کر ہی رہے تھے کہ سیرامپور کے لئے ۲ دو مشنری اور پہنچ گئے۔ اُن کی آمد نے گویا واقعات کی رفتار میں ایک سُرعت پیدا کر دی۔ سب سے پہلے کپتان وکس (Capt. WICKES) کے جہاز کو بندرگاہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ ملی۔ پھر چیٹر (CHATER) اور رابنسن (ROBINSON) کے خلاف امتناعی احکام جاری کر کے اُن کو کہا گیا کہ وہ فوراً واپس چلے جائیں۔ خود کیری کو ۲۶۔ اگست ۱۸۰۶ء کو سپریم کورٹ (SUPREME COURT) کے سرکاری مترجم کے رُوبرُو حاضر ہونا پڑا، جہاں اُس کو قائم مقام گورنر جنرل کا حکم پڑھ کر سنایا گیا کہ "مشن آئندہ ہندوستانیوں کے درمیان تبلیغ کرنے سے باز رہے۔ نہ ہی کوئی پرچے تقسیم کرے اور نہ کسی ہندوستانی مبلّغ کو تبلیغ کی غرض سے روانہ کرے .... چونکہ سرکار خود رعایا کے مذہبی معاملات میں مخل ہونا مناسب نہیں سمجھتی لہٰذا کیری اور اُس کے ساتھیوں کو بھی ایسا نہ کرنا چاہیئے۔

اس حکم کی تعمیل کرنے کا وعدہ دیکر کیری اپنے کام کے راستہ میں دشواریاں پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا وہ خاموشی سے واپس آ گیا۔ مایوسی اور ناامیدی اُس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی۔ گذشتہ تیرہ ۱۳ سال کی تمام مشکلات ایک ایک کر کے ذہن میں دوبارہ آئیں اور اس نئی دِقّت کے رُوبرُو ان گذشتہ تلخیوں کا مجموعی اثر جہاں سیرامپور کی اخوّت پر پڑا وہاں کیری نے سب سے زیادہ اس کو محسوس کیا۔

نصف شب کو یہ خبر سیرامپور پہنچی اور اُسی وقت اُنہوں نے اپنے ہمدرد دوست ہنری مارٹین (HENRY MARTYN) کو بیدار کیا۔ اُس کے ساتھ مل کر سب نے خُدا سے دُعا کی کہ وُہی اس مشکل کو آسان کرے۔ آدھی رات کی اس عبادت کے بعد یہ اس اُمید پر سو گئے کہ صبح ہی اپنے بارسوخ دوستوں کی وساطت سے گورنر جنرل کے حضور میں درخواست کی جائے، کہ ان احکام کو واپس لے لیں۔

مگر سرکار نے اس امر کا تو اقرار کر لیا کہ کیری اور اُس کے ساتھیوں کے خلاف کسی کو

کوئی شکایت نہیں ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے فیصلہ پر قائم رہی۔ سیرامپور والوں کو اختیار تھا کہ وہ بائبل کو چھاپیں، اُس کی اشاعت کریں اور اپنے احاطہ کی حدود میں منادی بھی کریں البتہ شارع عام پر لال بازار میں وہ لندن کے کورٹ آف ڈائرکٹرز (COURT OF DIRECTORS) کی اجازت بغیر تبلیغ نہیں کر سکتے تھے۔ اس ضمن میں کیری کے ایک خط میں مرقوم ہے:-

"ہم سب سیرامپور میں قید کر دئے گئے ہیں اور تم نے ڈڈ اور کو ہمارا ساتھ دینے کے لئے بھیجا ہے .... خدمت کے دروازے چند روز پہلے بہت کشادہ تھے اور اس امر سے ہماری ہمت افزائی ہوتی تھی اور اُمنگیں بڑھی ہوئی تھیں لیکن اب اس ظالمانہ حکم کے ماتحت وہ دروازے قطعی بند کر دیئے گئے ہیں۔ لال بازار کو بند کرنا ہمارے لئے خاص طور پر تکلیف دہ ہے۔"

اگر ایسے آڑے وقت میں ڈنمارک (DENMARK) ان کا ساتھ نہ دیتا تو اُن کی تمام خدمات کا یہیں خاتمہ ہو جاتا۔ کسی جگہ ان میں سے کسی ایک نے کہا ہے کہ "ہمارے دُشمن ہم کو باہر نکالنا چاہتے تھے لیکن ہمارے خداوند نے ہم کو حفاظت سے اندر بند کروا دیا۔ چنانچہ گورنر کریفٹنگ (CREFTING) نے جس ہمت سے کام لیا وہ قابلِ تعریف ہے۔ آپ نے سر جارج بارلو کو لکھ بھیجا کہ سیرامپور مملکتِ ڈنمارک میں ہے۔ اور کیری اور اُس کے ہم خدمت شاہِ ڈنمارک کی پناہ میں ہیں لہٰذا علاقہ ڈنمارک میں رہتے ہوئے سرکارِ انگلشیہ کو کوئی حق اور اختیار نہیں ہے کہ اُن کو گزند پہنچانے کی کوشش کرے۔ اس سے سر دست مُشکل آسان ہو گئی لیکن برطانوی ہند کے طول و عرض میں تبلیغ کے کام کو فروغ دینے کے جو منصوبے کیری نے باندھے تھے وہ پُورے طور سے خاک میں مل گئے۔

یہ ظاہر تھا کہ سرکارِ انگلشیہ کے نمائندگان کیری اور اُس کی خدمات سے کوئی ہمدردی نہ رکھتے تھے۔ ایسی صورت میں علانیہ ان کی حکم عدولی کرنا بھی قرینِ مصلحت نہ تھا۔ کیری نے صلاح دی کہ اگر ایسے نازک موقعہ پر ہم نے قصداً احکام کی خلاف ورزی کی تو کامل اندیشہ ہے کہ اربابِ اقتدار ہمارے اور بھی مخالف ہو جائیں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے اثر و رسوخ سے تبلیغ کے خلاف کوئی قانون نافذ کروا دیں اور یوں

مسیحیت کے خلاف ہندوستان کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیں۔ اور پھر اگر ہم نے اس وقت بُردباری اور اطاعت سے کام لیا تو اُمید ہے کہ مخالفت کا موجودہ جوش رفتہ رفتہ فرو ہو جائے گا۔ اور پھر ہم کو وہ تمام آزادیاں مل جائیں گی جن کے ہم اس قدر خواہشمند ہیں۔

تقریباً اُن ہی ایّام میں اور مندرجہ بالا کشمکش کے دوران میں کیری کو اپنے وہ پُرانے خواب یاد آگئے جو اُس نے برما میں ایک مشن قائم کرنے کے متعلق دیکھے تھے۔ اُس نے سوچا کہ مُمکن ہے کہ خُدا نے ہندوستان میں اُن کے واسطے یہ دُشواریاں اس لئے پیدا کی ہیں کہ وہ پہچان جائیں کہ اُس کی مرضی یہ ہے کہ وہ برما میں خدمت کریں۔ اس سے پہلے بھی اس مضمون پر اُس نے اپنے ہم خدمتوں سے تبادلۂ خیالات کیا تھا۔ لیکن اُس کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب ان تجاویز پر عمل کرنے کا وقت آپہنچا ہے۔ بلکہ مارشمین نے تقریباً اسی زمانہ میں لکھا ہے کہ "چُونکہ شمال، جنوب اور مغرب میں ہمارے تمام راستے بند ہو چکے ہیں لہٰذا ہم کو مشرق کی جانب اپنی توجّہ مبذول کرنی چاہیئے۔"

اس اثنا میں کلکتّہ میں حالات اور بھی زیادہ نازک ہوتے چلے گئے۔ رشتہ میں قائم مقام گورنر جنرل سر جارج بارلو عہدہ سے سبکدوش ہو کر مدراس کے گورنر مقرر ہوئے اور اُن کی جگہ نئے گورنر جنرل لارڈ منٹو (LORD MINTO) تشریف لائے۔ مشن کے دشمنوں کو ایک اور موقعہ ہاتھ لگا۔ اُنہوں نے لارڈ منٹو کے رُوبرُو بھی وُہی غلط بیانی کی جو سر جارج بارلو سے کی گئی تھی اور سات ہفتے کے اندر ہی یہ بات خُوب اچھی طرح لارڈ منٹو کے ذہن نشین کر دی گئی کہ کیری اور اُس کے ساتھی نہایت خطرناک لوگ ہیں اور ہمیشہ ایسی حرکات کے مُرتکب ہوتے رہتے ہیں جن سے عوام میں ہیجان اور بدامنی پھیلے۔ کیری کو اس مرتبہ چیف سیکرٹری (CHIEF SECRETARY) کی عدالت میں پیش ہونا پڑا۔ ہمارے ہیرو نے اس افسر کو سمجھانے کی حتّی الامکان کوشش کی لیکن پھر بھی ۱۱ ستمبر کو اُس کو حُکم مل ہی گیا کہ اپنا پریس کلکتّہ منتقل کر لے۔ بنگالیوں کو مسیحی بنانے کی تمام کوششیں فوراً ترک کر دو اور کلکتّہ میں مسٹر پیٹروس (MR. PETRUSE) کے مکان پر جو عبادت ہوتی ہے وہ بھی بند کر دو۔

سیرامپور کے لوگ ہر جُمعہ کی شام کو کیری کی آمد کا انتظار کیا کرتے تھے اور جب

وُہ ہفتہ بھر کا کام ختم کر کے کلکتہ سے واپس آتا تو سب کے دل باغ باغ ہو جاتے تھے۔ آج وُہ معمول سے زیادہ دیر سے واپس آیا اور جب اُس نے سرکار کے نئے احکام اُن کو سُنائے تو سب حیرت زدہ ہو گئے۔ کچھ دیر معاملات کے نشیب و فراز پر غور کرنے کے بعد فیصلہ ہُوا کہ علی الصّبح اپنی تمام تکالیف خُدا کے حضور پیش کر کے اُس کی امداد اور رہنمائی طلب کی جائے۔ وارڈ لکھتا ہے کہ "فجر کی اس عبادت میں کیری بچوں کی طرح پھُوٹ پھُوٹ کر رو رہا تھا۔" کیونکہ اُس کو معلوم تھا کہ کلکتہ میں اُس کا پریس ایک دن بھی سلامت نہیں رہ سکتا۔ جب تک وُہ سیرامپور میں ہے تب تک ڈنمارک کی پناہ میں ہونے کی وجہ سے کوئی یکایک اُس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا اور اُس پر چھاپہ مارنے سے پہلے جو دفتری کارروائی ضرُوری ہوتی ہے اُس کے دوران میں کافی وقت مل جاتا ہے کہ صحیح واقعات سے حُکّام بالا کو آگاہ کر دیا جائے اور اس طرح یہ دُشمنوں کی زد سے محفُوظ رکھا جائے لیکن کلکتہ میں اگر کسی ادنٰے سے ادنٰے سرکاری افسر کو کبھی کسی پرچہ میں کوئی لفظ یا جُملہ قابلِ اعتراض یا ناگوار ملا تو وُہ اپنے ذاتی اثر سے ہی نہ صرف پریس کو ضبط کروا سکتا ہے بلکہ تمام مشنریوں کو بھی شہر بدر کروانے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

کیری کو ہدایت کی گئی کہ اس معاملہ کی نسبت سرکار کو ایک مناسب جواب تحریر کرے۔ گورنر کرنل فیٹنگ سے ملاقات کرے اور اگر ہو سکے تو لارڈ منٹو کے سامنے حاضر ہو کر مشن کی طرف سے صفائی پیش کرے لیکن دُوسرے دن صورتِ احوال اور بھی زیادہ نازک ہو گئی۔ سرکاری حُکم ہو گیا کہ کلکتہ شہر میں سوائے کمپنی کے چیپلن (CHAPLAIN) کے اور کسی کو وعظ کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ بلکہ یہ افواہ بھی اُڑنے لگی کہ سرکار مشنریوں کو مُلک سے نکالنے کے انتظامات کر رہی ہے۔ چُنانچہ کالج کے لڑکوں تک نے اس دن پروفیسر کیری کا مذاق اُڑانے کی جُرأت کی۔ یہ وُہ دن تھے جبکہ اہلِ بنگال دُرگا پُوجا کی تیاریوں میں مشغُول تھے۔

وارڈ لکھتا ہے:۔

"چند دنوں بعد دُرگا پُوجا ہوگی اور تمام کلکتہ میں چہل پہل ہوگی۔ سرکاری دفاتر میں کام بند کر دیا جائے گا۔ بُتوں کے جلُوس شہر میں گشت کریں گے۔ اور یورپین حُکّام

کے گروہ کے گروہ متموّل ہندوؤں کے مکانوں پر جاکر وعورت رقص وسرود میں شامل ہوں گے"۔ کیری کہتا ہے کہ "ہمارا ارادہ ہے کہ ہم لارڈ منٹو پر صفائی سے ظاہر کر دیں کہ ہم اپنی سرگرمیوں کو ترک کرنے کی بجائے اپنی اس خدمت کی خاطر شہید ہو جانے کو تیار ہیں" اور پھر وہ لکھتا ہے: "کسی مسیحی حکومت نے کبھی ایسا حکم نافذ نہیں کیا تھا۔ رومن کیتھولک (ROMAN CATHOLIC) لوگوں نے بیشک دیگر مسیحی فرقوں پر مظالم ڈھائے مگر رُوم کے اقتدار کے وقت سے کسی بدترین مسیحی حکومت نے بھی غیر مسیحیوں کے درمیان مسیحیت کی تبلیغ کو ممنوع قرار نہیں دیا....... اس وقت ہم سوگوار ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ خداوند یسوع کے پُر جلال چہرہ کا نُور ہم پر جلوہ گر فرمائے گا"۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔

گورنر کرنل فنٹنگ نے کیری کو ملاقات کی اجازت دے دی اور کیری اور مارشمین کو اجازت مل گئی کہ لارڈ منٹو کے حضور حاضر ہوں۔ چنانچہ حاضر ہو کر دونوں نے لارڈ منٹو کو ہندوستانی تبلیغی خدمت کی ایک مکمل تحریری روئداد پیش کی اور زبانی عرض کر دیا کہ ہم اپنے ارادوں پر اس قدر ثابت قدمی سے قائم ہیں کہ اگر ضرورت ہُوئی تو ان کی خاطر ہم انتہائی جبر، ظلم و تشدّد تک برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ اس بلند عزم کا لارڈ منٹو پر بہت اچھا اثر پڑا۔

اُدھر جب کیری نے گورنر کرنل فنٹنگ کو تمام روئداد سنائی تو اُن کے دل میں ہمدردی اور افسوس کے اس قدر جذبات پیدا ہوئے کہ انہوں نے کیری کو محض صلاح ہی نہیں دی بلکہ تاکیداً حکم کر دیا کہ ہرگز ہرگز اپنا پریس کلکتہ منتقل نہ کرے۔ لارڈ منٹو کو اب معلوم ہُوا کہ غلط بیانی کی بنا پر غیر منصفانہ حکم دے کر انہوں نے غلطی کا ارتکاب کیا تھا لہٰذا انہوں نے بھی اپنا حکم واپس لے لیا۔

لیکن عام منادی کرنے کی اُن کو پھر بھی اجازت نہ ملی۔ اگر وہ چاہتے تو کاشتکاری کی غرض سے انگریزی مقبوضات میں سکونت اختیار کر سکتے تھے مگر تبلیغ کی غرض سے مملکتِ انگلشیہ میں قدم رکھنا بھی جرم تھا۔ حکامِ بالا سے ہزار درخواستیں کی گئیں۔ طرح طرح سے سمجھانے کی کوشش کی گئی مگر وہ اپنے نظریہ کو تبدیل کرنے کے لئے کسی بھی طرح تیار نہ ہوتے تھے۔ حالانکہ لارڈ منٹو شخصی حیثیت سے کیری کے......

دوست بن گئے تھے لیکن سرکاری حیثیّت سے وُہ بھی مجبور تھے چُنانچہ ایک مرتبہ لارڈ موصُوف نے کیری اور مارشمین کو دعوت دی۔ دورانِ گفتگو میں آپ نے فرمایا:-

"ڈاکٹر کیری - کیا آپ اس امر کو ماننے کے لئے تیّار نہیں ہیں کہ ہندوستانیوں کو مسیحی بنانے کی کوشش کرنا نامُناسب ہے؟"

کیری نے جواب دیا "حضُور کو ہمارے ارادوں کے متعلّق غلط فہمی ہُوئی - ہم کِسی کو کچھ بنانے کے قائل ہی نہیں - انسان اگر چاہے تو ظلم و تشدّد کے ذریعہ اپنے ماتحتوں کو ریاکار تو بنا سکتا ہے لیکن کوئی شخص کسی کو کبھی مسیحی نہیں بنا سکتا - ہم تو محض یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو یہ اجازت مِل جائے کہ ہم اپنے مالک اور اُستاد کے حُکم کے بموجب لوگوں کے سامنے حق کو پیش کر دیں اور پھر فیصلہ سامعین کے انصاف اور ضمیر پر چھوڑ دیں"

لیکن لارڈ منٹو کو یہ اجازت دینے میں بھی پس و پیش تھا - چُنانچہ کیری نے فُلر کو صلاح دی کہ پارلیمنٹ (PARLIAMENT) میں کم از کم ایک لاکھ ۱۰۰۰۰۰ دستخطوں کے ساتھ ایک عرضداشت پیش کرنے کا انتظام کیا جائے تاکہ پارلیمنٹ کے ذریعہ یہ اجازت مل سکے - اس کی ضرورت اوّل تو اس وجہ سے زیادہ محسُوس ہُوئی کہ ۱۸۰۸ء کے موسم بہار میں سیرامپور پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تھا اور اب اُن کو ڈنمارک کی پناہ حاصل نہ تھی - اور پھر مصائب کا جو سیلاب سیرامپور کے مشنریوں کی خدمت کو گھیرے ہُوئے تھا اُس کے اثرات انگلستان میں بھی ظاہر ہونے لگے تھے اور ان اثرات نے وہاں ایک خطرناک صُورت اختیار کر لی تھی - کیری کی ہندوستان کی مُشکلات کو تھوڑی دیر کے لئے اس جگہ پر چھوڑ کر انگلستان کے وُہ حالات ملاحظہ ہوں جنہوں نے کُچھ عرصہ کے لئے مشن کے وجُود ہی کو خطرہ میں ڈال دیا تھا -

کلکتّہ کے محکمۂ محصُول کے ریٹائرڈ افسر ٹامس ٹوئیننگ (THOMAS TWINING) سابق گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز (WARREN HASTINGS) کے خاص دوست میجر سکاٹ ویرنگ (MAJOR SCOTT WARING) اور بدنام زمانہ کرنل سٹوآرٹ[1] (COL. STEWART) غلط بیانیوں اور جھوٹی افواہوں کے اُس طوفان کے ذمّہ دار تھے جس

[1] یہ شخص مشن کی آزادانہ مخالفت کرنے کے بعد بالآخر مسیحیت کے دائرہ سے نکل کر ہندو بن گیا تھا -

کی وجہ سے عوام بھی مشن کی طرف سے بدظن ہونے لگے۔ اُنہوں نے جو بیانات پبلک میں دیئے اُن کے چند اقتباسات بطورِ نمونہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

"اگر ہم نے ہندوستان میں تبدیلِ مذہب کی اجازت دے دی تو وہاں اس قدر بدامنی پھیل جائے گی کہ ہندوستان کی پچاس کروڑ ۔۔۔ آبادی انگریزوں کو ایسی آسانی سے نکال باہر کرے گی جیسے آندھی ریت کو اُڑا دیتی ہے۔"

"اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں ہمارا اقتدار قائم رہے تو ہم کو چاہیئے کہ ہندوستان کا اعتماد حاصل کریں اور یہ اُسی وقت ہوگا جب ہم تمام مشنریوں کی واپسی کا حکم دے دیں گے۔"

"یہ مشنری ہندوستانیوں کے عزیز ترین حقوق کو غصب کر رہے ہیں اور ان کے عزیز ترین جذبات کو ٹھیس لگاتے ہیں۔"

"یہ مشنری بھی اتنے ہی ناخواندہ۔ جاہل اور متعصّب ہیں جتنے کہ ہندوؤں کے بدترین مذہبی دیوانے۔"

"ان مشنریوں کی تعلیم گندم نما جوفروشوں کی لن ترانیوں سے زیادہ نہیں ہے بلکہ اُس کا بدترین نمونہ ہے۔"

"کوئی باعزّت ہندو کبھی ان کے ورغلانے میں نہیں آسکتا۔"

اور کیری کی "رُوحانی اولاد" کی نسبت وُہ کہتے تھے کہ:۔

"ان مشنریوں نے جن لوگوں کو مسیحی بنایا ہے وُہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے کیونکہ وُہ اپنے مذاہب کے دھوکہ باز تارک ہیں۔ یہ نہایت حقیر اور رذیل لوگ ہیں جنہوں نے ایک نئے مذہب کو صرف اس لئے اختیار کیا ہے کہ اُن کو اپنے پُرانے مذاہب سے نکال دیا گیا تھا۔"

"اگر مرہٹی زبان میں بائبل کی اشاعت کی اجازت دے دی گئی تو تعجّب نہیں کہ مرہٹوں سے پھر جنگ چھڑ جائے۔"

ممکن تھا کہ استوار فضا میں انگلستان کے لوگ مخالفت کے جوش اور اس قدر غیر محتاط بیانات کو سُنکر بنظرِ غائر ان کو دیکھتے اور حق و باطل کو پہچان لیتے۔ لیکن ویلور کی بغاوت کا خونی واقعہ ابھی سب کے ذہن میں موجود تھا۔ اُس کی یاد تازہ تھی اس لئے عوام

نے مشن کے دوستوں اور دشمنوں میں تمیز نہ کی اور ان تمام دروغ گوئیوں کو حقیقت تصور کر کے مشن کی مخالفت شروع کر دی۔

سڈنی سمتھ[1] (SYDNEY SMITH) رسالہ "ایڈنبرگ ریویو" (EDINBURGH REVIEW) کا بانی تھا۔ عوام میں یہ شخص "لندن کا شیر ببر" مشہور تھا اور اس کی تقاریر کو سننے شہر کے رؤسا جوق در جوق آیا کرتے تھے۔ اس کا رسالہ ایک زبردست اہمیت رکھتا تھا اور یہ خود بھی طنزیہ کلام کا ماہر تھا۔ سڈنی سمتھ نے بھی عوام کا ساتھ دیا اور دو مرتبہ مشن کی مخالفت میں اپنا جری قلم اٹھایا اور لکھا کہ ہندوستان میں "مقدس چماروں" کے اس "طائفہ"[2] کی موجودگی کسی بھی طرح گوارا نہیں کی جا سکتی خصوصاً ان حالات میں جبکہ یہ خود دوسروں کے مذہبی عقاید کا احترام نہیں کرتے اور ان کے جذبات کی توہین کرتے ہیں تو ان کو کوئی حق نہیں ہے کہ اپنے عقاید دوسروں سے منوانے کی کوشش کریں۔ سڈنی سمتھ کے الفاظ ہیں:-

"آج کل تو اگر ایک حقیر قلعی گر بھی تھوڑا بہت متقی بن جائے تو وہ فوراً مشرق کا رخ کر لیتا ہے۔ آنابیپٹسٹ (ANABAPTIST) فرقہ کی حرکات کی رُوئداد ملاحظہ فرمائیے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ لوگ بھی ان ہی کی طرح خطرناک اور متعصب ہیں۔ بلکہ ہم تو یہاں تک کہنے کو تیار ہیں کہ ہندوؤں کو ان کی موجودگی اور صلاح و مشورہ سے اتنا فائدہ نہیں ہوتا جتنا ہم کو ان کی انگلستان سے غیر حاضری کی وجہ سے ہوتا ہے۔"

"اگر ان مفروضہ مذہبی غیرت مندوں کے علاوہ ہم کو یہ کام کرنے کے لئے کوئی بہتر شخص نہ ملے تو اس تمام انتظام کو فوراً بند کرنے کی تجویز پر غور کرنا ہی پڑے گا۔ کیونکہ تبلیغ کے جو ذرائع استعمال کئے جا رہے ہیں وہ مضحکہ خیز ہیں اور ان سے انجیل مقدس کی توہین ہوتی ہے۔"

یہ ہندوستان کی مشن کے لئے ایک نہایت نازک موقعہ تھا کیونکہ ایسے مضامین اور بیانات کو سن کر ڈائرکٹر صاحبان تبلیغ کو ممنوع قرار دینے پر آمادہ ہو گئے تھے۔

لیکن اس نازک موقعہ پر مشن کے دوستوں نے اس کا ساتھ دیا۔ ان میں ورسکاؤنٹ

---

[1] یہ شخص کلیسیائے انگلستان میں کینن (CANON) کے ممتاز عہدہ پر فائز تھا۔

[2] "NEST OF CONSECRATED COBBLERS"

میلول (VISCOUNT MELVILLE) - چارلس گرانٹ (CHARLES GRANT) اور مارکوئیس ویلزلی (MARQUIS WELLESLEY) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ انہوں نے ڈائرکٹر صاحبان سے ملاقات کر کے اُن کو حقیقتِ حال سے آگاہ کیا۔ اُدھر سابق گورنر جنرل لارڈ ٹین ماؤتھ (LORD TEIGHNMOUTH) بائبل سوسائٹی کے سیکرٹری رابرٹ ہال (ROBERT HALL) اور بپٹسٹ مشنری سوسائٹی کے سیکرٹری اینڈریو فلر (ANDREW FULLER) نے بھی قلعہ بندی کر کے حملہ آوروں کا مقابلہ شروع کر دیا۔

اس جنگ میں بہت سے معرکے ہوئے اور بڑے بڑے بہادروں نے اپنے جوہر دکھائے آخر دشمن کو شکست فاش دینے کا سہرہ شاعر رابرٹ سوُدے (ROBERT SOUTHEY) کے سر رہا کیونکہ یہ اُسی کا دم تھا کہ محض ایک مضمون کے ذریعہ دشمن کی سب سے خطرناک توپ یعنی سڈنی سمتھ کو خاموش کر دیا۔ سوُدے پر تعصب یا بے انصافی کا الزام عائد کرنے کی جرأت کوئی نہ کر سکتا تھا کیونکہ اُس نے دعوے کی صفائی میں افواہوں کو نہیں بلکہ ایسے واقعات کو پیش کیا جن کا کوئی جواب ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ رسالہ "کوارٹرلی ریویو" (QUARTERLY REVIEW) کی دُوسری اشاعت میں سوُدے کا یہ مضمون شائع ہوا :-

"کیری اور اُس کا فرزند ہندوستان میں چودہ سال سے سکونت پذیر ہیں۔ باقی اصحاب تو برس سے وہاں رہتے ہیں۔ ان سب نے اوّل ایک نہایت مشکل زبان پر عبور حاصل کیا اور پھر یہ اس لائق بھی ہو گئے کہ اس زبان میں عوام سے گفتگو کر سکیں۔ اب یہ اس زبان میں نہ صرف بات چیت کرتے ہیں بلکہ وعظ کہتے اور بحث و مباحثہ بھی کرتے ہیں۔ اُنہوں نے اس زبان میں مہارت حاصل کر لی ہے۔ تعجب کی بات یہ نہیں ہے کہ اُنہوں نے اس قدر کم کام کیا بلکہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ کس طرح اُنہوں نے اس قدر عظیم خدمت انجام دی۔ ان کے مخالف ان کے خطوط میں سے اقتباسات پیش کر کے ان کا مضحکہ اُڑاتے ہیں۔ ان کو فرقہ پرست ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی تحقیر کرتے ہیں۔ ان کو بے وقوف۔ جاہل۔ مخبوط الحواس۔ نقلچی گر۔ بدعتی وغیرہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کے دل میں کس قدر جذبۂ خدمتِ خلق اور غیرتِ دینی موجزن ہے۔ ان کی ایثار نفسی۔ ان کی محنت اور جفاکشی اور ان کی علمی قابلیتوں

کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

یہی "حقیر اور جاہل مزدور" ہیں جنہوں نے مکمل بائبل کا ترجمہ بنگالی زبان میں تیار کر کے اُس کو طبع کیا ہے۔ نئے عہد نامہ کے تراجم سنسکرت۔ اُوڑیہ۔ مرہٹی۔ ہندی اور گجراتی زبانوں میں تیار ہو گئے ہیں اور زیر طبع ہیں۔ فارسی۔ تلگو۔ کناری۔ پنجابی بھی اور چینی زبانوں کے ترجمے تیار ہو رہے ہیں۔ ان میں سے چار زبانوں میں کُل بائبل کا مکمل ترجمہ بھی کیا جا رہا ہے۔

معمولی حالات میں بھی مندرجہ بالا واقعات حیرت انگیز ہو سکتے تھے لیکن ہماری حیرت بے اندازہ ہو جاتی ہے جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ ان مشنریوں میں سے ایک چمار تھا۔ ایک چھاپہ خانہ کا ملازم اور تیسرا ایک ادنیٰ مدرسہ کا اُستاد۔

کیری اور ٹامس کو ہندوستان میں قدم رکھے ہوئے چودہ ۱۴ سال کا عرصہ ہی ہوا ہے اور اس قلیل مدت میں اُنہوں نے زباندانی یہ برکت حاصل کر لی ہے۔ چودہ ۱۴ سال میں ان "حقیر اور جاہل مزدوروں" نے جو کچھ دکھایا ہے وہ تمام دُنیا کے بادشاہوں اور شہنشاہوں۔ یونیورسٹیوں اور انجمنوں نے نہ تو آج تک کیا اور نہ ہی کبھی کرنے کی کوشش یا ہمت کی۔

مندرجہ بالا کشمکش انگلستان میں جاری تھی کہ ہندوستان میں واقعات نے کچھ اور صُورت اختیار کر لی۔ ہم بار بار ذکر کر چکے ہیں کہ سرکاری قانون کے بموجب کسی انگریز کو بغیر سرکاری "لائسنس" ("LICENCE") ہندوستان میں رہنے کی اجازت نہ تھی اور حکام کسی شخص کو بحیثیت "مشنری" ہندوستان میں رہنے کے لئے لائسنس نہ دیتے تھے۔ اس لئے اس قانون کا اثر یہ ہوتا تھا کہ ہندوستان میں انگریز مشنریوں کی سکونت ہی خلافِ قانون تھی۔ اس قانونی دقّت کی وجہ سے چھ سال تک انگلستان سے کوئی مشنری نہ بھیجا گیا۔ لیکن ۱۸۱۱ء کے اختتام پر خود لارڈ منٹو ہی نے چیمبرلین (CHAMBERLAIN) کو آگرہ بھیجنے کی سہولتیں بہم پہنچا دیں۔ چنانچہ کیری نے بھی سمجھا کہ اگرچہ سرکاری قانون ممانعت اب تک قائم ہے لیکن حکام بالا اس پر سختی سے عمل درآمد ہونے کو تیار نہیں ہیں اور وہ مشنریوں کی ہندوستان میں موجودگی کو تسلیم نہ کریں گے تو کم از کم ان کی مخالفت بھی نہ ہو گی۔ اُس نے فُلر پر اپنی یہ اُمیدیں ظاہر کی ہی تھیں کہ تھوڑے ہی عرصہ بعد مشنریوں کے خلاف پھر ایک

جدّوجہد جاری ہوگئی اور بدستور رسالہ اُن کو ستانے کا ایک نیا سلسلہ جاری ہوگیا۔

اس جدید تحریک مخالفت کا پہلا شکار لنڈن مشنری سوسائٹی کا تھامسن مشنری (THOMPSON) تھا جو مدراس میں مقیم تھا۔ جیسے ہی اُس کو شہر بدر کرنے کا حکم ملا اُس کو اس قدر صدمہ ہوا کہ اپنے عارضۂ بخار سے جانبر نہ ہو سکا۔ پھر امریکہ سے بھی مشنریوں کی ایک جماعت آئی تھی جن میں مسٹر اور مسز جڈسن (JUDSON)۔ مسٹر اور مسز نیول (NEWELL) مسٹر ہال (HALL)۔ مسٹر اور مسز ناٹس (NOTTS) اور مسٹر لوتھر رائس (LUTHER RICE) شامل تھے۔ انہوں نے حکّام کو اطلاع دے دی تھی کہ وہ سیرامپور میں صرف چند یوم قیام کریں گے اور بنگال میں مستقل سکونت اختیار نہ کریں گے لیکن پھر بھی اُن کو حکم دے دیا گیا کہ ہندوستان میں مملکتِ برطانیہ کے کسی حصّہ میں قدم نہ رکھیں بلکہ اُن کو تو یہاں تک کہدیا گیا تھا کہ مشرق میں نہ صرف برطانیہ کے مقبوضات میں داخل نہ ہوں بلکہ اُن ممالک کی حدود سے بھی باہر رہیں جن کے ساتھ برطانیہ عظمٰی کے دوستانہ تعلّقات ہیں یہ حکم سخت تھا اور اس میں نہ تو کمی ہو سکتی تھی اور نہ ہی کسی رعایت کی گنجائش تھی۔ الغرض بعد از کوششِ بسیار اُن کو اجازت ملی کہ جزیرۂ مورشس (MAURITIUS) میں چلے جائیں اس میں اوّل تو خرچ کا سوال اور پھر جہاز ملنے کی دشواری۔ چنانچہ جن کو وقت پر جہاز میں جگہ نہ مل سکی اُن کو حکم دیا گیا کہ کمپنی کے جہاز میں انگلستان واپس چلے جائیں۔ یہ گویا ان امریکنوں کے لئے حکم قید کے مترادف تھا کیونکہ ان دنوں امریکہ اور برطانیہ کے باہمی سیاسی تعلّقات بہت کشیدہ ہو رہے تھے۔ خدا خدا کر کے اُن کو اس حکم سے بھی چھٹکارا ملا۔ اس کے ایک سال بعد تک سرکارِ ہند کی ذہنیت کا یہ عالم تھا کہ جب جڈسن مورشس سے چلا تو سرکاری افسران کو کسی طرح معلوم ہوگیا کہ وہ مدراس میں چند دن قیام کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اُس کے پہنچنے سے پہلے ہی اربابِ اقتدار نے اُس کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دئے لیکن گرفتاری عمل میں نہ آسکی کیونکہ جڈسن خبر پاتے ہی جہاز پر سوار ہو کر رنگون کے لئے روانہ ہو چکا تھا۔

مانا کہ ان دنوں برطانیہ اور امریکہ کے تعلّقات خوشگوار نہ تھے اور ان امریکن مشنریوں کے ساتھ اس بدسلوکی کی خاص وجہ ان کا امریکن ہونا ہی تھا، لیکن انگلستان کے مشنریوں کے ساتھ بھی کمپنی کے افسران کا سلوک بہت اچھا نہ تھا چنانچہ جانسن (JOHNS)

اور لاسن (LAWSON) کو بھی احکاماتِ امتناعی سُنا کر واپس جانے کا حُکم دیا گیا تھا۔ جس سے لاسن تو ایک صناع ہونے کی وجہ سے آخر بچ گیا لیکن چانٹر کو واپس جانا ہی پڑا۔ [یہ کہ چانٹر وُہی ہے جس کا ذکر تئیسویں ۲۳ باب میں پھر آئیگا ناظرین اس کو ذہن میں رکھیں] ایک قدیمی اجازت نامہ کی بنا پر رابنسن (ROBINSON) جاوا (JAVA) میں سکونت پذیر تھا۔ اُس کو بھی وہاں سے نکالنے کی کوشش کی گئی تھی مگر کیری کے دوست سر سٹیمفورڈ ریفلز (SIR STAMPFORD RAFFLES) نے رابنسن کو بچا لیا۔ آپ اُس وقت جاوا کے لفٹنٹ گورنر تھے۔

مندرجہ بالا واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ برٹش گورنمنٹ مشرق میں مسیحی تبلیغی سرگرمیوں کی بیخ کنی کرنے کی غرض سے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی۔ بلکہ اگر ان کا بس چلتا تو سیرامپور والوں کو بھی گرفتار کرکے شہر بدر کر دیتے۔ لیکن وُہ اُن کی زد سے باہر تھے کیونکہ اُن کو شاہِ ڈنمارک کی پناہ حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک سیرامپور کالج کے بڑے ہال میں ملک ڈنمارک کا ایک جھنڈا اس طریقہ پر لگا ہُوا ہے کہ اُس کا سایہ کیری کے ایک مجسّمہ پر ہر وقت پڑتا رہتا ہے۔

حکومتِ ہند مشنریوں کی مخالفت اس وجہ سے اور بھی زیادہ کرنے لگی تھی کہ امریکہ کے تین مشنریوں نے علانیہ ان اعتقادات کا اعتراف کیا تھا جو خصوصاً سیرامپور کے مشنریوں کے ساتھ منسوب تھے۔ مسٹر اور مسز جڈسن مشنری بن کر آ رہے تھے کہ راستہ میں اُنہوں نے اس غرض سے نئے عہد نامہ کا دوبارہ مطالعہ شروع کیا کہ ایشیا کی کلیسیاؤں کی بُنیاد کلام کے اصُولوں پر قائم کریں۔ بالکل یہی صُورت لُوتھر رائس کے ساتھ بھی پیش آئی جو کسی اور جہاز پر سفر کر رہے تھے۔ ان تینوں کی تربیّت بچپن سے ایسے خاندانوں میں ہُوئی تھی جن میں بچّوں کو بپتسمہ دیا جاتا ہے۔ لیکن اس سفر کے دَوران میں ان کو معلُوم ہو گیا کہ بچپن کے بپتسمہ کی کوئی سند پاک کلام میں نہیں ملتی اور رفتہ رفتہ یہ اس امر کے قائل ہو گئے کہ بپتسمہ صرف بالغوں کو ہی دیا جانا جائز ہے۔ یہ نہیں چاہتے تھے کہ اُن ہمدردوں سے بگاڑ پیدا کریں۔ جنہوں نے اُن کو امریکہ سے بھیجا تھا لہٰذا اُنہوں نے ہندوستان پہنچنے سے پہلے ہی فیصلہ کر لیا کہ اُن سے پہلے اپنے تعلّقات منقطع کر لیں گے۔ جب یہ سیرامپور پہنچے اور اُنہوں نے اپنے ارادوں کا انکشاف کرنے کی کوشش کی تو کیری اور اُس کے ہم خدمتوں نے اُن

کی سُننے سے انکار کر دیا کیونکہ وُہ نہیں چاہتے تھے کہ پروٹسٹنٹ (PROTESTANT)
کلیسیا کے مختلف فرقوں کے مشنری باہمی مباحثہ وغیرہ کر کے اپنے تفرقوں کی تشہیر کریں۔
لیکن جڈسن اور رائس کے اصرار پر کیری نے مجبوراً تینوں کو بپتسمہ دے دیا۔ جب
حُکام کو اس کا پتہ چلا تو اُنہوں نے مشنریوں کی مخالفت اور بھی زیادہ شدت سے شروع
کر دی کیونکہ اب امریکہ کے مشنری بھی اُن کے ہم خدمت تھے اور جیسا کہ پہلے بیان ہو
چکا ہے برطانیہ اور امریکہ کے تعلقات ناخوشگوار ہونے کی وجہ سے حکومت امریکیوں
کو ایک آنکھ نہ دیکھ سکتی تھی۔

مصائب و مظالم کے اس سیلاب کے درمیان کیری کو سب سے بڑی تسلی اس کے
لڑکے جبیض (JABEZ) کی تبدیلیٔ قلب تھی۔ جبیض نے والد سے درخواست کی تھی کہ
اپنے اثر سے اُس کو کوئی سرکاری ملازمت دلوا دیں۔ کیری ان کوششوں میں ناکامیاب ہُوا
لہٰذا اُس نے اس کو بادلِ ناخواستہ ایک وکیل کے ہاں ملازم کرا دیا۔ لیکن کیری کی تمنا تھی
کہ جبیض اپنی زندگی تبلیغ کے لئے وقف کر دے اس لئے کیری نہ صرف خُود اُس کے
لئے دُعا کیا کرتا تھا بلکہ اُس نے رائیلینڈ (RYLAND) اور فلر (FULLER) سے بھی
بار بار درخواستیں کی تھیں کہ اُس کی تبدیلیٔ قلب کے لئے خُدا سے التجا کریں۔

سوسائٹی کا بیسواں سالانہ جلسہ منعقد تھا اور رائیلینڈ صاحب درس دے
رہے تھے۔ وعظ کی سندی آیت یسعیاہ ۹:۷ تھی یعنی "ربُّ الافواج کی غیُّوری یہ کرے گی"
دورانِ تقریر میں آپ نے ذکر کیا کہ کیری کو فیلکس (FELIX) اور ولیم (WILLIAM)
کی خدمات سے بہت تسلی اور تشفی حاصل ہُوئی ہے لیکن تیسرے بیٹے جبیض کی طرف سے
وُہ بہت رنجیدہ ہے کیونکہ یہ لڑکا مطیع، تابعدار اور دیانتدار ہونے کے باوجود مسیحی طبیعت
نہیں رکھتا تھا۔ محترم مقرر نے پھر کچھ عرصہ اور تقریر جاری رکھی لیکن پھر اچانک سِلسلۂ
کلام کو منقطع کر کے سامعین سے درخواست کی کہ اسی وقت جبیض کی تبدیلیٔ قلب کے
لئے خاموشی میں دُعائیں کریں۔ ہزاروں سُننے والوں پر فوراً خاموشی کا عالم طاری ہو
گیا اور اس کامل سکُوت میں ہزاروں لوگ خُدا کی طرف ایک متحدہ دُعا میں جُھک گئے۔
چنانچہ اس عجیب و غریب واقعہ کے بعد پہلی ہی ڈاک سے خط آیا کہ جبیض نے وکیل
کی مُلازمت ترک کر کے اپنی زندگی کو انجیلِ مُقدس کی تبلیغ کے لئے وقف کر دیا ہے۔

لیکن یہ کیری کی مسرت کا محض آغاز ہی تھا۔ چند دن پیشتر جو حکومت مشنریوں کو ستاتی تھی وُہی آج اُن سے مدد کی خواستگار ہو گئی!!!! بائیم مارٹین (BYAM MARTIN) کسی زمانہ میں کیری کے طالب علم رہ چکے تھے۔ آپ مولوکاس (MOLUCCAS) یعنی سپائس آئیلینڈ (SPICE ISLAND) کے ریذیڈنٹ (RESIDENT) مقرر ہوئے تو آپ نے محسُوس کیا کہ ان جزائر میں تعلیم کا انتظام ایسے اشخاص کے ذمہ ہونا چاہیئے جن کے دل میں مشنریوں کا سا جذبۂ خدمت موجُود ہو۔ حالانکہ اُس زمانہ کے لئے یہ ایک جُرأت کی بات تو ضرُور تھی لیکن اُنہوں نے اس مضمون کا نہ صرف ایک خط سرکارِ ہند کو تحریر کیا بلکہ سرکار کو صلاح بھی دی کہ اگر سیرامپور ہی سے کوئی مشنری مل جائے تو اس کو امبوئینا (AMBOYNA) بھیجا جائے!!!! اس سے بہت کچھ ملتا جُلتا ایک خط اُنہوں نے اپنے اُستاد کیری کو بھی روانہ کر دیا اور اس خط کے ایک ہفتہ بعد ہی جبیض نے اس کام کے لئے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ تھوڑا ہی عرصہ بعد خوُد سرکارِ ہند نے بھی ایسی ایک درخواست بھیجی جس کو قبُول کر کے کیری نے جبیض کو اس خدمت پر مامُور کر دیا۔ تین [3] دن کے اندر ہی جبیض کا بپتسمہ بھی ہُوا اور مخصُوصیت بھی۔ نکاح بھی کیا گیا اور الوداع بھی۔ ان رسُوم کے واسطے اُس کا بھائی ولیم مقام کٹوا سے آ گیا تھا اور بڑا بھائی فیلکس بھی اتفاقاً دوائیں خرید نے کے لئے برما سے آیا ہُوا تھا۔ جبیض کی عُمر اس وقت بیس [20] برس سے بھی کم تھی۔

جبیض کو الوداع کہہ کر اب ہم انگلستان کے حالات کا جائزہ لیں گے۔ اُوپر ذکر ہو چُکا ہے کہ کیری نے فُلر سے درخواست کی تھی کہ کم از کم ایک لاکھ دستخطوں سے ایک عرضداشت پارلیمنٹ میں پیش کرنے کا انتظام کرے تا کہ مشنریوں کو ہندوستان آنے کی اجازت مِل جائے۔ جس زمانہ میں مشن پر سرکارِ ہند کی نظرِ عنایت ہونی شرُوع ہُوئی تھی، اُسی زمانہ میں مشن کے ہمدردوں کو انگلستان میں ایک شاندار فتح نصیب ہُوئی کیونکہ ۱۸۱۳ء میں پارلیمنٹ نے کمپنی کے نئے چارٹر (CHARTER) یعنی سند پر بحث کر کے اُس کو منظوُر کر لیا۔ فُلر نے درخواستوں کے سلسلہ کا جو انتظام کیا تھا اُس کے متعلق کسی نے کہا ہے کہ وُہ "بارش کا چھینٹا نہیں بلکہ ایک مسلسل جھڑی تھی"۔ مکمل چارٹر پر بحث کے لئے کئی دن مقرر تھے لیکن مشنریوں کے سوال کو متواتر تین [3] دن دئے

گئے۔ ۲۲ جون کو پارلیمنٹ میں مشنریوں کا وکیل خود ولیم ولبر فورس (WILLIAM WILBERFORCE) تھا جو بردہ فروشی کو ممنوع قرار دلوانے کی وجہ سے عالمگیر شہرت حاصل کر چکا تھا۔ ولبر فورس کی معرکۃ الآرا تقریر نے ہی اس دن پارلیمنٹ کی بحث کا رُخ تبدیل کر کے مشن کو اجازت دلوائی۔ ہم طوالت کے خوف سے اُس تقریر کو نقل نہیں کر سکتے اور صرف اس قدر عرض کرنے پر اکتفا کریں گے کہ پارلیمنٹ کی اکثریت اس ایک تقریر کے اثر سے کیری کے موافق ہو گئی۔ دنش ممبران نے ولبر فورس کے بعد تقاریر کیں جن میں سے ایک (مسٹر پرینڈر گاسٹ (MR. PRONDERGAST) کا نام قابلِ ذکر ہے۔ آپ ہی نے سب سے پہلے کیری کی مخالفت کرنے کی جُرأت کی تھی جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ :-

"لارڈ ویلزلی کے زمانہ میں ڈاکٹر کیری کا طرزِ عمل نہایت قابلِ تحسین تھا لیکن لارڈ موصوف کے تشریف لانے کے بعد اُس میں ایک حیرت انگیز تبدیلی ہو گئی ہے۔ ابھی تھوڑے ہی دنوں کا ذکر ہے کہ یہ ایک اُلٹے ٹب پر کھڑے تقریر فرما رہے تھے۔ دورانِ تقریر میں اُنھوں نے ہندوؤں کے مذہب کی سخت توہین کی۔ اگر پولیس موقعہ پر پہنچکر اُن کو اپنی حفاظت میں نہ لیتی تو سامعین ضرور اُن پر حملہ کر کے اُن کو قتل کر دیتے۔"

اس دروغگوئی اور بہتان دیگر مخالفین کی تقاریر کے باوجود ولبر فورس کی تحریک ۳۶ کے مقابلہ میں ۸۹ کی کثرتِ رائے سے منظور ہوئی۔ اُسی دن مشن کے مخالفین کی شکست مکمل ہو گئی تھی لیکن یکم جولائی کو یہی مضمون پھر زیرِ بحث آیا۔ اس دن مدراس کے ایک وکیل چارلس مارش (CHARLES MARSH) نامی نے مشن کی مخالفت کی ابتدا کی۔ مارش نے مشن کے خلاف جو زہر اُگلا اور دُشنام طرازی کا جو طوفان باندھا اُس کے متعلق کہا گیا ہے کہ مشن کے خلاف اس سے زبردست تقریری یا تحریری حملہ کبھی نہیں ہوا تھا لیکن جوابدہی کے واسطے ولبر فورس جیسی باوقار ہستی موجود تھی۔ ولبر فورس نے فوراً مارش کو ایسا دندان شکن جواب دیا کہ سب سننے والے عش عش کرنے لگے۔ چنانچہ ۳۲ آراء کی اکثریت سے اس مرتبہ پھر ولبر فورس کی تحریک منظور ہو گئی۔

دارُالاُمرا (HOUSE OF LORDS) میں لارڈ ویلزلی نے بنفسِ نفیس مشن کی وکالت کی اور وہ تحریک جو بالآخر پارلیمنٹ میں اس جدّوجہد اور کشمکش کے بعد منظور ہوئی اُس

کے الفاظ یہ ہیں :-

"ہر جگہ کہ ہندوستان کے برطانوی مقبوضات کے باشندوں کی بہبود و بہبود کو ترقی دینا ہمارے ملک کا عین فرض ہے یہ ضروری سمجھا گیا کہ ایسے ذرائع و وسائل اختیار کئے جائیں کہ جن سے ان باشندگانِ ہند میں کارآمد علوم کی ترقی اور مذہبی و اخلاقی اصلاح و تحریک کی صورتیں پیدا ہوں۔ پس بایں وجہ لازم آیا کہ ان مقاصد کے حصول کے لئے جو لوگ ہندوستان جانا اور وہاں بود و باش اختیار کرنا چاہیں اُن کو معقول قانونی سہولتیں بھی بہم پہنچائی جائیں تاکہ یہ لوگ اپنے ارادوں کی تکمیل کر سکیں۔"

یہی وُہ قرارداد تھی جس کے ذریعہ ہندوستان کے دروازے مبلّغین کے واسطے کھل گئے۔

موجودہ باب کے مضمون کے متعلّق اس قدر مزید عرض کرنے کی ضرورت ہے کہ ولبرفورس نے کہا ہے کہ :-

"مَیں نے اس تحریک کو منظور کرانے میں جو فتح حاصل کی ہے اُس کی اہمیّت بردہ فروشی بند کرانے سے بھی زیادہ ہے۔ مَیں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس نے مُجھے طاقت بخشی کہ مَیں نے اس مضمون پر دو ۲ گھنٹے تک متواتر تقریر کر کے ممبران کی اکثریّت کو اپنے موافق کر لیا .... یہ مجھے بعد میں معلوم ہُوا کہ جس وقت مَیں پارلیمنٹ میں تقریر کر رہا تھا اُس وقت کئی بزرگ اور نیک لوگ اپنے گھروں میں میرے واسطے دُعاؤں میں مشغول تھے۔"

تیرھواں باب

کیری کے بشارتی کام کی وُسعت

ہم اس سے پیشتر اس امتناعی قانون کی طرف اشارہ کر چکے ہیں جس کی رُو سے ہندوستان میں فرنگی مشنریوں کا قیام خلافِ قانون گردانا جاتا تھا اور گزشتہ باب میں نہایت وضاحت کے ساتھ اُس کشمکش کا بیان بھی کر دیا گیا ہے جو اس قانون کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی (EAST INDIA COMPANY) کے افسران کا خیال تھا کہ اس پابندی کی وجہ سے مشنری مملکتِ ڈنمارک (DENMARK) کے مقام سیرامپور میں نظر بند رہیں گے اور ڈنمارک کی پناہ کو چھوڑ کر باہر نکلنے کی جُرأت نہ کر سکیں گے اس لئے مسیحیّت کا دائرۂ تبلیغ صوبۂ بنگال تک وسیع نہ ہو سکے گا۔ لیکن یہ مشنری حکومتِ ڈنمارک کے پاسپورٹ (PASS-PORT) حاصل کر کے وسطی بنگال تک کا دورہ کرنے نکل جاتے تھے کیونکہ ندیوں کا جو جال اس علاقہ میں پھیلا ہوا ہے اُس کی وجہ سے کشتی کے ذریعہ سلسلۂ آمد و رفت میں بہت سہولت تھی۔

مشنریوں کی ان سرگرمیوں کے علاوہ بنگالی بائبل کا ہر ورق اور مذہبی مضامین کا ہر پرچہ جو سیرامپور سے شائع ہوا اُس نے از خود ایک مُبشر کی حیثیت حاصل کر لی تھی اور مسیحیّت کے پیغام کو قُرب و جوار میں پھیلا دیا۔ اس کے علاوہ ہر نو مُرید۔ خواہ مرد ہو یا عورت اپنے ہم وطنوں تک نجات کی خُوشخبری کا پیغام لے کر گیا۔ یہ ایک ایسی چیز تھی جو برطانیہ عظمےٰ کی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ضابطے کی گرفت سے باہر تھی۔

رفتہ رفتہ بالآخر حکّام کی یہ مخالفت فرو ہو گئی اور کیری فورٹ ولیم کالج (FORT WILLIAM COLLEGE) میں پروفیسر مقرر کیا گیا تو اُس نے کلکتّہ کے بنگالی تاجروں اور نوجوانوں سے ربط ضبط پیدا کیا اور اُن پر اثر ڈالا۔ اُس نے اُن کے ساتھ مل کر کتابِ مُقدّس کی باقاعدہ تلاوت کا انتظام بھی کیا۔ ان غیر مسیحیوں کے علاوہ کیری اُن سینکڑوں مغربی مسیحیوں سے بھی ہمدردی رکھتا تھا جو نہ تو سینٹ جانز چرچ (St. JOHN'S CHURCH

اُور نہ ہی مشن چرچ (MISSION CHURCH) کے شریک بن سکتے تھے۔ کیری نے ان کی دیکھ بھال کا بھی انتظام کیا۔ اس خدمت میں اُس کے دوست براؤن (BROWN) اور بکانن (BUCHANAN) صاحبان نے اُس کی بہت ہمت افزائی کی۔ ۱۸۰۲ء میں مسٹر رولٹ (MR. ROLT) کے مکان پر ایک ہفتہ وار دُعا کا سلسلہ شروع کیا گیا جس میں باہمی تبادلۂ خیالات بھی ہُوا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ کم تعلیم یافتہ لوگوں کے واسطے ایک اور مجلس کا انتظام ایک پرتگالی مسیحی کے مکان پر کیا گیا اور ۱۸۰۳ء تک اُس کی خدمت اس قدر وسیع ہوگئی کہ وُہ فلر (FULLER) کو ایک خط کے نفسِ مضمون میں لکھتا ہے کہ:۔

"ہم نے کلکتہ میں عبادتوں کے لئے ایک جگہ مقرر کرلی ہے جہاں اتوار کو دو مرتبہ انگریزی میں وعظ ہوتے ہیں۔ بدھ کی شام کو بنگالی میں اور جمعرات کی شام کو پھر انگریزی میں"۔

کیری نے کلکتہ میں سب سے پہلے جس ہفتہ واری عبادت کا انتظام کیا اُس کے لئے اُس کو ایک عجیب و غریب جگہ ملی تھی۔ یہ ایک "انڈرٹیکر" (UNDER TAKER) یعنی کفن فروش کی دُکان کا بڑا کمرہ تھا عبادت کے مقام تک پہنچنے کے لئے کفن اور کفن کے صندوقوں کی دو رویہ قطاروں کے بیچ میں سے ہو کر گذرنا پڑتا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد کلکتہ کے مسیحیوں نے تجویز کی کہ اگر مشن ایک ایسا گرجا گھر تعمیر کردے جو کسی خاص فرقہ سے تعلق نہ رکھتے تو وُہ (یعنی مسیحی جماعت) خود مشن کی اِس ذمہ واری کو اور اُس کے تمام اخراجات کے کفیل ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے لال بازار میں ایک قطعہ اراضی خریدا گیا۔

لال بازار کے علاقہ میں زیادہ تر وُہ مسیحی آباد تھے جن کا کوئی پُرسانِ حال نہ تھا اس علاقہ میں زیادہ تر ملاح اور سپاہی وغیرہ اپنی رُخصت کے دنوں میں آکر ٹھہرتے تھے اسی بازار میں شراب خانے اور قہوہ خانے کثرت سے پائے جاتے تھے۔

چونکہ زمین کی قیمت ایک ہزار پونڈ ادا کرنی پڑی اس لئے سر دست پختہ عمارت نہ بن سکی۔ لہٰذا چٹائی کا ایک جھونپڑہ نما ڈھانچہ تیار کردیا گیا۔ اس "عبادت گاہ" میں ہر مذہب اور ہر قوم و ملت کے لوگوں کے سامنے کیری نے انجیل کا پیغام سُنایا۔ آخر جب مارشمین (MARSHMAN) کی کوششوں سے پختہ عمارت کے لئے ایک ہزار ایک سو دس (۱۱۱۰) پونڈ کی رقم

جمع ہو کر عمارت تیار ہوگئی تو کیری ہی کے ہاتھوں یکم جنوری ۱۸۰۹ء کو اس گرجا گھر کا افتتاح ہوا۔ اس گرجا گھر کا نام اب تک کیری کی بپٹسٹ خطبہ گاہ (CAREY'S BAPTIST PULPIT) ہے۔

لال بازار کی اس خطبہ گاہ میں بھی ایک عجیب منظر دیکھنے میں آتا تھا۔ انگلستان کے ایک غیر معروف گاؤں کا ایک موچی ہندوستان کے ہونے والے حکام کو تمام دن سنسکرت، بنگالی اور مرہٹی کے سبق پڑھاتا۔ فرصت کے وقت رامائن اور ویدوں کا ترجمہ کرتا اور جب سورج غروب ہو جاتا تو لنگڑوں۔ اپاہجوں۔ اندھوں اور کوڑھیوں کے درمیان طرح طرح کی زبانوں میں خدا کی بادشاہت کا پیغام سنایا کرتا تھا۔ اسی گرجا گھر میں وہ غربا کو نہ صرف رُوحانی غذا بلکہ جسمانی شفا کے لئے دوائیں بھی مفت تقسیم کیا کرتا تھا کیونکہ ان دنوں ہسپتال بہت کم تھے اور جو تھے بھی اُن میں اُمرا یا سرکاری ملازمین کا علاج ہوتا تھا۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کیری اس گرجا گھر میں وعظ کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو اُس نے دیکھا کہ ایک جوڑا جوتا نہایت پرانا اور بوسیدہ سامعین کی نظروں سے اوجھل میز کے پیچھے لٹک رہا ہے۔ غالباً یہ کسی دشمن کی حرکت تھی جو اس ناشائستہ فعل کے ذریعہ یہ جتانا چاہتا تھا کہ کیری دراصل ایک چمار ہے۔ کیری اس امر کو تاڑ گیا اور اُس نے بلا پس و پیش جوتا سامعین کے روبرو رکھ کر کہا۔ "مَیں یہ مانتا ہوں کہ مَیں ایک ادنیٰ چمار ہوں۔ لیکن خدا نے جو مہربانیاں مجھ پر کی ہیں وہ ہر چمار پر کر سکتا ہے۔ اور جتنی خدمات اُس نے میرے ذریعہ کروائی ہیں وہ ہر چمار کے ذریعہ کروا سکتا ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو اُس کی قدرتِ کاملہ پر مکمل بھروسہ رکھنا چاہیئے۔"

کرشنا پال کلکتہ کا پہلا مشنری تھا۔ اُس کے کام کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ ہر ہفتہ چودہ ۱۴ مختلف مقامات پر منادی کرتا اور اکتالیس خاندانوں میں ملاقات کے لئے جایا کرتا تھا تاکہ وہ اُمرا کے ملازمین اور غریبوں کی طرف توجہ دے۔ کچھ عرصہ کے بعد سیوک رام بھی اس خدمت پر مامور کر دیا گیا۔

۱۸۱۱ء کے حالات کیری نے خود قلمبند کئے ہیں۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ کیری غربا کا اکیلا پاسبان اور پچاس ہزار ۵۰۰۰۰ ہندوستانیوں کے درمیان مسیحیت کا واحد مشنری تھا۔

"کلکتہ شہر تین۳ میل لمبا اور ایک میل چوڑا ہے۔ یہاں کی آبادی بہت زیادہ ہے۔ قریبی قصبوں میں بھی آبادی بہت زیادہ ہے .... ان قصبوں میں سے ایک قصبہ شہر کے جنوب کی جانب ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ تقریباً اتنے ہی فاصلہ پر جیل اور ہسپتال بھی ہیں۔ چونکہ ہماری کلیسیا کے ایک رُکن بھائی گارڈن (GORDON) داروغہ جیل ہیں اس لئے ہم ہر اتوار کو قیدیوں اور جیل کے ملازمین کے درمیان انگریزی میں وعظ کرتے ہیں۔ پہلے ہم نے قلعہ میں بھی وعظ کئے لیکن ایک فوجی حکم کی رُو سے اب ہم کو اس کی ممانعت ہوگئی ہے۔"

اس سلسلہ میں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ کیری اور اُس کے ہمخدمت کلیسیائے انگلستان کے شریک نہ تھے اور نہ ہی کسی بشپ (BISHOP) کے ہاتھوں "تقدیس" کی رسم ادا کر کے اُن کو پاسبانی خدمت پر مامور کیا گیا تھا۔ اس لئے وُہ انگریزی فوج کے سپاہیوں کے درمیان کلام کرنے کے مجاز نہ تھے۔ مگر اس رسمی بات سے کیری نا اُمید ہونے والا نہ تھا کیونکہ مندرجہ بالا وقت کو بیان کرنے کے بعد ہی وُہ کہتا ہے:-

"لیکن اس کے باوجود کرشنا اور سیوک رام وہاں ہفتہ میں ایک یا دو۲ مرتبہ ضرور پیغام سُناتے ہیں۔ اسی طرح وُہ جیل اور دارالاصلاح میں بھی منادی کرتے ہیں۔ یہ دونوں اشخاص جیل کے جنوب کی طرف علی پور کے گاؤں میں جاتے ہیں اور شہر کے شمال کی جانب ایک بڑے کارخانہ میں بھی جہاں کئی سو ملازم ہیں کلام پیش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ شہر میں بھی دس۱۰ یا بارہ۱۲ مکانات میں کلام سُناتے ہیں۔

"کئی مقامات پر رومن کیتھولک (ROMAN CATHOLIC) لوگوں نے کلام سُن کر ان لوگوں کو دعوت دی کہ اُن کے مکان پر آئیں۔ یہاں اُنہوں نے سامعین کے اجتماع کا معقول انتظام کیا اور سب نے بڑی خوشی سے کلام سُنا۔

ان لوگوں کی خدمت کو دیکھ کر جو حق کی تلاش میں مسیحیت میں داخل ہوئے میرا دل رُوحانی طور پر بہت مسرور ہوتا ہے۔ مجھے یقین نہیں کہ مَیں بذاتِ خوُد بھی کسی لائق ہوُں، لیکن جو کام کیا جا رہا ہے اُسے دیکھ کر مجھے بے حد رُوحانی مسرت حاصل ہوتی ہے میرے پاس تو اتنا وقت نہیں ہوتا کہ مَیں لوگوں کے گھروں پر جا کر اُن سے ملاقات کروں اس لئے مَیں نے ہر جمعرات کی شام اس کام کے لئے مقرر کر رکھی ہے

کہ اپنے مکان پر ہی لوگوں سے گفت و شنید کروں۔ اس ملاقات میں لوگ بیس ۲۰ سے کبھی کم نہیں ہوتے جو اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں۔ وہ اپنی گذشتہ جہالت کا اعتراف کرتے ہیں، مسیح پر ایمان لانے کا اعلان اور اس کی حمد و تحسین کرتے ہیں اور خصوصاً جب یہ اپنی رُوحانی کشمکش کے بیانات پیش کرتے ہیں تو ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوتی ہے۔ ان کی آواز میں سوز و گداز اور ان کے الفاظ میں ایسا جذبہ پایا جاتا ہے کہ ان کا بیان کرنا ناممکن ہے اور تصوّر کرنا محال ہے۔"

مندرجہ بالا خاکہ کیری کی ان تبلیغی سرگرمیوں کا ہے جو اُس نے وقتاً فوقتاً کیں۔ اس عرصہ میں تبلیغ کا "باقاعدہ" انتظام نہ ہو سکا حالانکہ جب کیری ہندوستان آرہا تھا تو دوران سفر ہی میں اُس نے دُور اندیشی سے یہ محسوس کر لیا تھا کہ جس تبلیغی انجمن کی اُس نے بُنیاد ڈالی ہے وہ اپنے دائرۂ خدمت کو ہندوستان تک ہی محدود نہ رکھے گی بلکہ ایک نہ ایک وقت وہ اُسے تمام ایشیا اور افریقہ تک وسیع کرے گی۔ کیری یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ وہ موقع بھی آنے والا ہے جبکہ مشرق کی تمام مختلف زبانوں میں کتاب مُقدّس کے تراجم کی ضرورت لاحق ہو گی اور ان احساسات کے زیر اثر کیری نے اپنے لئے ایک پروگرام بھی مرتّب کر لیا تھا۔ اُس کے اس پروگرام کے مطابق ۱۸۰۳ء میں وہ دن بھی آپہنچا، جب کہ تبلیغ کے کام کو وسیع کرنے کے لئے مُناسب انتظامات پر غور و خوض شروع ہو گیا اور عملی تجاویز مکمّل کی جانے لگیں۔

چُنانچہ حسب معمول اُس نے اس سوال کے تمام پہلوؤں کا مطالعہ کر کے چند تجاویز مُرتّب کیں اور ۱۷ دسمبر ۱۸۰۳ء کو رائیلینڈ (RYLAND) کے نام ایک خط میں ان تجاویز کا ذکر اس طرح کیا:-

"ایک اور تجویز پر ہم غور کر چکے ہیں۔ یہ تو ہم کو معلوم ہی ہے کہ ہمارا کام انجیل کی اشاعت کے لئے سہل ترین ذرائع فراہم کرنا اور ان سہولتوں کا استعمال کرنا ہے اس غرض سے ہم نے کئی ایک شاخیں قائم کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ ہر جگہ ایک ایک بھائی رہائش اختیار کرے گا۔ یہ نہ صرف مُناسب بلکہ کار آمد بھی ہو گا کہ

کسی دُنیوی کاروبار میں بھی حصّہ لے۔ شروع میں ہم اس کو کچھ نقدی اس غرض سے دیں گے کہ وُہ کپڑا یا کوئی اور چیز جو وہاں اچھی تیار ہوتی ہو خریدے۔ یہ تمام مشن کی ملکیّت ہوگی اور اس کا کوئی حصّہ نہ تو اُس کا ذاتی کاروبار مانا جائے گا اور نہ ہی اُس کی اپنی ملکیّت ہوگی۔ اس کاروبار کے منافع سے اُس مقام کے اخراجات پُورے کئے جائیں گے۔ ہر بھائی کے پاس دو۲ یا تین۳ ہندوستانی بھائی بھی رہیں گے اور اُن سب کا کام یہ ہوگا کہ وُہ منادی کریں۔ کتابِ مُقدّس کی اشاعت کریں۔ پرچے تقسیم کریں، مدرسے قائم کریں جن کے ذریعہ بائبل کی تعلیم کی اشاعت کی جائے۔

سیرامپور میں کم از کم چار بھائی ہر وقت رہیں گے اور سیرامپور تمام شاخوں کا مرکز ہوگا۔ ہر شخص اپنے دینی اور دُنیوی کام کی مکمّل کیفیّت ماہ بماہ سیرامپور روانہ کرے گا اور سیرامپور کے بھائی (جن کو اس امر کے لئے مناسب اختیارات ملنے ضروری ہیں) ہر ماہ اپنے کام کی رپورٹ اور بیرُونی شاخوں کے لئے صلاح و مشورے وغیرہ دیا کریں گے۔

ہم نے اندازہ لگایا ہے کہ ہر ایک شاخ میں کام شروع کرنے کے لئے دو ہزار ۲۰۰۰ روپے کی ضرورت ہوگی اور اُمید ہے کہ خُدا ہم کو یہ توفیق عطا فرمائے گا کہ یہ رقم مہیّا کر سکیں (خصُوصاً اگر انگلستان میں رہنے والے ہمارے بھائیوں نے ترجمہ اور چھپائی میں ہماری امداد کی)۔ جیسی جلدی آپ آدمی بھیج سکتے ہیں ہم روپیہ فراہم کر دیں گے۔

اس تجویز پر عمل کرنے سے تقریباً ایک ہزار میل کے دائرہ میں کام پھیل سکتا ہے اور پھر سب کے درمیان ربط ضبط بھی قائم رہیگا اور کہیں کہیں تو شاید کام ان حدُود سے بھی بڑھ جائے گا۔ ہم یہ بھی اُمید کرتے ہیں کہ خُدا اسی مُلک سے چند مشنری پیدا کر دے گا جو ہر حالت میں انگریزوں سے زیادہ کامیاب ثابت ہو سکتے ہیں۔

ابھی تک ہم نے کسی امر پر قطعی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ لیکن جب بھائی وارڈ (WARD) تشریف لے آئیں گے اُس وقت ہم آخری فیصلہ کریں گے۔ میرا خیال ہے کہ ایک

شاخ تو فوراً قائم کی جا سکتی ہے جس میں بھائی چیمبرلین (CHAMBERLAIN) کام کریں۔"

اس وسیع پروگرام پر عمل کرنے کی غرض سے وُہ روپیہ اس طرح فراہم کرنے کی اُمید رکھتا تھا :۔

"میں اُمید کرتا ہُوں کہ آخرکار خُدا ہم کو توفیق دے گا کہ ہم کام شروع کردیں کیونکہ کالج نے میری سنسکرت کی ایک سَو جلدیں خریدنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ان کی قیمت چھ ہزار چار سَو روپے ہوتی ہے یعنی آٹھ سَو پونڈ۔ اس امر کی تحریک ایچ۔ کولبروک (H. COLEBROOKE) صاحب نے کی جو خود بھی ایک ایسی ہی تصنیف میں مصروف کار ہیں۔ اس تحریک کی تائید براؤن (BROWNE) اور بکانن (BUCHANAN) صاحبان نے کی اور کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ گو اس کتاب کے چھپنے میں بھی ابھی ایک سال سے کم نہیں لیکن اُمید ہے کہ زیادہ تر روپیہ پیشگی وصُول ہو جائے گا۔"

اور یہ تو ہم دیکھ ہی چُکے ہیں کہ کیری نے مُصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اپنی تمام آمدنی تبلیغ کے کام میں صَرف کرے۔ چُنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔

لیکن کیری کی مُشکلات کا ابھی خاتمہ نہ ہُوا تھا۔ ۱۸۰۸ء سے ہی ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہر ممکن طریقہ پر مسیحیت کی تبلیغ کی مخالفت کی۔ اس سخت مخالفت کے باوجود کیری اپنی کوششوں میں کامیابی کی اُمید ذیل کے الفاظ میں ظاہر کرتا ہے :۔

"بہُت عرصہ سے میری خواہش رہی ہے کہ مُلک کے مختلف علاقوں میں تقریباً ہر دو سَو میل کے فاصلہ پر ایک یورپین مشنری سکُونت اختیار کرے تاکہ وُہ سَو میل کے دائرہ میں گشت لگا سکے۔ پھر ان علاقوں میں مُناسب فاصلوں پر ہندوستانی کارندے چھوڑ دئے جائیں جو اُس وقت تک یورپین مشنریوں کی نگرانی میں رہیں جب تک کہ وُہ خُود کام کرنے کے لائق نہ ہو جائیں۔ اس تجویز سے ہمارے بھائی متفق ہیں لہٰذا مَیں نے مُناسب سمجھا کہ گورنمنٹ سے اس بات کی اجازت مانگوں کہ یہ لوگ مُلک کے کسی حصّہ میں سکونت اختیار کر کے تبلیغ کر سکیں اور ان پر کوئی پابندی عاید نہ کی جائے۔ اس وقت ہم پر سرکار کی نظرِ عنایت ہے

اور موقعہ بھی مناسب ہے کیونکہ گورنر جنرل سر جارج بارلو (SIR GEORGE BARLOW) اس وقت شمالی احاطہ کے دورہ پر گئے ہوئے ہیں اور مسٹر اوڈنی (MR. UDNY) جو نائب صدر ہیں ڈپٹی گورنر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ پس میں ایک دن صبح کو ان کے پاس گیا۔ ان کے ساتھ کھانا کھایا اور دوران گفتگو ذکر کیا کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور کیا کچھ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے بالکل دوستانہ طریقہ پر مجھے صلاح دی کہ جو کچھ میں چاہتا ہوں اس کا ذکر ایک نجی خط کے ذریعہ ان سے کروں اور پھر وہ بھی ذاتی طور پر گورنر جنرل سر جارج بارلو سے گفتگو کر کے نتیجہ سے مجھے آگاہ کر دیں گے۔ دوسرے ہفتہ میں پھر ان سے ملنے گیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ اس مضمون پر خط و کتابت کر رہے ہیں اور ان سے وعدہ کیا گیا ہے کہ ان کے خط کا جواب جلد دیا جائے گا۔ خدا کرے کہ یہ جواب خاطر خواہ ثابت ہو مجھے یقین ہے کہ اگر گورنمنٹ کے امکان میں ہوا تو وہ ضرور اجازت دے دیگی۔"

لیکن کیری کو معلوم نہ تھا کہ سر جارج بارلو ہی اس سخت مخالفت کے بانی ثابت ہوں گے جس کا ذکر گذشتہ باب میں کیا گیا ہے اور جو سر جارج بارلو کے چند روزہ عہد کا تحفہ تھا۔ چنانچہ ۱۸۱۰ء سے پہلے کیری کو مطلوبہ اجازت نہ مل سکی۔ اس سال اس نے کہا کہ "آگرہ میں ایک نیا مرکز قائم کرنے کی اجازت مل گئی ہے۔ یہ شمالی ہند کا ایک بڑا شہر ہے۔ دہلی اور سکھوں کے علاقہ کے بہت نزدیک ہے۔"

اس نئے مرکز میں چیمبرلین اور ایک نائب روانہ کئے گئے۔

غرضیکہ اسی سال سے اسی قسم کی اور متعدد شاخیں قائم ہوتی رہیں اور ہر ایک میں وہی خود مختاری کے اصول رائج کئے گئے جو سیرامپور میں رائج تھے اور اس کام میں دن بدن ترقی ہونے لگی۔ بنگال ہی میں چار شاخیں تھیں یعنی کلکتہ اور سیرامپور کی ایک شاخ اور دوسری شاخ دانا پور اور سدا محل میں جہاں مدن باٹی کی شاخ توڑ کر کام جاری کیا گیا تھا۔ تیسری شاخ مالدہ کے نزدیک گوآماٹی اور رہنگلی کے شمال کی جانب کٹوا میں اور چوتھی شاخ جنوبی بنگال کے زرعی علاقہ کے صدر مقام جیسور میں قائم کی گئی۔

پھر اس بنگال کے مشن کے علاوہ اُڑیسہ ۔ بھوٹان اور شمالی ہند میں بھی علیحدہ علیحدہ شاخیں تھیں جن کا نظم و نسق بالکل بنگال کی شاخوں کے اصولوں پر تھا۔

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مونگھیر ۔ برہام پور ۔ مرشد آباد ۔ ڈھاکہ ۔ چٹگام اور آسام میں بھی شاخیں قائم کر دی گئیں۔

بھوٹان کے مشنریوں کے ہاں ڈاکہ پڑ جانے کی وجہ سے اُن کو وہاں کام بند کرنا پڑا لیکن شمالی ہند کی مشن میں گیا ۔ پٹنہ ۔ دیگاہ ۔ غازی پور ۔ بنارس ۔ الٰہ آباد ۔ کانپور ۔ اجمیر اور دہلی میں کام جاری کیا گیا۔

ملک چین میں بھی ابھی تک ایسٹ انڈیا کمپنی برسرِ اقتدار تھی اور اس ملک کی خدمت بھی سیرامپور کا پریس کر رہا تھا ۔ ہم اس کا ذکر کتاب کے اگلے ابواب میں کریں گے ۔

جس وقت تمام خدمت کا انتظام پانچ متحدہ مشنوں کی صورت میں کیا گیا اُس وقت کارندوں کی تعداد تیس ۳۰ تک پہنچ چکی تھی ۔ انگلستان سے آنے والے مشنریوں میں سے نو ۹ زندہ تھے یعنی کیری ۔ مارشمین (MARSHMAN) ۔ وارڈ ۔ چیمبرلین ۔ مارڈن (MARDEN) مور (MOORE) ۔ چیٹر (CHATER) ۔ راؤ (ROWE) اور رابنسن (ROBINSON) ۔ سات کی پرورش ہندوستان ہی میں ہوئی تھی یعنی کیری کے دونوں بیٹے فیلکس (FELIX) اور ولیم (WILLIAM) ۔ کیری کا پہلا نو مرید فرنینڈیز (FERNANDEZ) جو دانا پور کا رہنے والا تھا اور پی کوک (PEACOCK) ۔ کورنیش (CORNISH) اور دو آرمینی یعنی اراٹون (ARATOON) اور پیٹرز (PETERS) ۔ ان کے علاوہ دو اور یعنی لیونارڈ (LEONARD) اور فورڈر (FORDER) زیرِ تعلیم تھے ۔ پھر سات ہندوستانی بھی تیار ہو رہے تھے جن میں سے پانچ ۵ ایسے تھے جو خادمِ دین کے عہدوں پر مامور ہوئے یعنی سب سے اوّل کرشنا پال جس کا نام فہرست میں "عزیز" کرشنا پال لکھا ہوا ہے اور کرشنا داس ۔ رام موہن ۔ سیتا رام اور سیتا داس ۔ کیری کا تیسرا بیٹا جبیض (JABEZ) تینوں بھائیوں میں سب سے بازی لے گیا اور امبوئینا (AMBOYNA) میں اس نے نہایت کارآمد خدمت کی۔

لیکن کیری اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ عزیز ان ہندوستانی مشنریوں اور پادریوں کو سمجھتا تھا جو اُس کے درس و تعلیم کے اثمار اور جن کو وہ اپنی "روحانی اولاد" سمجھتا تھا

اُس نے ایک تعلیم یافتہ ہندوستانی پیتمبر سنگھ کو نومبر ۱۸۰۲ء میں اُس کے وطن سُکھ ساگر میں بشارت دینے کو روانہ کیا۔ اسی طرح مئی ۱۸۰۳ء میں کرشنا پال کا بھی تقرّر ہُوا۔ اس موقعہ پر ایک نوجوان برہمن نَو مرید بنام کرشنا پرشاد نے پہلی مرتبہ بنگالی میں وعظ دیا جس کو سامعین نے بہت غور اور دلچسپی سے سُنا۔ چھ ماہ بعد وارڈ نے دانا پور سے اطلاع دی کہ "سامعین کی نظریں پرشاد پر جمی ہُوئی تھیں کیونکہ اب وُہ فصاحت وبلاغت سے کلام پیش کرنے لگا ہے" ۱۸۰۴ء میں ان کا امتحان ختم ہُوا اور چُونکہ یہ کامیاب ہو گئے اس لئے ان پر ہاتھ رکھ کر ان کو کلیسیائی خدمت پر مامُور کر دیا گیا۔

۱۸۰۶ء میں مشنریوں نے ہندوستانی بھائیوں کی خدمت کا اعتراف ذیل کے الفاظ میں کیا:۔

"جس دن سے ہمارے درمیان ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو عوام میں دلیری سے مسیح کے نام کی منادی کرنے کو تیّار رہیں اُسی دن سے ہم نے ہندوستانی بھائیوں کی امداد حاصل کرنی شرُوع کر دی ہے اور یہ اُن ہی کی محنت کا نتیجہ ہے کہ آج ہماری کلیسیا اس قدر ترقّی کر چُکی ہے۔ لیکن ہم ان دنوں ایک ایسی تجویز پر غور کر رہے ہیں جس کے ذریعہ اُن کی خدمات اور بھی زیادہ وسیع اور کار آمد ثابت ہو سکے۔ یعنی ہم ان کو دو دو کر کے کسی یورپین کی رہنمائی کے بغیر باہر بھیجیں گے۔ اس کے علاوہ یہ مناسب بھی تھا کہ ہم حتّے الامکان اس کام میں دیسی کلیسیا کی دلچسپی کو بڑھائیں ....

.... لہٰذا اس کام کو اور بھی زیادہ خُوبی کے ساتھ انجام دینے کی غرض سے تمام بھائیوں کا ایک خاص اجلاس ۸۔ اگست ۱۸۰۶ء کی شام کو منعقد کیا گیا اور اُن کے سامنے مندرجہ ذیل خیالات پیش کئے گئے:۔

اوّل۔ کہ مسیح ان کو تاریکی سے نکال کر انتہائی نُور میں لایا ہے اور اس میں اس کا مقصد یہ تھا کہ وُہ اُس کے کام کو اپنے ہم وطنوں کے درمیان حتّی الامکان فروغ دیں۔

دوئم۔ لہٰذا اب ان کا یہ فرض ہے کہ وُہ انفرادی اور مجمُوعی طور پر ہر مُمکن کوشش

کریں کہ اُن کے ہم وطنوں کو مسیح کا علم حاصل ہو جائے (ہم نے اُن پر ظاہر کیا کہ) ہم غیر مُلکی ہیں اور اگر ہم اس کو اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اپنے وطن کو چھوڑ کر اس دُور دراز مُلک میں آئیں تو ان کا فرض اور بھی زیادہ ہے کہ اپنے مُلک میں ایسی ہی کوشش میں مصروف رہیں۔ چنانچہ یہی ہماری زندگی کا عظیم مقصد ہے۔

سوم۔ کہ اگر کوئی بھائی اس خدمت کو انجام دینے کی غرض سے چالیس یا پچاس میل جائے تو یقیناً وُہ اپنے خاندان کے گذر کا انتظام نہیں کر سکتا لہٰذا کلیسیا کا فرض ہونا چاہیئے کہ وُہ اُن کی پرورش کرے کیونکہ وُہ خود اپنی پرورش اس وجہ سے نہیں کر سکتے کہ اُنہوں نے اپنے آپ کو ایک ایسی خدمت کے لئے سونپ دیا ہے جس کو انجام دینا سب کا فرض ہے۔

چہارم۔ دریں حالات ہم نے دَورہ کرنے والے بھائیوں کا گذر غریبوں کی امداد کے ساتھ وابستہ رکھا ہے اور اس کی تمام ذمّہ واری کلیسیا پر ڈالنے کا ارادہ کیا ہے کیونکہ ایک غیر مہذّب علاقہ میں یہ مسیحی کلیسیا ہی کی ذمّہ واری ہونی چاہیئے۔

مندرجہ بالا تمام خیالات اور تجاویز سے ہندوستانی بھائیوں نے پُورا اِتّفاق کیا۔

کیری کے منصوبوں میں سن ۱۸۱۰ء سے صرف وُہی علاقہ نہیں تھا جس کے شمال میں مُغلِ اعظم کا دارالسّلطنت۔ مغرب میں سورت اور جنُوب میں مرہٹّوں کا ناگپور تھے۔ بلکہ اُس کی نظریں لاہور تک لگی ہُوئی تھیں جہاں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سکھوں کے اقتدار کو فروغ دیا تھا۔ کیری نے کشمیر کو بھی نظر انداز نہیں کیا تھا بلکہ افغانستان کی طرف بھی اُس کی توجّہ تھی جہاں اُس نے پشتو کی بائبل بھیجی تھی۔ اس عظیم مرحلہ کو طے کرنے کی غرض سے چیمبرلین جانے والا تھا لہٰذا اُس کی جگہ کٹوا میں کیری کے بیٹے ولیم کو بھیجا گیا۔

کیری رقمطراز ہے:۔

"اس طرح سکھوں کی زبان میں بھی رفتہ رفتہ بائبل کا ترجمہ ہو جائے گا اور انجیل کا پیغام ان لوگوں میں بھی پھیل جائے گا۔ اسی سے کشمیر میں انجیل پہنچانے کا راستہ بھی کھل جائے گا اور بالآخر افغانستان میں بھی جو اس

وقت کشمیر پر حکومت کرتا ہے“

لیکن صرف ہندوستان ہی تک محدود رہنے میں کیری کو اطمینان نہ مل سکتا تھا۔ اس ملک میں اُس کو اُس شدید مخالفت کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا جس کی تفصیل ہم نے گذشتہ باب میں بیان کی ہے۔ لہٰذا فطرتی طور پر اُس نے بیرونِ ہند کی طرف بھی اپنی توجہ مبذول کی۔ اسی زمانہ میں سر سٹیمفورڈ ریفلز (SIR STAMFORD RAFFLES) نے کیری سے درخواست کی کہ وُہ ایک مشنری کو جاوا (JAVA) بھیجے۔ چنانچہ اُس نے ان جزائر میں اپنے بیٹے جبیض کیری کو بھیج کر وہاں بھی ایک مشن قائم کر دی۔ جبیض کیری کی تبدیلیٔ قلب کا عجیب و غریب بیان پہلے ہی کر چکے ہیں۔ یہاں ہم صرف اُس طویل خط سے چند اہم اقتباسات ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جو کیری نے اس موقعہ پر لکھا تھا۔ یہ خط کیری کی طرف سے اپنے فرزند کے نام ایک "ہدایت نامہ" کی حیثیت رکھتا ہے:۔

"۲۴ جنوری ۱۸۱۴ء۔ تم اب ایک نہایت اہم ذمّہ واری کو اپنے اُوپر لے رہے ہو۔ اس میں تمہاری کامیابی کے لئے نہ صرف ہماری دُعائیں تمہارے شاملِ حال رہیں گی بلکہ اُن تمام لوگوں کی بھی جو ہمارے خُداوند یسُوع مسیح سے مُحبّت رکھتے ہیں۔ اور جو تمہاری خدمت کی نوعیّت کو جانتے ہیں۔ مجھے معلُوم ہے کہ اپنے عزیز والد کی چند نصیحتوں کو تُم ضرور مانو گے لہٰذا میں تمہارے سامنے ان کو اس اُمید سے پیش کرتا ہُوں کہ یہ رائیگاں نہ جائیں گی:۔

اوّل۔ ہر وقت اس امر پر غور کرتے رہو کہ خُدا اور انسان کے متعلق تمہارے خیالات کیا ہیں۔ اپنے نفس کو پہچاننے کی عادت ڈالو۔ اس امر کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کرو کہ تُم قطعی ناکارہ اور نالائق ہو۔ ہر وقت اور ہر حال میں مسیح پر بھروسہ رکھنا سیکھو۔ پاک دِل رہو۔ خُدا کے مُقدّس اور بے داغ کیرکٹر کو ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے رکھو۔ اپنی زندگی دُعا میں بسر کرو اور اپنی زندگی کو خُدا کے نام پر وقف کر دو۔ ہر شخص کے متعلق قابلِ تعریف اور اچھے خیالات رکھو۔ حلیم۔ بُردبار اور فروتن بنو لیکن اس کے ساتھ ہی مضبُوط

اور تونگر بھی رہو۔ جب بھی تم محسوس کرو کہ تمہاری روح میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے اُس کو درست کرنے کی کوشش کرو۔ کبھی اپنے آپ کو کامل اور ناقابل اصلاح نہ سمجھو۔

دوم۔ تم اب شادی شدہ ہو۔ اپنی بیوی سے محض شریفانہ برتاؤ رکھنے پر ہی قناعت نہ کرو بلکہ تمہارا ہر فعل اُس کی محبّت پر مبنی ہونا چاہیئے۔ اُس کی عزّت کرو اور اُس سے ایسا سلوک کرو کہ وُہ بھی تمہاری عزّت کرے۔ جسم کی بناوٹ اور خوبصورتی کو دیکھ کر جو کشش ابتداً پیدا ہو جاتی ہے وُہ ایک جلد زائل ہونے والی چیز ہے۔ لیکن چال چلن کی خوبصورتی اور سیرت کی صفائی سے جو عزّت اور محبّت پیدا ہوتی ہے وُہ گھٹتی نہیں بلکہ روز بروز ترقّی پاتی جاتی ہے اگر خُدا کے فضل سے تم صاحب اولاد ہُوئے تو اپنے بچّوں کی تربیّت خُدا کے خوف کے ساتھ کرو۔ ہر وقت دوسروں کے لئے راست بازی کی طاقت کا نمونہ بنے رہو۔ یہی نصیحت میں الائیزہ (ELIZAH) کو بھی کرتا ہُوں۔ اگر تم نے اس کے مطابق عمل کیا تو تم خوش رہو گے۔

سوم۔ ہر ایک سے نرمی اور محبّت کا برتاؤ رکھو لیکن کوئی ایسی حرکت نہ کرو جس سے تمہارے اندر ایک غلامانہ ذہنیّت کی موجودگی کا شک پیدا ہو۔ یہ یاد رکھو کہ تم مرد ہو۔ اس لئے بارُعب طریقہ پر صدق دلی اور سچّائی کے ساتھ کام کرو تاکہ سب تمہاری عزّت کریں۔ دُنیوی لوگوں کے ساتھ زیادہ میل جول نہ رکھو لیکن جب اُن سے سابقہ پڑے تو مناسب اور باعزّت طور پر ان سے گفتگو کرو تو تاریخ۔ جُغرافیہ۔ ہم جنس انسان اور دیگر تمام اشیاء کا مطالعہ بہت غور و خوض اور محنت سے کرو۔ ایک مسیحی کے بعد دُنیا کا بہترین انسان وُہ ہے، جس کو ہم شریف انسان کہہ سکتے ہیں۔ اور ہر مسیحی شریف ہوتا ہے۔ شرافت دولت سے پیدا نہیں ہوتی اور نہ ہی ظاہری جسمانی خوبصورتی سے۔ بلکہ شرافت کا راز اس امر میں مُضمر ہے کہ ہم اپنے علم کو وسیع کریں اور دُوسروں سے گفتگو کرتے وقت اُن کو مسخّر کر لیں۔

چہارم۔ ابیوٹینا پہنچنے کے بعد تمہارا پہلا کام یہ ہوگا کہ مسٹر مارٹین (Mr. MARTIN)

سے مُلاقات کرو۔ پہلے اُن کو اپنی آمد کی تحریری خبر دو اور اُن سے دریافت کرو کہ وُہ کس وقت تُم سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ ہر اہم موقعہ پر اُن کی صلاح لو اور ہر اہم کام کو کرنے سے پہلے اُن کو آگاہ کرو۔

پنجم۔ جیسے ہی تُمہاری رہائش کے ضرُوری انتظامات ہو جائیں کام کو شرُوع کر دو۔ کسی ایسے ملیائی آدمی کے ساتھ جو تھوڑی بہُت انگریزی بول سکتا ہو تمام جزیرہ کی سیاحت اور ہر مدرسہ کا معائنہ کرو۔ جو چیز تُمہاری نظر میں اچھی معلُوم ہو اُس کی ہمّت افزائی کرو۔ اصلاح دیتے وقت نرمی سے کام لو لیکن رُعب اور دبدبے کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ مدرسوں کے کام کی ایک ڈائری (DIARY) تیّار کرو اور اُس میں ہر مدرسہ کے نام کی ایک سُرخی بناؤ۔ طلبا کا شمار کرو۔ اساتذہ کے نام دریافت کرو۔ معیّن اوقات پر اُن کے کام کی پڑتال کرو اور اس تمام کام کو ایسا سمجھو کہ یہ خُدا کی طرف سے تُم کو سونپا گیا ہے۔

ششم۔ اپنے آپ کو محض مدرسوں کا سپرنٹنڈنٹ ہی نہ سمجھو بلکہ یہ یاد رکھو کہ تُم ان لوگوں کے رُوحانی اُستاد بھی ہو۔ اُن کی بھلائی میں اپنا تمام وقت صرف کر دو۔ خُدا نے اس جزیرہ کے بیس ہزار نفُوس کی رُوحانی بہبُودی تُمہارے سپرُد کی ہے۔ یہ ایک بہُت بڑی ذمّہ واری ہے لیکن خُدا تُم کو اس لائق بنا سکتا ہے کہ تُم اس کو ایمانداری اور وفاداری سے پُورا کرو۔ "دینی سوال و جواب" پرچے اور نصاب کی جو کتابیں وہاں استعمال ہوتی ہیں اُن کی نظرِ ثانی کرو۔ اُن کے اندر صحیح دینی مسائل شامل کرنے اور حقیقی راست بازی کی تعلیم پیدا کرنے کے لئے عرق ریزی سے کوشش کرو۔ جس قدر جلد ہو سکے اُن لوگوں کے ساتھ مِل کر دُعا کرنے کی کوشش کرو۔ اُن کے رُوبرُو وعظ دینے کی قوّت حاصل کرنے کی غرض سے تندہی سے محنت کرو۔ مَیں جانتا ہُوں کہ بپتسمہ کے معاملہ میں تُم کو وہاں بہُت کام کرنا پڑے گا۔ وُہ سب یہ خیال کرتے ہیں کہ معصُوم بچّوں کو چھینٹے کے ذریعہ بپتسمہ دے دینا رَوا ہے لہٰذا وُہ اکثر تُم سے درخواست کریں گے کہ اس طرح اُن کے بچّوں کو بپتسمہ دو۔ جب تک تُم زبان پر کافی عبُور حاصل نہ کر لو تب تک اس معاملہ میں خاموشی اختیار کرو لیکن جب اس لائق ہو جاؤ تو کلام کے ذریعہ اُن پر ثابت کر دو کہ

بپتسمہ کا صحیح طریقہ کیا ہے اور کن لوگوں کو بپتسمہ دینا واجب ہے۔ جب تم چند ایک ایسے اشخاص کو جان جاؤ جو دراصل خُدا کے خوف میں زندگی بسر کرتے ہوں تو اُن کے درمیان ایک انجیلی کلیسیا قائم کر دو۔ اور جس قدر جلد کوئی وعظ کہنے کے لائق دکھائی دے اُس کو خادمِ دین کے عُہدہ پر مامُور کر کے کسی کلیسیا کے ساتھ مُلحق کر دو۔ جس وقت تم مناسب سمجھو اُس وقت بپتسمے دو اور مُقدس عشاء کی رسم ادا کرو۔ کاہلی اور سُستی سے بچتے رہو اور اس دُنیا میں ایک ظاہر دار اور خود پسند انسان کی سی زندگی بسر کرنے کی ہرگز کوشش نہ کرو۔

ہفتم۔ ملیائی زبان پر عبُور حاصل کرنے کے لئے انتھک کوشش کرو اور اپنی انتہائی محنت صَرف کر دو۔ اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے دیسی لوگوں سے میل جول رکھو۔ اُن کے ساتھ بسر کر جاؤ۔ جو نئی چیز تم کو نظر آئے اُس کا نام دریافت کرو اور لکھ کر رکھ لو۔ اُن کے مکانوں پر جا کر اُن سے ملاقات کرو۔ خاص کر جب اُن میں سے کوئی بیمار ہو۔ جو الفاظ تم نے دن میں سیکھے ہوں اُن کی حرُوف وار فہرست بنا لو۔ جیسے ہی تم چند الفاظ سیکھ جاؤ اُس زبان میں گفتگو کرنے کی کوشش کرو۔ حتےّ الامکان اُن میں سے ایک بننے کی کوشش کرو۔ اگر تم اُن کے ساتھ رحم دلی کا برتاؤ رکھو گے اور اپنے طرزِ عمل سے یہ ظاہر کرو گے کہ تم اُن کا خاص خیال رکھتے ہو تو وُہ تمہاری عزّت کریں گے اور تم پر اعتماد بھی رکھیں گے۔ اس طرح تم کو بہُت بھلائی کرنے کا موقعہ مل جائے گا۔

ہشتم۔

* * * * * *

نہم۔ اب مَیں ان باتوں کا ذکر کرتا ہُوں جو کم اہمیّت رکھتی ہیں لیکن مجھے اُمید ہے کہ تم اُن کو بھی فراموش نہ کرو گے۔ مَیں چاہتا ہُوں کہ تم اُن جزائر کے شمار۔ اُن کی وُسعت اور اُن کے جغرافیہ سے واقف ہو جاؤ۔ وہاں کے لوگوں کی تعداد اور اُن کے حالات بھی معلوم کرو۔ اُن کے رسم و رواج اور عادات اور اُن کے متعلّق تمام باتیں دریافت کرو اور وقتاً فوقتاً یہ تمام معلُومات مجھ تک پہنچاتے رہو۔

میرے عزیز ترین جیبیض۔ تُمہارا اعظیم کام یہ ہے کہ تُم ایک مسیحی خادم بنو۔ اگر تم

کے ساتھ کر دی جاتی لیکن تمہاری خدمت کی کامیابی کا انحصار کسی ظاہری رسم پر نہیں اور نہ ہی کسی ایسی رسم پر تمہارے انجیل کی منادی کرنے کے حق یا رسُومات کلیسیا کو ادا کرنے کے اختیار کا دارو مدار ہے۔ ان چیزوں کا سراسر انحصار اُس الٰہی حکم پر ہے جو خُدا کے کلام میں درج ہے۔ کلیسیا نے اپنی خواہشات اور اپنے ارادوں کے اظہار کے ذریعہ اُس فضل کی گواہی دے دی ہے جو تم کو خُدا کی طرف سے عطا ہُوا ہے اور کلیسیا ہمیشہ دُعا کرتی رہے گی کہ تم کو کامیابی نصیب ہو۔ کاش کہ تم ہر ایک آزمائش پر غالب آؤ۔ ہر امتحان میں تم کو تقویت پہنچے۔ ہر کش مکش میں تم فتحمند رہو اور کاش کہ ہم دونوں کے دل ایک دُوسرے کے اُن بیانات سے مسرُور ہوتے رہیں جن میں ہم فضلِ الٰہی کی ظفر مندی کی رُوئداد سُنائیں۔

تم کو یہ خدمت دے کر خُدا نے تم پر بڑا احسان کیا ہے۔ ہوشیار رہو۔ اور دیانتداری سے اس خدمت کو انجام دو۔ خُدا کے فضل کے تخت کے سامنے ہم دونوں اکثر دُعا میں ملا کریں گے۔ جب کبھی موقعہ ملے مجھے خط لکھا کرو اور الائیزہ کو تاکید کرو کہ وُہ اپنی ماں کو خط لکھتی رہے۔

اور اب میرے عزیز جبیض میں تم دونوں کو خُدا کے ہاتھوں میں سونپتا ہُوں مَیں اس کلام حق کے فضل پر تم کو چھوڑتا ہُوں جو تم کو الٰہی مرضی کی پہچان میں کامل کر سکتا ہے۔ اُس کلام کو اپنے دل کے نزدیک جگہ دو۔

مَیں تم دونوں کو خُدا کے سپُرد کرتا ہُوں اور اگر اس دُنیا میں مَیں تم کو پھر کبھی نہ دیکھ سکا تو مَیں امید کرتا ہُوں کہ آخرکار خُدا کے جلال کے تخت کے سامنے تم سے ملاقات کرُوں گا۔"

جاوا کا جزیرہ جہاں جبیض کیری مشنری بنکر گیا تھا پہلے انگریزی حکومت میں تھا لیکن پھر ڈنمارک (DENMARK) کے قبضہ میں دوبارہ منتقل کر دیا گیا۔ ان دونوں حکومتوں کے عہد میں جبیض کیری ایک نہایت کامیاب مشنری ثابت ہوا۔ یہ اس جزیرہ کے مدرسوں کا مہتمم اور "کالج آف جسٹس" (COLLEGE OF JUSTICE) کا ممبر تھا۔ اپنے ان عہدوں کی تنخواہ سے اس نے مشن کے تمام اخراجات پُورے کئے۔

جاوا کے علاوہ کیری کی برمی مشن کا بھی ذکر کرنا ضروری ہے کیونکہ اسی کے ذریعہ مشرقی ایشیا میں تبلیغ کی بنیاد پڑی۔ اس مشن کا آغاز اس طرح ہوا کہ کیری نے فلر کو حسب ذیل مضمون کا ایک خط لکھا:۔

"کلکتہ سے رنگون تک تقریباً دس یوم کا جہاز کا سفر ہے۔ برما کی حکومت آٹھ سو میل طویل ہے۔ اور اس کی سرحد بنگال کی مشرقی سرحد سے ملتی ہے۔ لیکن خشکی کے ذریعہ برما پہنچنا ناممکن ہے کیونکہ ان دونوں ممالک کے درمیان دشوار گزار پہاڑوں کا سلسلہ ہے جو گھنے جنگلوں سے بھرے ہوئے ہیں۔
مملکتِ برما کی مشرقی سرحد چین۔ کوچین چینی اور ٹانگ کنگ سے ملتی ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ بالآخر ان ممالک میں بھی انجیل کی اشاعت کی سہولت پیدا ہو جائے۔ ہم اُن تک بڑی آسانی سے پہنچ سکتے ہیں اور یہ لوگ چینی زبان کی بائبل کو اُتنی ہی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں جیسے چینی قوم کے لوگ۔
متّی کی انجیل کے بیس ۲۰ ابواب کا ترجمہ اس زبان میں ہو ہی چکا ہے۔ ہمارے خاندان کے تین افراد نے اس کام میں بہت ترقّی کرلی ہے۔

یہ واقعہ ویلور کی بغاوت کے بعد ہی کا ہے۔ اُن دنوں کیری کے دل میں یہ اُمنگ اس وجہ سے اور بھی زیادہ ہوئی کہ سرکارِ ہند نے فورٹ ولیم کالج (FORT WILLIAM COLLEGE) میں اس کی تنخواہ دُگنی کردی تھی اور اب اُس کو معمولی "مُعلّم" سے ترقّی دے کر "پروفیسر" کا اونچا عُہدہ دے دیا گیا تھا۔ اس طرح تبلیغ کے کام کو وُسعت دینے کے لئے روپیہ خود بخود فراہم ہوگیا۔ اس کے علاوہ رنگون کی بندرگاہ بھی انگریزوں کے لئے کھل گئی تھی۔

چنانچہ ۲۴ جنوری ۱۸۰۷ء کو مارڈن اور چیٹر رنگون کے لئے روانہ ہو گئے اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد کیری کے فرزند فیلکس نے مارڈن کی جگہ لے لی۔

فیلکس کیری نہ صرف ایک ماہر طبیب ہی تھا بلکہ کامیاب مشنری اور وارڈ کی قیادت میں مشرقی زبانوں کا ماہر اور عمدہ پرنٹر بھی ہوگیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ خاص طور پر سنسکرت کا عالم بھی تھا اور پالی۔ بنگالی اور برمی زبانوں میں اُس نے جو مہارت حاصل کی تھی وہ ایک لائق باپ کے لائق فرزند کے شایانِ شان تھی۔ رفتہ

رفتہ رنگون کے وائسرائے کی نظرِ عنایت اُس پر ہو گئی اور ۱۸۰۹ء میں گورنر جنرل کی طرف سے بھیجے ہُوئے سفیر کپتان کیننگ (CAPT. CANNING) کی بھی اُس نے بہت امداد کی۔ کپتان کیننگ ہی کی سفارش سے وائسرائے نے فیلکس کیری کی خاطر ایک ایسے ڈاکو کی جان بخشی کر دی جو چھ گھنٹے سے سُولی پر لٹکا ہوا تھا۔ اس واقعہ کے متعلق ڈاکٹر کیری نے رائیلینڈ (RYLAND) کو یُوں تحریر کیا ہے:-

"رومیوں کی طرح مجرموں کو علیحدہ علیحدہ سُولیوں پر نہیں چڑھایا جاتا اور نہ ہی اتنی اُونچی صلیب ہوتی ہے بلکہ کئی تختے زمین پر کھڑے گاڑ دئے جاتے ہیں جن کو آپس میں ایک دُوسرے کے ساتھ صرف اُوپر کی طرف آڑے تختوں سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ اس آڑے تختے پر ہاتھوں کو میخوں کے ذریعہ ٹھوک دیتے ہیں اور اسی طرح ایک تختہ پر نیچے کی طرف پیروں کو میخوں سے جڑ دیتے ہیں۔"

فیلکس کیری نے برمی اور پالی زبانوں کی ڈکشنریاں مرتّب کیں اور بودھیوں کے چند سُوتروں کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور بائبل کے چند حصّوں کا ترجمہ بھی برمی زبان میں کیا۔

جولائی ۱۸۱۳ء میں فیلکس مقام آوا میں تھا۔ اُس وقت دو نوجوان امریکنوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ظُلم اور سمندر کے طوفان کی تکلیفوں اور صعُوبتوں سے رنگون کے مشن ہاؤس (MISSION HOUSE) میں پناہ لی۔ یہ اڈونی رم جڈسن (ADONI-RAM JUDSON) اور ان کی اہلیہ این (ANN) تھیں۔ ان کے متعلق فقط اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ یہ علم الٰہی کے کسی مدرسہ میں زیرِ تعلیم تھے کہ اُنہوں نے تبلیغی خدمت کا اس درجہ شوق ظاہر کیا کہ امریکن لوگ اس بات پر مجبور ہو گئے کہ "امریکن بورڈ آف فارن مشنز" (AMERICAN BOARD OF FOREIGN MISSIONS) قائم کر کے اُن کو اپنا پہلا مشنری مقرّر کریں۔ ان کی تبدیلیٔ مذہب کا ذکر بھی ہم نے گذشتہ باب میں کر دیا ہے اور وہاں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ کن امُور کے پیشِ نظر اُنھوں نے امریکہ کے "بورڈ" سے قطع تعلّق کر کے بپتسمہ کی شکل میں شرکت حاصل کی تھی۔ ان کے ساتھی لُوتھر رائس (LUTHER RICE) بھی بپٹسٹ مشنری سوسائٹی کے شریک بنے تھے۔

جڈسن نے برما میں اور کارین لوگوں کے درمیان نہایت شاندار خدمت کی۔ یہ ۱۸۵۰ء

تک زندہ رہا اور اس عرصہ میں اُس نے ایک کلیسیا قائم کی۔ برمی زبان کی ایک ڈکشنری۔ ایک گرامر اور بائبل کا ترجمہ اس خوبی سے تیار کیا کہ آج تک ان کی نظرثانی کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

ہم نے ابھی فیلکس کیری کی بہت تعریف کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ ایک لائق باپ کا لائق بیٹا تھا۔ لیکن اس ضمن میں ہم اُن واقعات کو منظرِ عام پر لانا ضروری سمجھتے ہیں جن کی وجہ سے ہمارے ہیرو کو ۱۸۱۴ء سے ۱۸۳۰ء تک کے انتہائی صبر آزما زمانہ میں سخت رنج پہنچا۔

واقعہ یہ ہے کہ فیلکس کی پہلی بیوی کے انتقال کو عرصہ تین[۳] سال کا گذر چکا تھا کہ اُس نے ایک اینگلو انڈین خاتون سے دوسرا نکاح کر لیا۔ یہ رنگون کی رہنے والی تھی اور کیری بھی اس نکاح سے خوش تھا کیونکہ اُس کو امید تھی کہ اس کے ذریعہ فیلکس برما کے ساتھ ایک نزدیکی رشتہ سے منسلک ہو جائے گا۔ رنگون میں فیلکس شاہِ برما کا بہت معتمد ہوتا جاتا تھا اور شاہِ برما نے اُس کو ہدایت بھی کی تھی کہ ان کے دارالسلطنت واقع آوا میں ایک مشن اور ایک پریس قائم کرے فیلکس برما کی گورنمنٹ کے لئے چند دوائیں خریدنے کی غرض سے کلکتہ آیا اور واپسی کے وقت نہ صرف دوائیں ہی لے گیا بلکہ برمی زبان میں متی کی انجیل کا ترجمہ اور سیرامپور کی طرف سے ایک چھاپنے کی مشین بطورِ تحفہ لیتا گیا۔ کیری اُس دن بہت خوش تھا کیونکہ اُس کی اُمیدیں بڑھ گئی تھیں۔ فیلکس ۳۱۔ اگست کو رنگون کی بندرگاہ سے دارالسلطنت برما کے لئے جہاز پر سوار ہوا لیکن جہاز کو لنگر اُٹھائے ابھی تین[۳] گھنٹے بھی نہ ہوئے تھے کہ آندھی اور طوفان کے ایک زبردست جھٹکے میں جہاز پلٹ گیا اور فیلکس اپنی بیوی اور دو[۲] بچوں سمیت دریائے اراوادی میں گر گیا۔ بیوی کی گود میں ایک شیرخوار بچہ تھا۔ فیلکس نے اُن دونوں ماں بچوں کو بہت دیر تک سنبھالا لیکن جب تھک گیا تو بے ہوش ہو کر خود ہی ڈوبنے لگا۔ اُس کو ایک مرتبہ اور ہوش آیا تو اُس نے دیکھا کہ بیوی اور شیرخوار بچہ غرقاب ہو چکے ہیں مگر بڑا لڑکا ابھی تک موجوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اُس نے اُس کی مدد کو جانے کے لئے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے۔ ہزار کوشش کی مگر بہاؤ کی تیزی اور تندی کے سبب اور

کچھ اپنی تکان اور کمزوری کی وجہ سے بھی اُس تک پہنچ ہی نہ سکا۔ لہٰذا مُشکل کنارے کا رُخ کیا جہاں ابھی پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ دم پھُول گیا۔ اُس کی اپنی جان بھی خطرہ میں پڑگئی لیکن اُس کو چند ملّاحوں نے بچالیا۔ اس حادثہ سے فیلکس کو جو صدمہ ہُوا اُس کا ذکر وُہ اس طور پر کرتا ہے :۔

"میری مُصیبت نہایت سخت ہے ـــــ بلکہ مَیں تو یہ کہنے والا تھا کہ یہ ناقابلِ برداشت ہے ـــــ مجھے دُنیا میں جو کچھ بھی عزیز تھا وُہ سب کچھ مَیں کھو بیٹھا ہُوں۔ اگر اس کی پرواہ بھی نہ کی جائے تو بھی اپنی بیوی اور بچّوں کا اس طرح یکایک غرقاب ہوجانا میرے لئے ایک زبردست صدمہ ہے۔ مَیں کچھ کہنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ ایُّوبؔ کی طرح مَیں اس کو خاموشی سے برداشت کرُوں گا۔"

کیریؔ اس واقعہ کے متعلق جبیقض کو یُوں تحریر کرتا ہے :۔

"ان الم ناک خبروں سے ہم کو سخت صدمہ ہے لیکن ہم خاموش ہیں کیونکہ یہ منشائے الٰہی ہے۔ گو خاموشی میں مَیں بھی فیلکسؔ کا شریکِ غم رہتا ہُوں۔"

ولیمؔ کٹوا کے مقام سے اپنے والد بزرگوار کو یہ جواب دیتا ہے :۔

"آپ کے گذشتہ وحشت اثر خط نے ہمارے دماغ پر جو اثر کیا اُس کی کیفیّت ہم بیان نہیں کرسکتے۔ ہائے! میرا عزیز بھائی!! اس قدر مُصیبت کے وقت کوئی بھی اُس کے نزدیک نہ تھا جو اُس کی دست گیری کرتا!!! اُف۔ مرگِ ناگہاں!! اور وُہ بھی تقریباً تمام خاندان کی!!!"

فیلکسؔ کے خاندان کے ساتھ ہی برمی زبان کی متّی کی انجیل۔ اُس کی برمی زبان کی ڈکشنری کا قلمی نسخہ۔ سیرامپور کا پریس۔ سب غرق ہوگئے۔

فیلکس کا جو مالی نُقصان ہُوا تھا وُہ شاہِ برما نے پُورا کردیا۔ لیکن دماغی نُقصان اور رُوحانی صدمے کا کون ازالہ کرسکتا تھا؟ اس لئے چار سال تک فیلکسؔ تقریباً مخبُوط الحواس رہا گو دیکھنے میں وُہ ایسا معلُوم ہوتا تھا گویا ترقّی کر رہا ہے۔

اُسی سال کے اختتام پر اُس نے سیرامپور اطلاع بھیجی کہ وُہ سرکارِ ہند کے دربار میں شاہِ برما کا خاص سفیر بن کر کلکتہ آرہا ہے اور اُس کو ہدایت کی گئی ہے کہ ہر دو حکومتوں

کے باہمی کشیدہ تعلّقات کو درُست کرنے کی کوشش کرے۔کیری کو اس خبر سے پہلے تو بہت مسرّت ہوئی لیکن جب کیری کو معلوم ہُوا کہ اس "ملازمت" کو اختیار کرنے کے لئے فیلکس مشن کی خدمت سے سبکدوش ہو گیا ہے تو اُس نے کہا کہ "ایسا خیال ہی میرے لئے انتہائی افسوس کا باعث ہے کیونکہ میں اس کو ایک گناہِ عظیم سمجھتا ہُوں"۔ فُلر کو اُس نے ایک خط میں لکھا کہ "فیلکس نے مشنری کے منصب سے گِر کر شاہی سفیر کی ذِلّت قبول کر لی ہے"۔

افسوس! فیلکس اپنے اس نئے عُہدہ کی مکمّل شان و شوکت کے ساتھ آ پہنچا۔ طلائی تلوار اور سُرخ چھتر جو اُس کے اعلےٰ منصب کے نشان تھے اُس کے جلوس میں موجود تھے اور پچاس برمی سپاہیوں کا باڈی گارڈ بھی اُس کے ہمراہ تھا۔ سرکارِ ہند نے ایک عُمدہ محل اُس کے قیام کے لئے بڑے اہتمام سے تیّار کرایا تھا۔ لیکن جب اُس کے کاغذات دیکھے گئے تو معلوم ہُوا کہ اُن میں چند خامیاں ہیں اور وُہ ان تمام آسائشوں کا حقدار نہیں ہے جو ایک غیر مُلکی حکومت کے سفیر کو بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ وُہ شاہِ برما کے خطوط وائسرائے ہند کے نام لے کر آیا تھا۔ ان خطوط میں وُہ ہدایت نامہ بھی موجود تھا جس میں اُس کی خدمت کا ذکر تھا جس کے انجام دینے کے لئے اُس کو روانہ کیا گیا تھا لیکن ان خطوط میں کہیں بھی کوئی ایسا جُملہ نہ ملا جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ وُہ بحیثیّت ایک شاہی سفیر کے بھیجا جا رہا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ غلطی کس طرح وقُوع میں آئی۔ ممکن ہے کہ یہ برما کے شاہی سیکرٹری کی خطا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فیلکس نے اپنے منصب کی اصل نوعیّت کو ہی نہ پہچانا ہو اور مبالغہ آمیز صُورت میں اُس کی تشہیر کر دی ہو۔ جو بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے وُہ یہ ہے کہ اُس زمانہ میں فیلکس نے جس قدر بھی خطوط لکھے ہیں ان تمام کے مضمون میں اُس کے قلبی صدمہ اور خللِ دماغ کے نقوش پائے جاتے ہیں۔

کیری کے لئے یہ واقعہ سخت اہانت آمیز اور ذِلّت کا باعث ثابت ہُوا۔ پھر اس تکلیف میں مزید اضافہ کرنے کا سامان فیلکس نے دوبارہ پیدا کر دیا۔ وُہ شاہی سفیر ہونے کا دعوےٰ تو کر ہی چُکا تھا لیکن اُس کو سرکارِ ہند نے ایسا تسلیم نہ کرتے ہُوئے

وُہ سہولتیں نہ دیں جو سفیروں کو عام طور پر بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ چنانچہ فیلکس نے اس کا ازالہ اس طرح کیا کہ اپنے صرفہ سے شاہی سفیروں کی سی شان و شوکت کے ساتھ سات ماہ تک کلکتہ میں بُود و باش رکھی۔ اس عرصہ میں اُس نے بہت کچھ قرض بھی لے لیا جس کو ادا کئے بغیر ہی وُہ چل دیا۔ آخر کیری کو اپنی بچی املاک سے فیلکس کے قرض کی ایک ایک کوڑی ادا کرنی پڑی اور اس کے بار سے کیری کنگال ہو گیا۔ پھر فیلکس نے شراب خوری کی بُری عادت بھی ڈال لی تھی اور اس سے بھی کیری کو کچھ کم صدمہ نہ پہنچا۔ وُہ جبیض کو خط لکھتا ہے کہ: "فیلکس دن بدن خُدا سے دُور ہوتا چلا جاتا ہے جس کی وجہ سے میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔"

جبیض نے اس کے جواب میں لکھا:۔

محترم والد صاحب۔

اگر مَیں اس وقت آپ کے نزدیک آ کر آپ کی خدمت کر سکتا یا آپ کو تسلّی دے سکتا تو مَیں ضرور ایسا ہی کرتا۔ بہت عرصہ تک مُجھ پر آپ کی نظرِ عنایت اور شفقتِ پدری کا سایہ رہا ہے۔ لیکن اگر مجبُوری کے علاوہ مَیں کسی اور وجہ سے اپنی موجُودہ خدمت کو فراموش کر کے آپ کے قریب آ جاؤں تو خُود آپ ہی کی نظروں میں کوئی قدر نہ ہوگی۔ لہٰذا مَیں خاموش ہُوں۔ اس سے پہلے مَیں نے کبھی آپ کی جُدائی کو اس درجہ محسُوس نہ کیا تھا۔"

ولیم لکھتا ہے:۔

"جب مَیں ان تمام مُصیبتوں کا خیال کرتا ہُوں جو گذشتہ دنوں میں آپ کو برداشت کرنی پڑی ہیں تو میرا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ میری دلی دُعا ہے کہ خُدا آپ کو ایُّوب کا سا صبر اور ایُّوب کی طرح سات گُنی برکت عنایت فرمائے۔"

جب فیلکس رنگون پہنچا تو اُس کو معلُوم ہُوا کہ شاہِ برما اُس سے ناراض ہیں لہٰذا وُہ وہاں سے فرار ہو گیا اور تین ۳ سال تک وُہ برما اور آسام کی سرحد پر آوارہ و سرگردان پھرتا رہا۔ اس عرصہ میں اُس نے ایک مرتبہ کچار کے راجہ کی ملازمت بھی اختیار کر لی اور ایک دفعہ کسی فوجی دستہ کی کمان بھی کی جس میں برما کی فوجوں نے اُسے شکست دی۔ لیکن کیری سے اُس نے برابر خط و کتابت قائم رکھی جس سے کیری

کا غم غلط ہوتا رہا۔

۱۸۱۸ء کے آخر میں ایک مرتبہ جنگل میں گشت کرتے ہوئے اچانک اُس کی ملاقات وارڈ سے ہو گئی۔ ناظرین کو یاد ہو گا کہ وُہ وارڈ کو اپنا "رُوحانی باپ" یا "دھرم باپ" کہا کرتا تھا۔ وارڈ نے اُس کو بہت سمجھایا اور اُس کو مجبور کر کے اپنے ہمراہ واپس سیرامپور لے آیا۔ کیری کا "مسرف بیٹا" واپس آگیا! قدرتی طور پر یہ بات باپ کے لئے بھی بہر طور مُوجبِ مُسرّت تھی۔

چودھواں باب

کیری کا خاندان اور اُس کے دوست

گذشتہ باب میں ہم نے کیری کے اُس الوداعی خط کا ایک طویل اقتباس دیا تھا جو اُس نے اپنے بیٹے جبیض (JABEZ) کو امبوئینا (AMBOYNA) بھیجتے وقت لکھا۔ اُس خط کے نفسِ مضمون میں کیری اپنے بیٹے کو لکھتا ہے:۔

"ایک مسیحی کے بعد دُنیا کا بہترین انسان وُہ ہے جس کو ہم شریف انسان کہہ سکتے ہیں۔ اور ہر مسیحی شریف ہوتا ہے۔"

یہی جُملہ کیری کا مقصدِ حیات ہے جس میں خود اُس کا کردار جھلکتا ہے۔ عہدِ طفلی میں گاؤں کی سادہ زندگی بسر کرنے کی وجہ سے وُہ عُمر بھر خاموش طبیعت اور شرم وحیا کا پُتلا رہا۔ خواہ وُہ نوجوانوں کو مخاطب کر کے کلام کر رہا ہو یا بزرگوں سے گُفتگو کرتا ہو اُس کی بول چال میں حجاب کے ساتھ ساتھ ایک خاص کشش اور ایک عجیب قسم کی جاذبیت پائی جاتی تھی۔ لیکن کبھی کبھی اُس کی خط و کتابت میں اچانک اُس کی مُحبّت اور خدمت کا جوش اور سرگرمی پُر زور اور فصیح و بلیغ الفاظ میں ظاہر ہو جاتے تھے۔ لیکن خاندانی تعلقات میں اُس کی اُنس و مُحبّت اس طرح سمندر کے مدّ و جزر کی مانند کم و بیش

نہیں ہونے تھے۔ ان میں ایک قسم کی یکسانیت اور استواری تھی جو نہ تو کبھی محبت کو کم ہی ہونے دیتی تھی اور نہ ہی اُنس کے اظہار میں زیادہ گرمجوشی ظاہر کرنے دیتی تھی جن ہم خدمتوں نے اُس کے ساتھ تقریباً ایک تہائی صدی تک کام کیا ہے وُہ حقیقی معنوں میں اُس کی خوش خُلقی سے متاثر ہو کر اُس کی پرستش کرنے لگے تھے۔

کیری جس خلوص کے ساتھ اپنی کلیسیا کے شرکاء سے مِلتا اُسی خلوص سے ہمیشہ کلیسیائے انگلستان کے چیپلنز (CHAPLAINS) اور بشپوں (BISHOPS) سے بھی ملاقات کرتا تھا۔ دُنیوی کاروبار کے سلسلہ میں اُس کو علماء تاجروں اور کاشتکاروں سے لے کر لارڈ ویلزلی (LORD WELLESLEY)۔ لارڈ ہیسٹنگز (LORD HASTINGS) اور لارڈ ولیم بینٹک (LORD WILLIAM BENTICK) تک سے شرفِ ملاقات حاصل ہُوا۔ ان سب سے اُس کی تمام تر گفتگو رفاہِ عام کے مسئلہ پر ہی ہوتی تھی اور اُس کی بات چیت سے ہمیشہ یہی ظاہر ہوتا تھا کہ کیری وُہ ہستی ہے جس سے محض ملاقات رکھنا ہی ایک شرف ہے۔

ہم دیکھ ہی چکے ہیں کہ کیری کا پہلا ہم خدمت ٹامس (THOMAS) کیسی عجیب طبیعت کا مالک تھا اُس کی وجہ سے کیری کو ہمیشہ تکلیف ہی رہی۔ لیکن کیری نے ہمیشہ صبر و تحمل سے کام لیا اور کبھی تیور بدل کر اُس کو سخت و سُست نہ کہا۔ کیری اپنے مالک کی خدمت میں اس قدر مشغول رہتا تھا کہ اُس کو اپنے آرام کی مطلق پرواہ نہ رہتی تھی۔ جس کام میں بھی وُہ ہاتھ ڈالتا اُس کی مصروفیت محویت کے ہم معنی ہو جاتی تھی۔ وُہ ذاتیات سے اس درجہ بے تعلق تھا کہ خُود اپنے ہی آرام و آسائش سے بے نیاز رہتا تھا۔

کیری نے اپنی پہلی بیوی سے جو سلوک روا رکھا وُہ انتہائی شریفانہ تھا۔ اور ہم بلا خوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ اس معاملہ میں اس سے بہتر حقیقی مسیحی طبیعت کا نمونہ کیری کی زندگی میں نہیں مِل سکتا۔ ہم گزشتہ چند ابواب میں تفصیلاً بیان کر چکے ہیں کہ کن وجوہات کی بنا پر ڈوروتھی کیری (DOROTHY CAREY) اپنے خاوند کے بُلند نصب العین کو نہ سمجھ سکتی تھی۔ ہم یہ ماننے کو تیار ہیں کہ کیری کا علم و حکمت اُس سے بدرجہا بلند و بالا تھا اور ان حالات میں دونوں کا بالطبع ایک ہونا قطعی محال تھا۔ لیکن اس کے باوجود اُس نے کبھی اپنی بیوی کی دلجوئی میں کمی نہیں کی اور نہ کبھی شکوہ و شکایت زبان پر لایا بلکہ ہمیشہ یہی کہتا رہا کہ "مَیں کسی پر الزام نہیں لگاتا"۔

سنہ ۱۸۰۲ء ہی سے ڈوروتھی کیری کی بیماری نے ایک خطرناک صُورت اختیار کر لی

تھی اور اُس کی حالت روز بروز بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی تھی حتیٰ کہ ڈاکٹر آرنلڈ (DR. ARNOLD) نے کہہ دیا تھا کہ اُس کو پاگل خانہ میں داخل کر دیا جائے۔ لیکن کیری کسی طرح بھی اس پر رضامند نہ ہوا بلکہ متواتر پانچ (۵) سال تک اُس کی تیمارداری حیرت انگیز صبر و استقلال کے ساتھ کرتا رہا اور بالآخر ۷ دسمبر ۱۸۰۷ء کو وہ اپنی تمام دنیوی تکالیف سے نجات حاصل کر کے ابدی آرام میں جا پہنچی۔

جن دنوں کیری نے سیرامپور میں سکونت اختیار کی اُنہی دنوں لیڈی رُمہور (LADY RUMHOR) بھی وہاں تشریف لائی ہوئی تھیں۔ اُنہوں نے ہگلی کے کنارے مشنریوں کے مکان کے نزدیک ہی اپنی کوٹھی تعمیر کرائی۔ یہ مشنریوں سے اکثر ملاقات کیا کرتی تھیں اور ان کی خدمات سے بہت دلچسپی رکھتی تھیں۔ کرشنا پال کے بپتسمہ کے بعد اُس کو سب سے پہلے مبارکباد دینے والی یہی خاتون تھیں۔ مشنریوں کے ہاتھوں سے اُنہوں نے خود بھی بپتسمہ پایا تھا۔ ۹ مئی ۱۸۰۸ء کو اُن کی شادی ہمارے ہیرو ولیم کیری سے ہوئی اور تیرہ ۱۳ سال کی خوشی کی زندگی گزارنے کے بعد مئی ۱۸۲۱ء میں اکسٹھ ۶۱ سال کی عمر میں آپ راہیٔ مُلکِ عدم ہوئیں۔

ان کا پورا نام شارلٹ ایمیلیا (CHARLOTTE EMILIA) تھا اور یہ کیری کی ہم عمر تھیں۔ ڈنمارک کے علاقہ ڈچی آف شیلزوِک (DUCHY* OF SHELSWICK) میں پیدا ہوئی تھیں۔ ان کے والد کا نام شیویلیر ڈی رُمہور (CHEVALIER DE RUMHOR) تھا جنہوں نے ایک تاریخی خاندان کی واحد فرد کاؤنٹیس آف آلفیلڈٹ (COUNTESS OF ALFELDT) سے نکاح کیا تھا۔ آپ ہی کے بطن سے شارلٹ ایمیلیا پیدا ہوئی تھیں۔

پندرہ ۱۵ سال کی عمر میں شارلٹ ایمیلیا ایک نہایت کمزور اور نحیف لڑکی تھی۔ ایک رات کسی تکلیف کی وجہ سے جاگ رہی تھی کہ مکان میں آگ لگ گئی۔ اُس نے سب کو بروقت آگاہ کر کے تمام خاندان کی جان بچائی لیکن اس آتشزدگی میں خود اُس کو کوئی ایسی گزند پہنچی جو باوجود ہزار علاج کرانے کے دُور نہ ہوئی۔ یہی سبب تھا کہ باقی تمام عمر زینہ پر بلا کسی مدد کے آ جا نہ سکتی تھی۔

جب یورپ میں مرض ناقابل علاج پایا گیا تو خیال پیدا ہوا کہ شاید ہندوستان کی آب و ہوا موافق آئے اور یہاں کچھ آرام ہو جائے۔ لہٰذا یہ ڈنمارک ایک جہاز پر سیرامپور

تشریف لائیں جہاں کرنل بائی (COLONEL BIE) نے ان کی ملاقات مشنریوں سے کرائی اور یہیں انھوں نے سکونت اختیار کرلی۔

یہ نہایت ذہین و فہیم ہونے کی وجہ سے یورپ کی اہم ترین زبانوں سے بخوبی واقف تھیں اور اس زبان دانی کی برکت ہی نے آپ کو اس قابل بنایا کہ جلد ہی انگریزی زبان پر بھی عبور حاصل کرلیں۔ اس کے بعد ہی یہ مشنریوں کے ساتھ عبادتوں میں شریک ہونے لگیں۔ ۱۸۰۳ء میں کیری سے نکاح ہو جانے پر انھوں نے اپنی تمام جائداد مشن کے حوالہ کردی اور اس کی آمدنی کو ہندوستانی منادوں کی تنخواہوں کے لئے وقف کردیا۔ انھوں نے بنگالی زبان صرف اس نیت سے سیکھی تھی کہ دیسی مسیحیوں کے ساتھ قریبی تعلقات پیدا کرسکیں۔ جب کبھی ڈاکٹر کیری یا ان کے ہم خدمت کسی نئے کام کو جاری کرنے یا کسی موجودہ کام کو فروغ دینے کا ارادہ کرتے تو یہ ہمیشہ اپنی نیک صلاح اور مشورہ سے ان کی مدد کیا کرتی تھیں۔ کلکتہ اور سیرامپور میں ہندو لڑکیوں کی تعلیم کی نگرانی آپ نے خود اپنے ذمہ لی۔

روحانی زندگی کی باتیں سن کر بہت مسرت ہوتی تھی۔ حالانکہ یہ اس قدر لاغر اور کمزور تھیں لیکن ان کی گفتگو میں عام طور پر ایک خوشی اور اطمینان پایا جاتا تھا۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان کا دماغ ہر وقت کام کرتا رہتا تھا۔ چونکہ آپ چلنے پھرنے سے لاچار تھیں لہٰذا ان کے لئے ایک گاڑی بنوا دی گئی تھی جس کو ایک ملازم چلایا کرتا تھا۔ جب کبھی موسم صاف ہوتا یہ علی الصبح اور بوقت شام اپنی گاڑی میں سیر و تفریح کے لئے نکل جاتیں اور اس طرح کم از کم تین ۳ گھنٹے تازہ ہوا میں رہتی تھیں۔ یہی سبب ہے کہ انھوں نے اپنی کمزوری ناتوانی اور مسلسل بیماری کے باوجود اکسٹھ ۶۱ سال کی عمر پائی جس میں سے اکیس ۲۱ سال ہندوستان میں بسر ہوئے۔

اپنے تصور میں اس نحیف و زار عورت کے کارناموں پر غور کیجئے جو صبح و شام اپنی چھوٹی سی گاڑی میں بیٹھ کر دریا کی ٹھنڈی ہوا میں سیر کرتی ہے۔ بچوں کے مدرسوں کے معائنہ کو جاتی ہے اور دیسی مسیحیوں کے گھروں پر جا کر ان سے ملاقات کرتی ہے۔ اس کمزوری اور لاغری کے عالم میں اس کا اس قدر جفاکشی سے محنت کرنا قابل تحسین ہے۔ مگر اس نیک خاتون کی بہترین خدمت یہ نہ تھی۔ اس کے شوہر ولیم کیری نے ہندوستان کے لئے

خصوصاً اور بنی نوع انسان کے لئے عموماً جو کام کر دکھایا ہے وہ کسی دُوسرے کو شاید ہی نصیب ہو۔ اور اس نیک خاتون کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اپنے شوہر کی عظیم خدمت میں اُس کا ہاتھ بٹانے والی یہی بیمار۔ لاغر اور کمزور عورت تھی جو دُکھ میں اُس کو تسلّی شکست میں ہمّت۔ نا اُمیدی میں اُمید وار اور تکلیف میں اطمینان کے الفاظ کہہ کر اُس کو سنبھالا کرتی تھی۔

۲۴۔ جون ۱۸۰۹ء کی شام کو کیری نے کھانے کے وقت اس بات کا اعلان کیا کہ آج کے دن بنگالی زبان میں بائبل کا مکمّل ترجمہ ہو گیا ہے۔ جب احباب نے دریافت کیا کہ وہ اور کیا کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اُس نے کہا کہ "اپنے کام کے جو منصوبے مَیں نے باندھ رکھے ہیں وہ تقریباً ساٹھ سال میں پُورے ہو سکیں گے"۔

اُس کا یہ منصوبہ پُورا ہونا عین مُمکنات میں سے تھا مگر کیری کی لگاتار محنت اور جانفشانی بالآخر اُس کی صحت پر اثر ڈالنے لگی اور وہ بُخار میں ایسا مُبتلا ہوا کہ زندگی کی کوئی اُمید باقی نہ رہی۔ خُدا خُدا کر کے وہ اس خطرہ سے بچا اور ایک کافی عرصہ تک نحیف و زار رہا۔ مارشمین (MARSHMAN) نے کیری کے صحتیاب ہونے کے بعد لکھا ہے:۔

"خُداوند کی مہربانی اور عنایت اس امر سے صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اُس نے ہمارے بھائی کیری کو گویا مُردوں میں سے زندہ کیا ہے"۔

اور راؤ (ROWE) لکھتا ہے کہ "خُدا نے اُس کو دوبارہ زندگی بخش کر کام کرنے کے لائق تو کر دیا ہے۔ کاش کہ اپنے منصوبے پُورے کرنے کی توفیق بھی اُس کو مل جائے۔" خُدا نے یہ دُعا قبول کی اور کیری شفایاب ہوتے ہی اپنے کالج اور دفتر میں مُستعدی سے کام کرنے لگا۔

اپنی اڑتالیسویں سالگرہ کے موقعہ پر کیری نے رائیلینڈ (RYLAND) کو ایک نہایت دلچسپ خط لکھا جس کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ اس خط میں اُس نے اپنی بیماری کا ذکر کرتے وقت آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے جو الفاظ قلمبند کئے ہیں وہ غور کرنے کے لائق ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس خطرناک بیماری میں کیری کو ہمارے زمانہ (۱۹۶۰ء) کی رویا دکھائی دی تھی:۔

"کلکتہ مورخہ ۱۶۔ اگست ۱۸۰۹ء

"ایک ماہ پہلے مجھے قطعی اُمید نہ تھی کہ مَیں آپ کو خط لکھ سکوں گا۔ اُس وقت مَیں تیز بُخار میں مُبتلا تھا۔ ایک ہفتہ تک تو انتہائی اُمید و بیم کی حالت میں گذرا۔ اِس دوران میں میری جو حالت تھی اُس کو عالم نزع سے تعبیر کرنا کچھ مبالغہ نہ ہوگا۔ خاص کر دو دن تک تو سب کو یہی خیال رہا کہ مَیں مر رہا ہُوں مگر خُدا نے اپنے فضل و کرم سے مجھے دوبارہ زندگی بخشی۔ کاش کہ میری زندگی اب اور زیادہ اُس کے جلال کا باعث ثابت ہو۔

مَیں جب تک بیمار رہا مجھے اپنے حواس پر قطعی قابو نہ تھا۔ مَیں اکثر بُخار کی شدت کی وجہ سے بے ہوش رہتا تھا لیکن ہوش آنے پر ایسا محسوس کرتا تھا کہ مَیں پاگل ہو گیا ہُوں۔ اس کی وجہ میری کمزوری ہی ہو سکتی ہے کیونکہ یہ کمزوری اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ کلکتہ کے بہترین ماہر ڈاکٹر ہیئر (Dr. HARE) صاحب نے یہ رائے قائم کر لی تھی کہ میری علالت تو چنداں خطرناک نہیں ہے لیکن اس کے باعث جو کمزوری پیدا ہو گئی ہے وہ البتہ نقصان کا باعث ہو سکتی ہے۔ لیکن مجھے موت یا عاقبت یا زندگی یا اُس سے متعلق کسی شے کا بھی کچھ خیال نہ تھا۔

مجھے اپنی بیہوشی کے عالم کے بیشتر تخیلات اب تک یاد ہیں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خُدا نے مجھے ایک حُکمنامہ دیکر دُنیا کے حاکموں اور حکومتوں کے پاس بطور ایک سفیر کے بھیجا ہے اور اس حُکمنامہ میں ان حکومتوں سے کہا گیا ہے کہ وہ فوراً مذہب کو سیاسیات سے علیحدہ کر دیں۔ اسی حُکمنامہ میں ان کو یہ بھی ہدایت کی گئی ہے کہ تمام سرکاری گرجا گھروں اور دیگر عبادت گاہوں کو اُس مسیحی انجمن کے ہاتھ فروخت کر دیں جو سب سے پہلے ان کو خریدنے کے لئے تیار ہو۔ مجھے تاکید کی گئی تھی کہ مَیں علے الاعلان بتا دُوں کہ جنگ ایک قابلِ نفرت چیز ہے اور فوجی افسران کے ساتھ اُن آدمیوں کا سا سلُوک کرنا چاہیئے جنہوں نے بنی نوع انسان کو تباہ و برباد کرنے کی غرض سے اپنی ضمیر کو فروخت کر دیا ہے۔ مجھے یہ بھی اعلان کرنے کا حکم ملا کہ جو لوگ جنگ میں کام آنے کی وجہ سے بہادر، دلیر اور محافظانِ مُلک کہلاتے ہیں وہ

سب ضمیر فروش ہیں۔

اس حکم نامہ کو لے کر میں جہاں کہیں بھی گیا میرے ساتھ فرشتے ہمیشہ موجود رہے۔ اور مجھے ہر جگہ کامیابی حاصل ہوئی۔ البتہ جرمنی کے چند شہزادوں نے اس حکم کی تعمیل کرنے سے گریز کیا اس پر میرے ہمراہی فرشتوں نے اُن کو فوراً ہلاک کر دیا۔

میں نے پوپ (POPE) کو بھی جتا دیا کہ روم اور اُس کے گرد و نواح کے علاقے برباد ہوں گے۔ وہ عالیشان شہر خود اور اُس کی تمام دولت اُس دہکتے ہوئے جہنم میں گر کر بھسم ہو گئے جس میں شاہ نیرو (NERO) کے غسل کا پانی گرم کیا جاتا تھا۔

یہ تمام تخیلات میری علالت اور شدتِ بخار کا نتیجہ تھے مگر چونکہ یہ میری تمناؤں کا حاصل بھی ہیں لہٰذا میں انہیں محض تخیلات نہیں کہہ سکتا بلکہ ان کو تاثرات سے تعبیر کرتے ہوئے دست بدعا ہوں کہ خدا ان کو پورا کرے۔ مگر اس وقت معیاری اشیاء کے متعلق گفتگو کرنے کا موقعہ نہیں ہے"۔

جب ہم کیری کے دوستوں کا ذکر کرتے ہیں تو ڈیوڈ براؤن (DAVID BROWNE) صاحب کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ یہ وہی صاحب ہیں جنہوں نے ایک دفعہ کیری کو ایک گلاس ٹھنڈا پانی تک دینے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر زمانہ ہر وقت یکساں نہیں رہتا۔ رفتہ رفتہ اُن کے خیالات میں تبدیلی واقعہ ہوئی اور بالآخر وہ ہمارے ہیرو کے عزیز ترین دوستوں کے زُمرہ میں شامل ہو گئے۔

سیرامپور میں مشن قائم ہونے کے دو سال بعد آپ نے "آلڈین ہاؤس (ALDEEN HOUSE) نامی کوٹھی میں سکونت اختیار کی اور تا دمِ مرگ اُسی میں رہے۔ آپ فورٹ ولیم کالج (FORT WILLIAM COLLEGE) کے پرووسٹ (PROVOST) اور کلکتہ سے سینئر چپلین (SENIOR CHAPLAIN) تھے۔

"آلڈین ہاؤس" کے قریب لیکن مشن احاطہ سے الگ بلبھ پور کا اُجڑا ہوا مندر اور اُسی نام کا ایک گھاٹ ہے۔ اس گھاٹ پر عمدہ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جن پر سے گذر کر ہر سال جون کے مہینہ میں لاکھوں یاتری نزدیک کے بنر تھا اور جگن ناتھ کے مشہورِ عالم رتھ

کی زیارت کے لئے آتے جاتے ہیں۔

تھوڑے ہی عرصہ بعد ڈیوڈ براؤن صاحب نے بلبھ پور کے پرانے مندر کو خرید کر اس میں ایک مسیحی عبادت گاہ قائم کر دی۔ اُس وقت سے اب تک اس عبادت گاہ کا نام "ہنری مارٹین کا پگوڈا" (HENRY MARTYN'S PAGODA) مشہور ہے۔

دس سال تک "آلڈین ہاؤس" اور ہنری مارٹین کا پگوڈا کیری اور اُس کے ساتھیوں کی عبادت گاہ رہا۔ ان عبادتوں میں اس کے ساتھ شریک ہونے والوں میں کلاڈیئس بکانن (CLAUDIUS BUCHANAN)۔ ہنری مارٹین (HENRY MARTYNE)۔ بشپ کوری (BISHOP CORRIE) اور تھامپسن (THOMPSON) وغیرہ ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ کلیسیائے انگلستان کے مبلغ بھی شریک ہُوا کرتے تھے۔ پھر "آلڈین ہاؤس" اور "مشن ہاؤس" میں متعدد مغربی افسران بھی جمع ہُوا کرتے تھے جن کو مشنری صاحبان یا اُن کے دوستوں سے شرفِ ملاقات حاصل تھا۔

انگلستان سے آنے والے سیاح بھی اس مقام کی زیارت کرتے ضرور آتے تھے جس کے ساتھ ولیم کیری۔ ہنری مارٹین۔ جوشوا مارشمین۔ کلاڈیئس بکانن۔ ولیم وارڈ اور بشپ کوری جیسی ہستیوں کی یاد وابستہ ہو گئی تھی۔

ڈاکٹر رائیلینڈ کو خط لکھتے وقت اس مقام (پگوڈا) کی نسبت کیری رقمطراز ہے:۔

"اگر پگوڈا میں آپ ہماری عبادتوں میں ہمارے شریک ہو سکتے تو آپ بہت مسرور ہوتے۔ یہ وُہی مقام ہے جہاں سے ہم نے بُہتوں کو اُن کی خدمت پر مامور کر کے روانہ کیا ہے۔ مثلاً ڈاکٹر ٹیلر (DR. TAYLOR) کو بمبئی بھیجا گیا۔ مسٹر مارٹین (Mr. MARTIN) کو دیناج پور۔ مسٹر کوری (Mr. CARRIE) کو چُنار۔ مسٹر پارسنز (Mr. PARSONS) کو برہام پور۔ مسٹر ڈی گرینجز (Mr. DE GRONGES) اور نیگا پٹم اور اپنے دو بھائیوں کو رنگون بھیں سے ہم مسٹر ٹامسن (Mr. TOMSON) کو مدراس روانہ کریں گے۔

ان عبادتوں میں جو اتفاق اور یکدلی پائی جاتی ہے وُہ انگلستان میں مختلف کلیسیاؤں کے شُرکا کے مابین دیکھنے میں نہیں آتی۔"

بزرگانِ دین کے ناموں کی اس فہرست کے بارے میں محض اس قدر کہہ دینا کافی ہو گا کہ

ڈاکٹر ٹیڈر اور مسٹر ڈی گریجیز لندن مشنری سوسائٹی (غیر بپٹسٹ) کے مشنری تھے۔ رنگون جانے والے دونوں "بھائیوں" سے ہم ناظرین کا تعارف کرا چکے ہیں یعنی اڈونی رم جڈسن (ADONIRAM JUDSON) اور لُوتھر رائیس (LUTHER RICE) اور ہم کو معلوم ہے کہ یہ دونوں امریکن بپٹسٹ تھے۔ دیگر تمام صاحبان کلیسیائے انگلستان کے پادری تھے۔ یہ ایک ایسا وقت تھا جبکہ "ساکرامنٹ" (SACRAMENT) کے متعلق افسوسناک قضیئے اور "اُسقفیت" (EPISCOPACY) کے سلسلے میں لایعنی تنازعے اور "بپتسمہ" (BAPTISM) کے بارے میں باہمی تفرقے ہندوستان کی کلیسیا کو بدنما نہیں کر سکے تھے۔ اس وقت ہندوستان میں ایسے بلند خیال اور اعلےٰ دماغ کے مسیحی موجود تھے جو کیری کی قیادت میں اپنے واحد خُدا کی بہترین خدمت کرنے کے اہل تھے۔

آئیے ہم ہنری مارٹین کے پگوڈا پر ایک قریبی نظر ڈالیں۔ یہ ایک خوبصورت عمارت کا کھنڈر ہے۔ پیپل کے درختوں کی جڑیں اس کی ایک ایک اینٹ سے اُلجھ رہی ہیں۔ نیچے سے دریا اس کی جڑوں کو کاٹ رہا ہے اور اغلب ہے کہ امروز فردا میں ہُگلی اس بوسیدہ کھنڈر کو بہا کر لے جائے۔ اس کی سانچے میں ڈھلی ہوئی اینٹوں پر پھول پتّیاں بھی بنی ہوئی تھیں جو اب بھی کہیں کہیں نظر آتی ہیں۔ دونوں محرابیں ابھی تک محفوظ ہیں جس جگہ یہ محرابیں آپس میں ملتی ہیں اس جگہ ہندوؤں کی مُورتیاں رکھی ہُوئی تھیں۔ ان مُورتیوں کے نشان اب بھی باقی ہیں۔ دریا کے رُخ کی دیوار گر چکی ہے اور اس کے ساتھ ہی وُہ چبوترہ بھی بہ گیا جس پر کیری وغیرہ صُبح و شام دُعا اور عبادت کیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر ڈف (DR. DUFF) سے بشپ کاٹن (BISHOP COTTON) تک ہزاروں ہستیوں نے اس مقدّس مقام کی زیارت کی اور سب یہاں سے متاثر ہو کر واپس گئے۔

عرصہ ہُوا کہ رادھا بلبھ فرقہ کے پجاریوں نے اس مندر کو چھوڑ دیا تھا کیونکہ دریا اس کے تین سَو فٹ سے زیادہ نزدیک آگیا تھا (اس حدّ کے اندر برہمن کو روٹی کھانے یا دان لینے کی اجازت نہیں ہے!!!) اس مندر میں سیاہ رنگ کی جو مُورتی رکھی ہوئی تھی اُس کو بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ایک نئے مندر تک پہنچا یا گیا۔ یہ مُورتی ہندوؤں میں اپنے تقدّس اور خُوبصُورتی کے لئے مشہور ہے۔ روایت ہے کہ کلائیو (CLIVE) کے میر مُنشی راجہ نول کشور نے اس مُورتی کو خریدنے کی کوشش بھی کی تھی۔
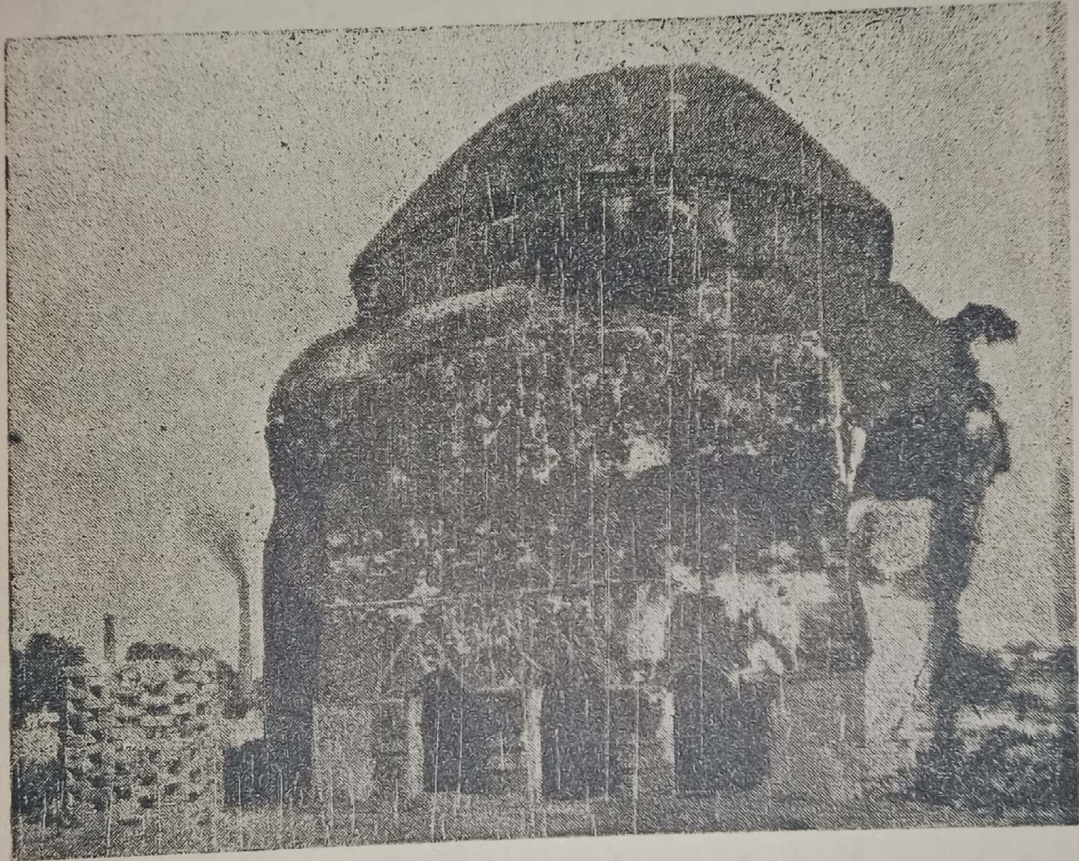
ھنری مارٹن کا پیگوڈا

جب ہنری مارٹین صاحب چیپلین بنکر "آلڈین ہاؤس" میں سکونت پذیر ہوئے تو اُنہوں نے دیکھا کہ اس مندر میں بہت ٹھنڈک رہتی ہے اور یہ عبادت کے لئے بھی موزوں جگہ ہے۔ لہٰذا اُنہوں نے اس جائداد کو خرید لیا اور مندر کے کلس کے نیچے ایک مسیحی عبادت گاہ قائم کر دی۔ رفتہ رفتہ حمد و تمجید کے واسطے ایک آرگن بھی نصب کر دیا گیا۔ پھر ہنری مارٹین صاحب کے قول کے مطابق "جو مقام شیطان کی پرستش کے لئے مخصوص تھا وُہ مسیحی عبادت گاہ میں تبدیل ہو گیا"۔ یہی وُہ مقام تھا جہاں اُنہوں نے اُن متعدد تجاویز پر غور کیا جو وقتاً فوقتاً تبلیغ کے متعلق پیش ہوتی رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ جب مایُوسی اور نااُمیدی نے ان پر غلبہ حاصل کیا تو اُنہوں نے اس مقام کے متعلق حسب ذیل الفاظ میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا:۔

"میں نے اس طرح دُعا مانگنی شروع کی گویا عاقبت میں پہنچنے والا ہُوں اور خداوند نے مناسب سمجھا کہ میرے سخت دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ مَیں ہندوستان کے باشندوں کے لئے آنسو بہا بہا کر دُعا کر رہا تھا اور مَیں نے محسوس کیا کہ خدا کی نظر میں ہندوستان کا سب سے نیچ شُودر وُہی اہمیّت رکھتا ہے جو انگلستان کا شہنشاہ"۔

ہنری مارٹین صاحب اکثر اسی طرح دُعاؤں میں مشغول اور محو رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسی محویّت سے وُہ یکایک چونک کر بیدار ہو گئے۔ اُن کو بیدار کرنے والے ایک ستّی کی چتا کے شُعلے تھے لیکن اس سے پہلے کہ وُہ موقعہ پر پہنچ کر مظلُوم بیوہ کی کوئی امداد کر سکتے وُہ اپنے مرحُوم خاوند کی چتا میں جل کر خاک ہو چکی تھی اور رادھا بلبھ کے نئے مندر سے ڈھول۔ تاشے۔ گھنٹے۔ گھڑیال اور سنکھ کی آوازوں کے ساتھ ساتھ "ہری بول" "ہری بول" کا شور بلند ہو رہا تھا۔

اسی مقام پر ہنری مارٹین صاحب اپنے اُن بھائیوں کو زندہ خدا کی پرستش کرنے کی ترغیب دیتے اور تلقین کرتے تھے جو مندر میں رکھی ہُوئی سیاہ اور بدشکل مُورتی کے سامنے ماتھا ٹیکتے تھے۔

ہنری مارٹین صاحب فرماتے ہیں کہ "جب مَیں ان مناظر پر نگاہ کرتا ہُوں تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مَیں دوزخ کے آستانوں پہ کھڑا ہُوا کانپ رہا ہُوں"۔

اسی مندر میں اُنھوں نے دیناج پور جانے سے پیشتر براؤن - کوری اور پارسنز سے آخری ملاقات کی - اس ملاقات کی نسبت آپ فرماتے ہیں :-

"میری رُوح کو آج تک اس قدر خُوشی اور مُسرّت نصیب نہیں ہُوئی تھی - مَیں چاہتا تھا کہ اس خاکی بدن کی قید سے آزاد ہو کر عالمِ بالا پر مقدّسین کے ساتھ حمد میں شامل ہو جاؤں"

"مَیں نے محسُوس کیا کہ میری جنّت اس دُنیا ہی میں شرُوع ہو گئی ہے - عبادت کرنے اور اپنے خُداوند اور مالک کی خدمت میں زندگی بسر کرنے سے زیادہ خُوشگوار مصروفیت اور کوئی نہیں ہو سکتی"

جب ہنری مارٹین صاحب اپنے آخری سفر کے لئے "مشن ہاؤس" کے سامنے سے گذر رہے تھے تو "ڈاکٹر مارشمین کا دل بھر آیا - وُہ کچھ دُور اُن کے ساتھ گئے اور پھر دُعا کے ساتھ اُن کو الوداع کیا"

سُبحان اللہ ہندوستان پر کیسی کیسی ہستیوں نے اپنے دائمی اثرات پیدا کئے ہیں - زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ ہنری مارٹین کے پگوڈا نے بھی کئی رنگ بدلے - رادھا بلبھ کے مندر کے بعد کچھ عرصہ سُنسان رہا لیکن اس کے دن پھرے تو ایک مسیحی عبادتگاہ بن گیا - اس صُورت میں استعمال ہونے کے بعد یہ دُوسروں کے ہاتھوں میں چلا گیا اور اس کی قدر و منزلت بھی جاتی رہی - کچھ عرصہ اس میں شراب کی کشیدگی بھی ہوئی جس کی وجہ سے "پگوڈا ڈسٹیلری" (PAGODA DISTILLERY) کا نام زبان زدِ عام ہو گیا - اس کے بعد یہ عمارت ایک ہندو خاندان کی رہائش گاہ بن گیا - لیکن ان کو بھی جلد ہی خالی کرنا پڑا کیونکہ جو مسیحی سیرامپور جاتا وُہ اس پگوڈا کی زیارت ضرور کرتا حتّٰی کہ گورنر جنرل لارڈ کارنوالس (LORD CORNWALLIS) تک نے اس کی زیارت کا شرف حاصل کیا - اب یہ ایک کھنڈر ہے جس کی اینٹیں ایک ایک کر کے گر رہی ہیں اور صرف چند دن کی مہمان ہیں -

برطانیہ میں ۱۸۱۲ء تک ہر گھر میں کیری کا نام زبان زدِ عام ہو چکا تھا - ۱۷۹۳ء سے پہلے جن لوگوں سے اُس کی شخصی واقفیت تھی اُن میں سے بہت کم باقی بچے تھے اور جو اب تک زندہ تھے وُہ عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے اپنی زندگی کے آخری دن گن رہے

تھے۔ نئی پشت کے اندر کیری کے کارہائے نمایاں کی رُوئداد نے ایک جوش پیدا کر دیا۔ کیری خود ایک نہایت حلیم الطبع انسان تھا اور اُس کی یہ حلیم مزاجی ہی نوجوانوں کے دلوں میں گھر کر گئی تھی۔ وُہ اُس کو نہ صرف اپنا قائد ہی ماننے کو تیار تھے بلکہ اُس کا بے حد احترام کرتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ کیری انگلستان۔ سکاٹ لینڈ اور امریکہ سے غیر ممالک کو جانے والی تمام تبلیغی انجمنوں کا بانی اور باپ ہے۔

سیرامپور کی مشہور آتش زدگی نے بھی عوام کے دلوں میں کیری اور اُس کے کام کے لئے ایک ہمدردی کا جذبہ پیدا کر دیا تھا (اس سانحہ کے لئے ہم نے ایک علیحدہ باب مخصُوص کر دیا ہے) ماسوا چند بزرگ ہستیوں کے عوام نے کیری کو کبھی دیکھا نہ تھا۔ اور نہ ہی وُہ یہ اُمید کر سکتے تھے کہ اس زندگی میں کبھی اُس سے ملاقات ہوگی۔ لہٰذا رفتہ رفتہ اُنہوں نے کیری کی تصویر کے لئے اصرار کرنا شروع کر دیا اور جلد ہی یہ مطالبہ اس قدر بڑھ گیا کہ اس سے پہلُو تہی کرنا ناممکن ہو گیا۔

یہ آنے والی نسلوں کی خُوش قسمتی تھی کہ تصویر کے معاملہ میں کیری نے صاف انکار نہ کیا بلکہ اپنی فطرتی انکساری کی وجہ سے خاموشی اختیار کر کے اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔ ملاحظہ ہو کہ کیری فورٹ ولیم کالج کے کمرہ میں بیٹھا ہے۔ قلم ہاتھ میں ہے۔ سنسکرت کی بائبل کا نُسخہ سامنے ہے۔ (اصل تصویر میں پنڈت مرتونجے ودیا النکار بھی نزدیک ہی بیٹھے ہیں)۔ یہ تصویر (جو اس صفحہ کے مقابل شائع کی جاتی ہے) اُس زمانہ کی ہے جبکہ ولیم کیری کی عمر تقریباً پچاس سال کی تھی اور وُہ اپنی شہرت کے عرُوج کو پہنچ چُکا تھا۔ یہ تصویر آج تک ریجنٹ پارک کالج (REGENT PARK COLLEGE) میں آویزاں ہے۔ ایک سال بعد اس تصویر کا ایک عکس برطانیہ میں چھاپا گیا اور ایک ایک گنی کی قیمت پر فروخت ہو چکی تمام آمدنی اُسی کام پر صرف کر دی گئی جو کیری کے دل کو اس قدر عزیز تھا۔

کیری کے چار بیٹے تھے۔ فیلکس (FELIX)۔ ولیم (WILLIAM)۔ جعبیض (JABEZ) اور جوناتھن (JONATHAN)۔ اس زمانہ میں کیری کی خط و کتابت سب سے زیادہ ولیم سے رہتی تھی۔ یہ فرنینڈیز (FERNANDEZ) کے ساتھ مشنری خدمت کرنے ۱۸۰۷ء میں دیناج پور گیا تھا۔ ان متعدد خطوط میں سے چند ایک کے دلچسپ اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

"۲۰ - اپریل ۱۸۰۷ء

اپنے خداوند یسوع مسیح کی خدمت میں ترقی کرتے رہنے کے لئے ہماری ہمت بڑھی ہوئی ہے، کیونکہ ہم کو یقین ہے کہ آخر کار یہ خدمت کامیاب ہوگی۔ یہ ایک ایسا کارِ عظیم ہے جو ابد سے خُدا کی نظروں کے سامنے تھا۔ ایسا کام جس کی خاطر مسیح نے اپنا خون بہایا۔ جس کی خاطر رُوح القدس نازل ہُوا۔ جس کی خاطر کلام مجسّم ہُوا جس کے لئے بہت سے وعدے کئے گئے۔ جس کے واسطے مقدسین ہمیشہ دُعاؤں میں مشغول رہے اور جس کا خُدا خُود انتہائی خیال رکھتا ہے ....
لہٰذا اس کی کامیابی یقینی ہے۔ اس لئے اَے میرے عزیز فرزند! جرأت اور دلیری کے ساتھ اپنے آپ کو اس خدمت میں بالکل محو کر دو اور اپنی موت کے لمحہ تک اس کو سب سے زیادہ اہم چیز تصوّر کرو۔"

یورپ کے سیاسی حالات کو کیری جس نظر سے دیکھتا تھا وہ بھی ملاحظہ ہو :-

"کلکتہ ۲۹ ستمبر ۱۸۰۸ء۔

ابھی ایک جہاز آیا ہے جس کے ذریعہ خبر پہنچی کہ بونا پارٹ (BOONAPARTE) نے تمام مُلک سپین (SPAIN) پر قبضہ کر لیا ہے اور سپین کا شاہی خاندان بائی یون (BYONE) کے مقام پر حراست میں ہے۔ ممکن ہے کہ اس عرصہ میں ترکی کو بھی شکست ہو گئی ہو۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان تمام باتوں کا کیا انجام ہوگا۔ مَیں دیکھ رہا ہُوں کہ خدا کا قہر اُن قوموں پر نازل ہو رہا ہے جنہوں نے مدّتوں انجیل کو سُنا ہے۔ اور اُس حقیقت کی اشاعت کو رد کیا ہے جو انجیل میں پائی جاتی ہے۔ بونا پارٹ خُدا کے غضب کا ایک وسیلہ یا آلہ ہے۔ وُہ ایک جلاد ہے جس کو خُدا نے مُجرم انسانوں پر اپنے فیصلہ پر عملدرآمد کرانے کے لئے مقرر کیا ہے۔"

کیری کو دیناج پور کے علاقہ سے مُحبّت تھی۔ وُہ ایک خط میں لکھتا ہے :-

"۲۶ - اپریل ۱۸۰۹ء

میرے پیارے ولیم۔ تُم ایک ایسی جگہ مقیم ہو جو مُجھ کو بہت عزیز ہے کیونکہ میری ہندوستان میں سکونت کے پہلے کئی سال اسی علاقہ میں بسر ہوئے۔ لہٰذا جب تم ہمارے مُنجی کی خدمت میں کسی خاص کاوش سے کام لیتے ہو تو اس سے مُجھے

از حد مسرت ہوتی ہے .... اگر تم کئی سال کی متواتر کوششوں کے بعد صرف ایک ہی رُوح کو بچانے میں کامیاب ہو جاؤ تو یقین جانو کہ تمام عُمر کی محنت کا اجر مل جائیگا .... مَیں نہیں کہہ سکتا کہ جب سے مَیں اس مُلک میں آیا ہُوں مَیں کسی ایک شخص کے لئے بھی فائدہ مند ثابت ہُوا یا نہیں لیکن پھر بھی مَیں جس خدمت میں مصرُوف ہُوں اُس کو ترک کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ بلکہ باوجود ان تمام ہمّت شکن خیالات کے جو میری اپنی نالائقی اور نا اہلیّت کی وجہ سے پیدا ہوتے رہتے ہیں مَیں اس کام کو سب سے اعلیٰ اور افضل سمجھتا ہُوں اور محسُوس کرتا ہُوں کہ اپنے نجات دہندہ کی خدمت ہی میں ایک بڑا اجر ہے۔ قدرے صبر و استقلال کے بعد تم بھی یہی محسُوس کرو گے اور رسُول کے ساتھ یہ کہہ سکو گے کہ "مَیں اپنی جان کو عزیز نہیں رکھتا کہ اس کی کُچھ قدر کروں بمقابلہ اس کے کہ اپنا دَور اور وہ خدمت جو خُداوند یسُوع سے پائی ہے پُوری کرُوں یعنی خُدا کے فضل کی خُوش خبری کی گواہی دُوں۔ لہٰذا صبر کرو اور استقلال کے ساتھ اپنے کام کو کئے جاؤ اور نتیجہ خُدا کے ہاتھ میں چھوڑ دو۔"

مسٹر فرینیڈریز کلیسیا کے پاسبان تھے۔ اُن کی غیر موجُودگی میں ولیم نے ڈونسٹر کا نام کلیسیا کی فہرست سے خارج کر کے ایک قضیہ کا سامان فراہم کر لیا۔ جب کیری کو اس کی خبر ہُوئی تو وُہ اپنے غم و غصّہ کا اظہار اس طرح کرتا ہے:۔

"۲۴۔ اپریل سنہ ۱۸۱۰ء۔

اگر تم کو قطرتِ انسانی کا تھوڑا سا بھی علم ہے تو تُم محسُوس کر لو گے کہ چھ میں سے پانچ موقعوں پر (ایسا فعل) اہانت آمیز سمجھا جائے گا۔ یہ بہتر ہوتا اگر تُم اُن کو یہ صلاح دیتے۔ بلکہ اُن کو یہ حکم کر دیتے۔ کہ مسٹر فرینیڈریز کی واپسی تک خُداوندی میز تک نہ آئیں اور پھر کلیسیا کی اس ضابطہ کی کارروائی کو مسٹر فرینیڈریز کی صدارت میں ہونے دیتے۔ لیکن یقیناً تُم نے جو کُچھ کیا وُہ اپنی نا تجربہ کاری اور سادہ لوحی کی وجہ سے نتائج پر غور کئے بغیر کر ڈالا۔ اگر مسٹر فرینیڈریز نے تُم سے بے رُخی کی تو یہ اُن کی غلطی تھی کیونکہ باہم مل کر تبادلۂ خیالات کر لینے سے معاملات صاف ہو سکتے تھے۔ خیر اس کے متعلق میں تُم سے کُچھ نہ کہُوں گا بلکہ ہم میں سے کوئی ایک جلد ہی

اس مضمون پر مسٹر فرنینڈیز کو خط لکھے گا۔
لیکن اس وقت سب سے بڑی ضرورت اس امر کی ہے کہ تُم دونوں کے درمیان سمجھوتہ ہو جائے۔ خواہ تُم سادہ محل میں رہو یا نہ رہو لیکن سمجھوتہ کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے تُم دونوں کو اپنے اپنے احساسات کی قربانی کرنی ہوگی اور چونکہ وُہ احساسات جو تُم دونوں کو باہم دگر ملنے سے روکتے ہیں لایعنی ہیں لہٰذا جس قدر جلد ممکن ہو ان کو قربان کرنا ہی بہتر ہے۔ مَیں تُم کو صلاح دیتا ہُوں کہ فوراً مسٹر فرنینڈیز کو ایک خط لکھو۔ اس میں اعتراف کرو کہ اُن کی صلاح اور اُن کی اجازت بغیر دوسٹر کاٹنے کلیسیا کا نام خارج کرنے میں تُم نے نادانی اور غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ اُن کو بتاؤ کہ تُم قطعی اُن کے جذبات کو ٹھیس لگانا نہیں چاہتے تھے لیکن تُم نے یہ کام اس لئے کیا کیونکہ تُم کو خیال تھا کہ اس میں عجلت کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد اُن سے درخواست کرو کہ وُہ سمجھوتہ کرلیں۔ جو خط تُم اُن کو لکھو اُس کی ایک نقل مَیں بھی دیکھنا چاہتا ہُوں۔
میرا مقصد سوا اس کے اور کچھ نہیں کہ کلیسیا کی بہتری ہو اور اس مقصد کے حاصل کرنے میں مَیں تمہاری جانب سے ہر قسم کی انکساری اور انتہائی عجز کو زیادہ پسند کروں گا بہ نسبت اس کے کہ تُم رعُونت اور تمکنت سے بھرے رہو اور کلیسیا کی ترقّی میں رُکاوٹ کا مُوجب ہو۔
اگر تُم امن قائم رکھنے کی خاطر خاک میں بھی مل جاؤ گے تو تُم کبھی اس پر پشیمان نہ ہو گے۔ تمہارے گرد رہنے والے غیر مذاہب کے لوگوں کے لئے اس سے بہتر اور کوئی نمونہ نہیں ہو سکتا۔ بھائی فرنینڈیز کے غُصّہ کو فرد کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ اور خُدا کی کلیسیا میں تمہاری عزّت کو اس سے زیادہ اور کوئی چیز دو بالا نہیں کرسکتی۔
غالباً تمہارا تبادلہ کسی اور مقام پر کر دیا جائے گا لیکن جب تک تُم دونوں کا آپس میں فیصلہ نہیں ہوتا تمہارا تبادلہ بھی نہیں ہوگا اور نہ ہی اس سمجھوتہ کے کچھ عرصہ بعد تک تبادلہ ہو سکے گا کیونکہ لوگ یہی سمجھیں گے کہ یہ اُس جھگڑے یا تنازعہ کی بنا پر کیا گیا ہے اور سمجھدار لوگ اس پر طعن و تشنیع کریں گے۔

ہم اس بات کو ذہن میں رکھیں گے اور کسی مناسب مقام کی تلاش میں رہیں گے لیکن اس معاملہ میں ہم کو اور ساتھ ہی تم کو بھی نہایت ہی ہوشیاری اور دانشمندی سے کام لینا ہوگا۔ یہ ایک وجہ ہے کہ میں تم سے منّت کرتا ہوں کہ کلیسیا سے علیحدگی اختیار نہ کرو اور نہ ہی اپنے کام کی کسی شاخ سے دست بردار ہو بلکہ اپنے فرائض کو ثابت قدمی سے ادا کرتے رہو۔ غصّہ کے ہر جذبہ کو دبانے کی کوشش کرو۔ دعا میں مشغول رہو۔ غلط فہمی پھیلانے کا ذریعہ مت بنو بلکہ سب باتوں کی برداشت کرو۔ "ویسا ہی مزاج رکھو جیسا مسیح یسوع کا بھی تھا۔"

میں اُمید کرتا ہوں کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے اُس کو پڑھ کر تم ضرور بھائی فرینٹ ٹیبز سے سمجھوتہ کرنے کی کوشش کرو گے اور سچائی اور حقیقت کا لحاظ رکھتے ہوئے ہر بات میں بُردباری اختیار کرو گے۔"

ولیم نے درخواست کی تھی کہ جان و مال کے خطرہ کی وجہ سے اُس کا تبادلہ سیرامپور کر دیا جائے۔ اس کے جواب میں کیری لکھتا ہے :-

۳- اگست ۱۸۱۱ء۔

تمام دیگر امور سے پہلے مشن کی ضروریات کو ملحوظ رکھنا ہوگا * * *

* * * * * * * *

تمہارے اندیشوں میں خطا کی بو آتی ہے۔ اگر تم اور میری (MARY) اپنے فرض کی ادائیگی میں اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دو گے تو تم ہزار گنا زیادہ محفوظ رہو گے بہ نسبت اس کے کہ اپنی حفاظت کرنے کی غرض سے تم اپنے فرض کو فراموش کر دو۔ تم دیکھ رہے ہو کہ جنگ کے خطرناک کام میں سپاہیوں کو کتنی تکلیف ہوتی ہے اور کس قدر خطرہ میں رہنا پڑتا ہے۔ ان کو مجبوراً اپنا گھر بار چھوڑنا پڑتا ہے اور اپنی جان ہزاروں خطروں میں ڈالنی پڑتی ہے۔ لیکن وہ کبھی اعتراض کرنے کا خیال تک دل میں نہیں لاتے .... وہ بھی اپنی بیویوں سے محبّت کرتے ہیں اور اپنے خاندانوں کو عزیز رکھتے ہیں۔ پھر تمہاری فہم اور تمہارا ادراک اُن لوگوں سے اعلیٰ ہے۔ وہ قتل و غارت کرنے کو جاتے ہیں اور تم بچانے کی غرض سے جاتے ہو۔ اگر وہ جنگ کی خاطر اپنے خاندانوں کو چھوڑ کر جا سکتے ہیں

تو تم بھی ضرور خدا کے سپرد اپنے خاندان کو چھوڑ کر جا سکتے ہو جبکہ تم خدا کے کام پر جاتے ہو۔

میں اس طرح لکھتا ہوں کیونکہ مجھے از حد افسوس ہوتا ہے جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ تم اپنی جوانی کے بہترین دن بیکاری میں صرف کر رہے ہو اور اس بیکاری کے لئے ایسے عذر لنگ پیش کرتے ہو جن سے کسی بچے کو بھی مطمئن نہیں کیا جا سکتا۔

پندرھواں باب

فورٹ ولیم کالج

جب کیری اپنے گاؤں میں موچی کا کام کرتے ہوئے دنیا کو مسیحی بنانے کے خواب دیکھ رہا تھا اُس وقت ویلزلی (WELLESLEY) انگلستان کی مشہور درسگاہ اٹین (ETON) میں زیرِ تعلیم تھا۔ اور جب کیری کلکتہ میں مفلس و نادار فاقہ کشی کر رہا تھا اُس وقت ویلزلی دار العوام (HOUSE OF COMMONS) میں برک (BURKE) کی طرز تقریر میں اپنی فصاحت کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بٹھا رہا تھا۔ ویلزلی ولیم پٹ (WILLIAM PITT) کا دوست تھا۔ ہندوستان کے متعلق اُس کی معلومات "بورڈ آف کنٹرول BOARD OF CONTROL" کی ممبری کے زمانہ میں بڑھ گئی تھیں اور بورڈ آف کنٹرول کی ممبری کے زمانہ ہی میں اُس نے ایسٹ انڈیا کمپنی (EAST INDIA COMPANY) کے ڈائرکٹران سے بحث و تحیص کرنے کا ملکہ بھی حاصل کر لیا تھا۔ ویلزلی ۱۷۹۸ء میں گورنر جنرل بنکر ہندوستان آیا۔ ان دنوں میسور کی دوسری لڑائی سے حکومت انگلشیہ کو جو خطرہ لاحق ہو گیا تھا اور ٹیپو سلطان کی شکست کے جو اثرات اس سلطنت پر پڑنے والے تھے ویلزلی نے آتے ہی ان خطرات و اثرات سے کمپنی کو بچا لیا۔ جونہی جنگ کے تمام خطرات دور ہو گئے ویلزلی نے اُن اصلاحات کے لئے تندہی سے کام کرنا شروع کر دیا جن کا نفاذ صلح اور امن کے زمانہ ہی میں خوبی سے ہو سکتا ہے۔ لارڈ ڈلہوزی (LORD DALHOUSIE) کی طرح

(جو اُس کے نصف صدی بعد آئے) ویلزلی نے جنگ اور امن دونوں ہی میں اپنی انتظامی قابلیت کا سکّہ جمایا۔ اُس نے فورٹ ولیم کالج (FORT WILLIAM COLLEGE) قائم کیا جس کو وُہ مشرق کی بہترین درس گاہ بنانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس عظیم کام میں اُس نے جس خُوبی سے تمام انتظامات کئے اور جن بلند مقاصد کو اُس نے ہمیشہ پیش نظر رکھا اُس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اپنے ملک اور ہندوستان کی بہترین خدمت ویلزلی کے ہاتھوں ہی ہُوئی۔

جب لارڈ ویلزلی کلکتہ تشریف لائے تو اُنہوں نے کمپنی کے ملازمین کے گرے ہُوئے طرزِ زندگی کو دیکھ کر بہُت حیرت کا اظہار کیا۔ اتوار کا دن جُوئے اور گھوڑ دوڑ کے لئے مخصوص تھا۔ سولہ ۱۶ اور سترہ ۱۷ برس کے لڑکے سکول سے نکال لئے جاتے تھے اور اُن کی ابتدائی تعلیم بھی ختم نہ ہونے پاتی تھی کہ اُن کو مجسٹریٹ۔ کلکٹر۔ جج اور حتّیٰ کہ صُوبوں کا گورنر تک بنا دیا جاتا تھا۔ ان حالات میں اُن نوعمر اور ناتجربہ کار لڑکوں کے زیرِ نگین اچانک لاکھوں افراد ہندوستانی آجاتے تھے۔

اِنسان کی عمر میں یہ ایک ایسا وقت ہوتا ہے جب جذبات اور خواہشات کو صحیح راستوں پر ڈالنے کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ مگر یہ ناتجربہ کار لڑکے اپنے آپ کو کثیر دولت کا مالک اور چاپلوسوں کے گروہوں سے گھرا ہُوا پاتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ان سے پہلے جو کمپنی کے ملازمین تھے اُن کی اخلاقی زندگی بھی ان نوجوان لڑکوں کے لئے کوئی قابلِ تقلید نمونہ نہ تھی۔ رائے عامہ بھی انسان کو بہُت سی بُرائیوں سے روکے رکھتی ہے لیکن اس زمانہ میں اس قسم کی بھی کوئی روک تھام نہ تھی۔

لارڈ ویلزلی ایٹن کا طالب علم اور آکسفورڈ یونیورسٹی (OXFORD UNIVERSITY) کا فارغ التحصیل تھا۔ اگرچہ یہ خُود نوجوان تھا مگر اُس نے دُنیا دیکھی تھی۔ اُس نے فوراً پہچان لیا کہ اگر ان ناگفتہ بہ حالات کو تبدیل کرنے کی فوری کوشش نہ کی گئی تو جلد کمپنی کے تمام سیاسی اور فوجی ملازمین کا کردار تباہ و برباد ہو جائے گا۔ لہٰذا اُس نے کمپنی کے ملازمین کی اس عام بداخلاقی کے خلاف ۲۵ مئی ۱۷۹۸ء کو ایک کھُلا خط شائع کیا۔ اس کا جواب ملازمین نے بھی تُرکی بہ تُرکی دیا اور "سرکار کے بیجا رویّہ اور غیر مسیحی طرزِ عمل کے خلاف سخت احتجاج کیا۔

تنازعہ بہرحال ایک ناخوشگوار امر تھا لیکن اس کا ایک یہ فائدہ ضرور ہُوا کہ پارلیمنٹ

(PARLIAMENT) میں ولیم پٹ اور ولیم ولبر فورس (WILLIAM WILBERFORCE) جیسے مدبرین لارڈ ولزلی کے حامی ہو گئے اور یوں لارڈ ولزلی کو اس کالج والی تجویز میں امداد مل گئی جس کے ذریعہ ہمارے ہیرو ولیم کیری نے نہ صرف ہندوستان بلکہ کل جنوبی اور مشرقی ایشیا کی نہایت بیش بہا اور شاندار خدمت انجام دی۔

لارڈ ولزلی ہی وہ شخص تھا جس نے پہلے پہل ان بدکرداریوں کے خلاف اپنے منصبِ اعلیٰ سے آواز بلند کی۔ سنہ ۱۸۰۰ء میں پارلیمنٹ نے اس کو ہدایت کی کہ ان شکایات کے متعلق ایک تحریری اطلاع حالات کو مزید واضح کرنے کے لئے پیش کرے۔ لہٰذا لارڈ ولزلی نے ایک مشہور و معروف دستاویز[1] قلمبند کی جس میں دیگر امور کے علاوہ مندرجہ ذیل باتوں پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی تھی۔

"جو مقامات کسی زمانہ میں کمپنی کے مال گودام تھے وہ اب "مملکتِ برطانیہ عظمیٰ" بن گئے ہیں۔ سوداگر اور معمولی محرر کلائو (CLIVE) کے زمانہ سے فوجی کمیشن (COMMISSION) پاکر یا سرکار کی نظرِ عنایت سے جج اور کلکٹر بن بیٹھے ہیں اور لاکھوں بنی نوع انسان پر حکمرانی کرتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کو ہندوستان میں ایسی تعلیم دی جائے جو ان کو اہم ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے اہل اور سخت آزمائش کا مقابلہ کرنے کے لائق بنا دے۔ اگر ان کو انگلستان کے مدرسوں سے بھرتی کیا جائے گا تو ضروری ہے کہ ہندوستان میں ان کی تعلیم جاری رکھنے اور امتحانات وغیرہ کا معقول انتظام کیا جائے تاکہ آئندہ کمپنی کی ملازمت میں ترقی محض قابلیت کی بنا پر ہوا کرے۔" وغیرہ وغیرہ۔

اس تمام جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخرکار ویلزلی کا کالج (فورٹ ولیم کالج) بھی قائم ہو گیا۔ اس کالج میں مندرجہ ذیل نصابِ تعلیم مقرر ہوا:۔

"بنگالی۔ مرہٹی۔ ہندوستانی یا ہندی۔ تلوگو۔ تامل اور کناری زبانیں نیز کمپنی کے منظور کردہ ہندو اور مسلم قوانین۔ ضابطہ دیوانی اور سیاسی قوانین۔ سیاسیات۔ اقتصادیات۔ تواریخ۔ جغرافیہ اور ریاضی۔ یونانی۔ لاطینی اور انگریزی روایاتِ ادب

۱۔ NOTE ON THE NECESSITY OF A SPECIAL COLLEGIATE TRAINING FOR CIVIL SERVANTS.
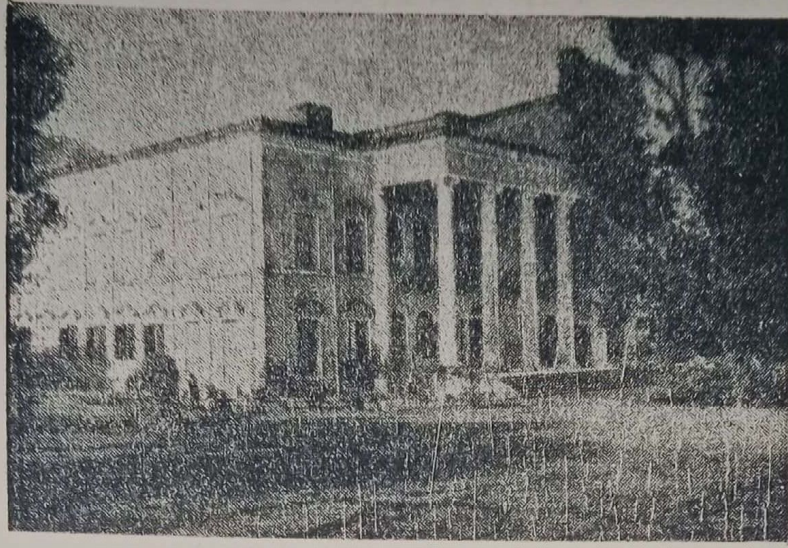
سیرام پور کالج ۱۸۱۸ء
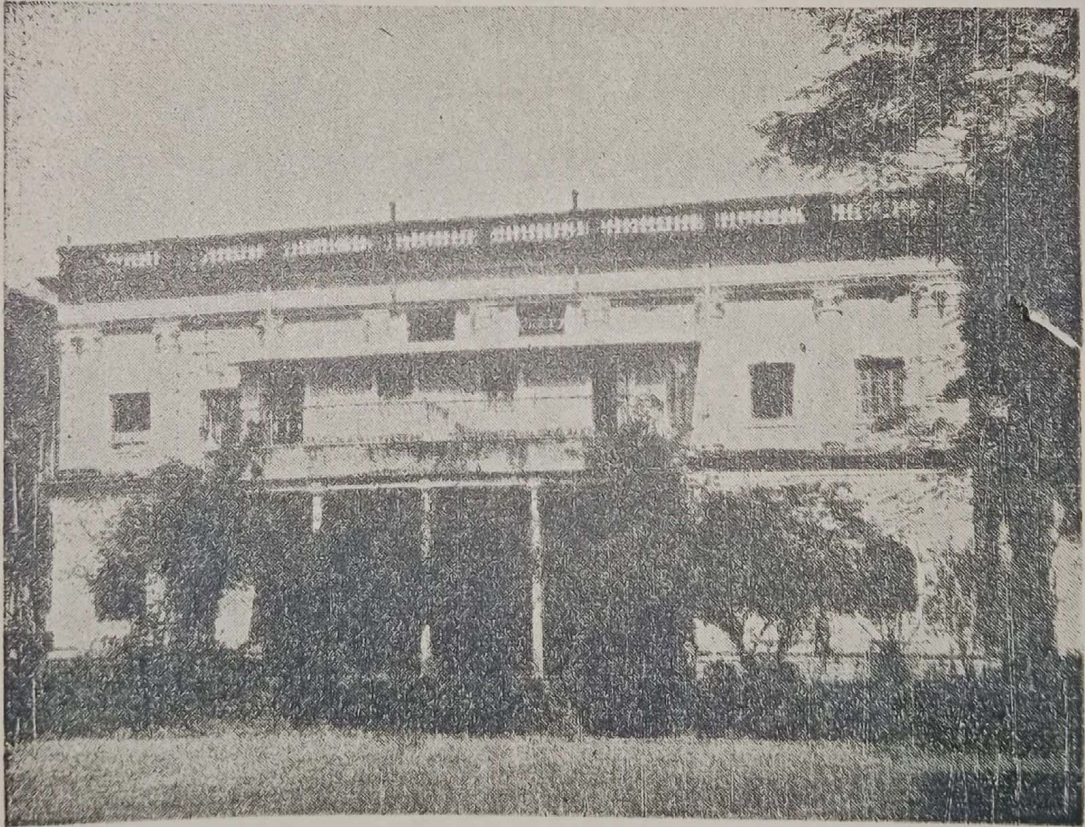
کالج ہوس بمقام سیرام پور - کیری نے اس میں ۱۸۲۳ء سے ۱۸۳۴ء تک سکونت کی اور اسی عمارت میں ۱۸۳۴ء کو وفات پائی۔

کی موجودہ زبانیں۔ مطالعۂ قدرت۔ علم النباتات۔ علم المعدنیات اور علم نجوم۔"

کالج کا نظام برطانیہ کی یونیورسٹیوں کے اصولوں پر قائم کیا گیا تھا۔ انتظامیہ بورڈ (GOVERNING BOARD) کے صدر خود گورنر جنرل بہادر مقرر ہوئے اور بورڈ کے ممبران گورنر جنرل کی کونسل کے اراکین اور ہائی کورٹ کے جج تھے۔ کلکتہ کے سینئر چیپلین (SENIOR CHAPLAIN) پادری ڈیوڈ براؤن (REVD. DAVID BROWNE) ضابطہ وغیرہ کے ذمہ دار مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر کلاڈیئس بکانن (Dr. CLAUDIUS BUCHANAN) تعلیمات کے منتظم ہونے کے علاوہ یونانی۔ لاطینی اور انگریزی ادبیات کے پروفیسر اور ڈاکٹر گلکرائیسٹ (DR. GILCHRIST) ہندوستانی کے پروفیسر اور کالج کے پرنسپل منتخب ہوئے۔ ڈاکٹر گلکرائیسٹ نے اس سے پہلے ہندوستانی زبان کی معلمی میں بہت شہرت حاصل کر لی تھی۔ لفٹیننٹ جے۔ بیلی (LIEUT- J- BAILEY) عربی کے پروفیسر اور مسٹر ایچ۔ بی۔ ایڈمنڈسٹن (MR. H.B. EDMONDSTANE) فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ قانون کی تعلیم سر جارج بارلو (SIR GEORGE BARLOW) کے سپرد ہوئی اور ولیم کیری کے سپرد جو خدمت ہوئی اس کا ذکر سرکاری گزٹ میں بدیں الفاظ کیا گیا ہے :-

"پادری ولیم کیری بنگالی اور سنسکرت زبانوں کے معلم۔"

لیکن پانچ سال کے بعد کیری کو مرہٹی کا پروفیسر بھی مقرر کر دیا گیا۔ کیری نے اپنی خط و کتابت میں پہلی مرتبہ فورٹ ولیم کالج کا ذکر سٹکلف (SUTCLIFF) کو خط لکھتے وقت ۲۷ نومبر سنہ ۱۸۰۰ء کو اس طرح کیا ہے :-

"فورٹ ولیم میں ایک کالج ہے۔ پادری ڈی۔ براؤن اس کے پرووسٹ (PROVOST) ہیں۔ سی بکانن ادبیات کے پروفیسر ہیں۔ اس کالج میں مشرق کی تمام زبانوں میں تعلیم دی جائے گی۔"

اس جملہ میں لفظ "تمام" قابلِ غور ہے۔ ہندوستان کی ادبی زبانوں یا ہندوستان کی دیگر مختلف بولیوں میں سے ایک بھی لارڈ ویلزلی کی نظر سے پوشیدہ نہیں تھی۔ اس فیصلہ میں لارڈ ویلزلی نے جس دور اندیشی سے کام لیا ہے وہ کسی طرح بھی اس قابلِ تحسین فیصلہ سے کم نہیں تھا جو اس کے ۳۵ سال بعد لارڈ ولیم بنٹنک (LORD WILLIAM BENTICK) نے انگریزی زبان کے متعلق کیا۔ لارڈ ویلزلی کے اس فیصلہ سے ہندوستان کے تمام حکام کے لئے

یہ فرض قرار دے دیا گیا کہ حکومت کرنے سے پہلے تین ۳ سال تک محکوم قوم کی مادری زبانوں کی تعلیم حاصل کریں۔ یہ قوم ایسی تھی جس کا انصاف بھی اب تک ایک ایسی زبان میں ہوتا چلا آیا تھا جس کو نہ تو محکوم سمجھ سکتے تھے اور نہ حاکم کیونکہ مُغلوں کے وقت سے اب تک ہندوستان کی عدالتی زبان فارسی تھی اور اس زبان میں فیصلہ سُنانے والے انگریز تھے!!!

کیری نے نو ۹ سال پیشتر ہی سے اپنے آپ کو مخصُوص کر دیا تھا کہ بنگالی اور سنسکرت زبانیں سیکھے تاکہ ہندوستان میں "ہر ایک اپنی مادری زبان میں" یہ سُن سکے اور پڑھ سکے کہ خُدا نے انسان کے واسطے اور اُس کی نجات کے لئے کیا انتظام کیا ہے۔ کیری وُہی شخص تھا جس کو شروع شروع میں ہندوستان نے قبُول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور جس کے راستہ میں طرح طرح کی مُشکلات پیدا کی گئی تھیں، آج اُسی کیری کے نمُونہ پر چلنے والے لارڈ ویلزلی نے یہ حکم جاری کر دیا کہ ملک کا ہر حاکم اور ہر فوجی افسر ملک کی زبان سے واقفیت حاصل کرے۔ چُنانچہ ہندوستان کی پانچ ۵ خاص زبانوں کی تعلیم کا فوراً انتظام کر دیا گیا۔ ان میں سے ہندی یا ہندوستانی جو کہ ابھی تک پُورے طور پر ترقی بھی نہ کرنے پائی تھی ہندوستان کی ملکی اور قومی زبان قرار دے دی گئی۔

کیری کو اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ فورٹ ولیم کالج ہندوستان کی زبانوں کے حق میں کس قدر عظیم انقلاب پیدا کرے گا۔ کیری اور اُس کے ہم خدمت اس کالج کے مستقبل اور اُس کے ساتھ وابستہ تمام اُمیدوں پر خوشیاں منا رہے تھے۔ لیکن اُس وقت اُن کو معلوم نہ تھا کہ اس کالج کو اگر کوئی شخص کامیاب بنائے گا تو وُہ ولیم کیری ہی ہوگا۔

براؤن اور بکانن نے کیری سے درخواست کی کہ بنگالی اور سنسکرت کے "مُعلّم" کے عُہدہ کو قبُول کرے۔ اس کی تنخواہ پانچ سَو ۵۰۰ روپے ماہوار تھی۔ یہ مشنری برادری کے اصُولوں کے قطعی موافق تھا کہ اُن میں سے ہر ایک اپنی معاش کی غرض سے ملازمت یا کوئی اور پیشہ اختیار کرے۔ لیکن کیری ایک مبلّغ تھا اور اسی وجہ سے اُس کو مملکتِ برطانیہ میں قیام تک کرنے کی اجازت نہ تھی لہٰذا وُہ مجبُوراً سیرامپور میں رہتا تھا تاکہ سرکارِ ہند کی دسترس سے باہر رہے۔ اپنی زندگی کے واحد مقصد یعنی انجیل کی بشارت سے وُہ ایک ذرّہ بھر بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھا۔ اس لئے سوال یہ تھا کہ کیا اس ملازمت کی خاطر وُہ اپنی بشارتی حیثیت کو خیرباد کہہ دیگا؟ اور اگر نہیں تو کیا وُہ اس سرکاری عُہدہ کو اپنے مقصدِ حیات پر قُربان کر دیگا؟

یا کیا سرکارِ ہند اُس کی مشنری حیثیت کو تسلیم کرتے ہُوئے بھی اُس کو اپنی ملازمت میں لے لیگی؟

پھر کیری کے ساتھ ایک بے انصافی بھی ہُوئی۔ جو کام اُس کے سپرد کیا جا رہا تھا وہ ایک پروفیسر کی ذمّہ داریوں سے بہُت زیادہ تھا مگر اُس کو پروفیسر کی جگہ نہیں دی گئی تھی جس کی تنخواہ ایک ہزار آٹھ سو پونڈ سالانہ تک پہنچتی تھی بلکہ اُس کے لئے ایک "مُعلّم" کی جگہ تجویز کی گئی تھی۔ لیکن اس چھوٹی سی بات پر کیری کو کوئی حُجّت نہ تھی۔ اُس کا پہلا خیال اپنے بارے میں نہیں تھا۔ اُس کی پہلی فکر اپنے مالک سے تعلّق رکھتی تھی۔ مگر کیری نے جلد ہی اپنے کام سے ثابت کر دکھایا کہ جو کچھ کالج کے تمام پروفیسر مل کر نہیں کر سکتے تھے اُس سے زیادہ کام وُہ اکیلا کر لیا کرتا تھا لہٰذا سرکار نے اُس کو پروفیسر کا عُہدہ بھی جلد ہی دے دیا۔

اس عُہدہ پر مامُور ہونے کے ایک ماہ بعد کیری نے رائیلینڈ (RYLAND) کو مندرجہ ذیل خط لکھا:۔

"سیرامپور ۱۵ جون ۱۸۰۱ء

.... مسٹر لینگ (MR. LANG) کالج میں میرے طالب علم ہیں۔ یہ بنگالی سیکھ رہے ہیں۔ اس آخری جُملہ کی توضیح کرنے کی ضرُورت ہے حالانکہ اُمّید ہے کہ اس خط کو پانے سے پہلے ہی شاید آپ کو خبر ہو جائے گی۔ آپ کو معلُوم ہونا چاہیئے کہ گذشتہ سال فورٹ ولیم میں ایک کالج قائم کیا گیا تھا تاکہ کمپنی کے نئے ملازمین کو تعلیم دی جائے۔ اُن کو حُکم ہُوا ہے کہ ہندوستان آنے کے بعد تین سال تک تعلیم حاصل کریں۔ مَیں شرُوع ہی سے اس تجویز کے حق میں تھا لیکن مجھے ہرگز خیال نہ تھا کہ مجھے بھی اس میں کوئی خدمت کرنی پڑے گی۔ لہٰذا مجھے بنگالی کا مُعلّم مقرّر کیا تو مَیں خُود بھی حیران رہ گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک دن مجھے مسٹر براؤن کا خط ملا کہ دریا پار جا کر اُن سے اس موضُوع پر گفتگو کروں۔ وقت بہُت تنگ تھا لہٰذا مَیں نے فوراً تمام بھائیوں کو جمع کیا اور اُن سے مشورہ کیا۔ اُنھوں نے صلاح دی کہ اس کام کو منظور کر لینے کے حق میں کئی باتیں ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ مشن کے کام میں اس سے کوئی خلل پیدا نہیں ہونا چاہیئے۔ مَیں شخصی طور پر یہ محسُوس کر رہا تھا کہ اتنی بڑی ذمّہ داری کو مَیں قابلیت کے ساتھ پورا

نہ کر سکوں گا لہٰذا میں گیا اور صفائی سے اپنے تمام اندیشے بیان کر دئے۔
براؤن اور بکانن صاحبان نے مجھے اطمینان دلایا کہ اس دعوت کو منظور کر لینے سے
مشن کے کام میں کوئی ہرج واقع نہیں ہوگا بلکہ اس کو تقویت پہنچے گی اور میں ان
کی دلیلوں کا جواب نہ دے سکا۔ مجھے یہ ماننا ہی پڑا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ رہی میری
قابلیت، اس کے متعلق وہ مجھے اطمینان نہ دلا سکے لیکن اُنھوں نے یہ کہا کہ میری
قابلیتوں کے بارے میں فیصلہ کرنے والے وہ ہیں میں خود نہیں ہوں۔ لہٰذا ڈرتے
اور کانپتے ہوئے میں نے اس دعوت کو منظور کر لیا۔

اُسی دن یا شاید دوسرے دن اُنھوں نے میرے نام کی سفارش گورنر جنرل کو کردی
جو کالج کے مربی ہیں۔ اُنھوں نے گورنر جنرل کو بتا دیا کہ میں سات سال سے مشنری
کی حیثیت سے ہندوستان میں مقیم ہوں اور مشنری ہی کی حیثیت سے مجھے اس
عہدہ پر مامور کیا جانا تجویز کیا گیا ہے۔ کالج کے قوانین میں ایک جملہ اُن لوگوں کی سہولت
کے لئے بڑھا دیا گیا ہے جو کلیسیائے انگلستان سے تعلق نہیں رکھتے (تمام پروفیسروں
کو چند حلف اُٹھانے پڑتے ہیں اور چند باتوں کے متعلق حلفیہ بیان دینے ہوتے ہیں)
لیکن ان خاص اساتذہ کے واسطے جو اس نئے قانون کی رُو سے مقرر کئے جاتے ہیں دو
خاص نام رکھ دئے گئے ہیں یعنی "لیکچرار" اور "معلم"۔ ان لوگوں کو پروفیسروں کی طرح
حلف نہیں اُٹھانے پڑتے۔

جب میرا نام تجویز کیا گیا تو گورنر جنرل نے دریافت کیا کہ آیا میں سرکارِ برطانیہ کا اطاعت
گزار اور اس عہدہ کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کا اہل ہوں۔ اس پر بکانن صاحب
نے جواب دیا کہ اگر اُن کو ان معاملات میں ذرہ برابر بھی شک ہوتا تو وہ کبھی میرے
نام کی سفارش نہ کرتے۔

پتہ نہیں لوگ کیوں میری نسبت ایسے اعلےٰ خیالات رکھتے ہیں۔ یہ تو میں کہہ سکتا ہوں
کہ میں سرکار کا اطاعت گزار ضرور ہوں لیکن دوسری بات کے متعلق مجھے شک ہے۔
جب میں نے ملازمت اختیار کر لی تو مجھے معلوم ہوا کہ میرے اوپر کتنی اہم ذمہ داری
ہے اور اس میں میری امداد کرنے کو کتابیں ندارد۔ لہٰذا میں نے فوراً ایک گرامر ترتیب
دینی شروع کی۔ یہ اب نصف چھپ چکی ہے۔ رام رام باسو سے کہہ کر میں نے اُن

کے ایک راجہ کی سوانح عمری لکھوائی۔ یہ پہلی کتاب تھی جو بنگالی زبان میں لکھی گئی۔
ہم اس کو بھی چھاپ رہے ہیں۔ ہمارے پنڈت نے کہانیوں کا ترجمہ تقریباً ختم کر دیا ہے۔ ان میں سے ایک کہانی بھائی ٹامس (THOMAS) نے لکھ کر آپ کے پاس بھیجی تھی۔ ہم اس ترجمہ کو بھی چھاپیں گے۔
ان کتابوں کے ہوتے ہوئے اور فورسٹر (FORSTER) صاحب کی فرہنگ کے ساتھ ان کی منظوم کتابوں کے پڑھنے کے لئے ہمارا راستہ صاف ہو جائے گا۔ اس طرح ہماری یہ دِقّت تو حل ہو جائے گی۔
لیکن مجھے سب سے بڑی فکر یہ ہے کہ کالج کی جماعتوں کا مجھے کوئی تجربہ نہیں۔ میری جماعت میں تیرہ[۱۳] طالب علم ہیں۔ ہفتہ میں دو[۲] لیکچر دیتا ہوں اور اس طرح ایک سہ ماہی ختم ہو چکی ہے۔ یہ سہ ماہی کو شروع ہوئی تھی۔
مجھے سنسکرت زبان کا معلّم بھی مقرّر کیا گیا ہے۔ ابھی تک اس جماعت میں کوئی طالب علم تو نہیں ہے لیکن مجھے اس کے لئے تیّاری ضرور کرنی ہے لہٰذا اس زبان کی بھی ایک گرامر لکھ رہا ہوں جس کو مجھے ہی چھاپنا پڑے گا اور اگر یہ ممکن ہوا تو ایک ڈکشنری اور تیّار کروں گا جو مَیں نے کئی سال ہوئے شروع کی تھی۔
میرے عزیز بھائی۔ مَیں یہ سب کچھ اس لئے کہتا ہوں تاکہ تم مجھے صلاح دو کہ اس عہدہ پر مامور ہونے کے بعد میرا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیئے۔ مَیں تم سے یہ بھی درخواست کرتا ہوں کہ تم میرے لئے دعا کرو کہ میرے ہر کام سے خدا کا جلال ظاہر ہو۔
ملازمت اختیار کرنے کے بعد ہم نے پادری ڈی۔ براؤن صاحب کی وساطت سے لارڈ ویلزلی کو بنگالی میں نئے عہد نامہ کی ایک جلد پیش کی جو انہوں نے نہایت خوشی کے ساتھ قبول کی۔ ایک جلد ہم نے گورنر بائی (GOVERNOR BIE) صاحب کو بھی نذر کی۔"
ستمبر ۱۸۰۴ء میں کالج کی پہلی جماعت کا نصابِ تعلیم ختم ہوا لہٰذا گورنر جنرل نے علماء کے ایک عام جلسہ کا اہتمام کیا تاکہ اُن طلبا کے بحث و مباحثہ کو سُنیں جو کالج کی تعلیم ختم کر کے جا رہے تھے۔ اس مباحثہ میں پروفیسروں کو ان ہی زبانوں میں تقاریر کرنی پڑتی تھیں جو وہ پڑھاتے تھے۔ یہ مجلس گورنر جنرل کے محل کے اُس کمرہ میں منعقد ہوئی جہاں

شہنشاہِ ہند کے نمایندہ کے سامنے ملک کے خراج گزار راجہ اور نواب اظہارِ عقیدت کے لئے جمع ہوتے تھے اور گورنر جنرل اپنے دربار منعقد کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد اسی ہال میں تمام گورنر جنرلوں نے اپنی کونسلوں کے اجلاس کئے اور ہندوستان کی تینتیس[۳۳] کروڑ آبادی کی بھلائی اور رہبرائی کے فیصلے ہوئے۔ ظاہر ہے کہ اس دربار کے کمرہ نے تزک و احتشام اور شان و شوکت کے بڑے بڑے مناظر دیکھے ہوں گے لیکن جو منظر اس وقت تھا جب کہ کرسی سامعین کے سامنے اس اجلاس میں کھڑا تھا جس کا ذکر یہاں ہو رہا ہے اس سے زیادہ بارُعب اور ذی شان منظر اس ہال میں آیندہ صدی بھر بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس موقع پر گورنر جنرل لارڈ ویلزلی خود موجود تھے اور اُن کے ساتھ ہی اُن کے بھائی یعنی ہونے والے ڈیوک آف ویلنگٹن (DUKE OF WALLINGTON) "فاتح نپولین" بھی تھے۔ ستّر طالب علم۔ اُن کے نگراں۔ افسران۔ پروفیسر صاحبان وغیرہ سب ادب سے کھڑے ہو گئے جب جمعرات مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۸۰۲ء کو ٹھیک دس بجے گورنر جنرل کمرہ میں داخل ہوئے۔ اُن کے ہمراہ عدالتِ عالیہ کے چیف جسٹس (CHIEF JUSTICE) اور تمام ججوں کے علاوہ گورنر جنرل کی سپریم کونسل (SUPREME COUNCIL) کے اراکین۔ کالج کی مجلسِ انتظامیہ کے شرکاء میجر جنرل کیمرن (MAJOR GENERAL CAMERON) میجر جنرل دی آنریبل آرتھر ویلزلی (MAJOR GENERAL THE HONOURABLE ARTHUR WELLESLEY) میجر جنرل ڈاوڈز ویل (MAJOR GENERAL DOWDESWELL) اور بغداد کے سفیر سلیمان آغا بھی تھے۔ پریذیڈنسی کے تمام اعلیٰ سول اور ملٹری افسران اور کلکتہ کے اکثر انگریز باشندے پہلے ہی سے آ گئے تھے اور بہت سے ہندوستانی علما بھی موجود تھے مجلس کی کارروائی شروع ہوئی۔

سب سے پہلے رومر (ROMER) نے اس مسئلہ کی حمایت کی کہ "سنسکرت ہندوستان کی تمام زبانوں کی ماں ہے"۔ رومر کی تقریر ہندوستانی زبان میں تھی۔ اس کے بعد سونٹن (SWINTON) نے فارسی زبان میں ایک تقریر کی جس کا موضوع یہ تھا:- "حافظ کا کلام تمثیلی یا صوفیانہ کلام ہے"۔ اس کے بعد ٹاڈ (TOD) نے بنگالی زبان کی ایک نہایت رنگین تقریر میں اس مضمون پر روشنی ڈالی کہ سنسکرت کی بہترین کتابوں کے تراجم ہندوستان کی موجودہ زبانوں میں کر دینے سے سائنس اور تمدن دونوں کو انتہائی فائدہ پہنچے گا۔ پھر اسی

مضمون پر پہلے عربی زبان میں اور پھر بنگالی زبان میں مکمل مباحثے منعقد ہوئے۔ کیری چونکہ ان مباحثوں کا صدر تھا لہٰذا اُس سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنی تقریر سنسکرت زبان میں کرے۔

گورنر جنرل خود سرکاری حیثیت سے موجود تھے۔ سرکاری قانون ہندوستان میں مشنریوں کو بحیثیت مبلغ رہنے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ لہٰذا کیری کے لئے یہ ایک نہایت نازک موقعہ تھا کہ وہ ان تمام اعلےٰ افسران کے سامنے علانیہ مسیحیت کا ایک مشنری ہونے کا اقرار کرے یا اس مضمون پر خاموشی اختیار کرے۔ وہ اپنے مقصدِ حیات کو پوشیدہ بھی نہیں رکھ سکتا تھا ادھر قانون کی بندش بھی سخت تھی چنانچہ اس نازک وقت پر کیری نے سنسکرت زبان میں مندرجہ ذیل تقریر کی :-

عالی جاہ -

یہ نہایت واجب اور مناسب ہے کہ آپ کی تعریف و شکرگذاری کے ساتھ آپ کے احسانات کا اعتراف کرنے کے لئے وہی زبان خاص طور پر استعمال کی جائے جس نے پہلے پہل آپ ہی کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی۔ یہ ایک قدیم زبان ہے جو ہندوستان کے عموماً سابق حاکموں کے سامنے ظاہر نہ ہوئی لیکن آج آپ کے فرمان پر یہ اپنے خزانوں کے قفل توڑتی ہے اور زمانۂ سلف کی تاریخ اور علم و حکمت کی دولت سے دنیا کو مالامال کرتی ہے۔ آج سے پہلے ہمارے تعلیمی اداروں کی بڑھتی ہوئی اہمیت کبھی اس قدر صفائی سے ثابت نہیں ہوئی۔ دور دراز ممالک کے علما آج اس شاندار ادبی فتحمندی پر خوش و شادمان ہونگے۔

آج کیا ہی عجیب اور بے مثال منظر ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ ہندوستان کے حاکمِ اعلےٰ کی موجودگی میں اور ایشیا اور یورپ کے علما اور شرفا کے روبرو ایک مجلس منعقد ہوتی ہے جس میں ہماری مادری زبان

کا ایک حرف بھی استعمال نہیں ہوتا بلکہ دلچسپ مضامین پر تمام گفتگو ایشیائی زبانوں میں جاری ہے۔ صرف و نحو کے اصولوں پر تعلیم حاصل کر کے آج نوجوان انگریز ہندوستانی روزمرّہ۔ مستند فارسی۔ تجارتی بنگالی۔ عالمانہ عربی اور قدیم سنسکرت بے روک ٹوک بول رہے ہیں۔ کیا اس سے پہلے یورپ کو کسی یونیورسٹی یا دنیا کے کسی ادبی ادارہ نے کبھی ایسی نظیر پیش کی ہے؟ پھر یہ ایسے طالب علم نہیں ہیں جو کسی غیر معیّن ارادہ۔ مشتبہ مقصد۔ فطری رجحانِ طبع یا شہرت کے شوق سے کسی مُردہ زبان کو سیکھتے ہوں۔ جس مُلک کی یہ زبانیں ہیں اُس کی حکومت کا انتظام کرنے کے لئے یہ لوگ اہم عہدوں پر مامور کئے گئے ہیں۔ وہ اپنے حاصل کردہ علم کو کارآمد مقاصد میں فوراً استعمال کریں گے وہ اس مُلک کے لوگوں کا انصاف کریں گے۔ سرکار کی مال گذاری اور تجارت کا کاروبار سنبھالیں گے، اور رعایا سے اُن کی مادری زبانوں میں بلا کسی ترجمان کی مدد کے ربط ضبط پیدا کریں گے۔ ہمارے طلبا کے علم کی نوعیّت اور اہمیّت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ آیندہ دیسی لوگ براہِ راست اُن سے گفتگو کر سکیں گے اور اب وہ تحریر و تقریر دونوں کے ذریعہ عوام پر ہماری سرکار کے قوانین اور اُن کا مفہوم اور اُن کے بنیادی اصول ظاہر کر سکیں گے۔

ایشیا کے جو بلند پایہ علما اس مجلس میں شریک ہیں وہ ہمارے طلبا کے حاصل کردہ علم کی اصلیّت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ان علما میں سے کئی دور دراز صوبجات سے تشریف لائے ہیں لیکن سب یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہیں کہ ایک غیر مُلک کے نوجوان اہم مضامین پر گفتگو و مباحثہ کرتے ہیں اور اپنے بلند خیالات کا اظہار کرتے ہیں اور ہر عالم اپنے ہی وطن کی بولی سنتا ہے۔

اس ادارہ پر جو محبت - محنت اور روپیہ صرف ہوا ہے اُس کا خاطر خواہ معاوضہ آج کی ادبی سرگرمیوں سے ظاہر ہے۔ اگر اس کالج پر اس سے کئی ہزار گُنا روپیہ بھی صرف کر دیا جاتا تو بھی ان اخلاقی اور سیاسی فوائد کی برابری نہ کر سکتا جو اس سے پیدا ہوتے ہیں اور ہوں گے۔

مَیں اب ضعیف العمر ہو گیا ہوں۔ مَیں نے کئی سال سے ہندوؤں کے درمیان بود و باش اختیار کر رکھی ہے۔ مَیں روزمرہ اِن لوگوں کے مجمع میں وعظ کیا کرتا ہوں۔ مَیں ہر طرح کے مضامین پر برہمنوں کے ساتھ تبادلۂ خیالات کرتا ہوں۔ ہندوؤں کی زبان میرے نزدیک اپنی مادری زبان کے برابر ہے۔ مَیں نے بہت عرصہ سے ہندوستانیوں کے ساتھ نزدیکی تعلقات پیدا کر لئے ہیں اور مَیں ملک کے ہر گوشہ میں جا کر اُن سے ملاقات کر چکا ہوں لہٰذا مجھے اُن کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے جو مواقع ملے ہیں وُہ دُوسروں سے کسی طرح بھی کم نہیں بلکہ مَیں یہ دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ ہندوؤں کے اطوار - رسم و رواج طرزِ عمل اور خیالات و جذبات مجھ پر ایسے ہی روشن ہیں جیسے کہ مَیں خود بھی اُن ہی میں سے ہوں، اور چونکہ مَیں اُن سے اچھی طرح واقف ہوں اور وُہ ہماری حکومت اور ہمارے چال چلن اور اصولات کے متعلق جو کچھ اظہار کرتے ہیں اُن کو مَیں ہر روز سُنا کرتا ہوں اس لئے مَیں یہ کہنے کا حق رکھتا ہوں اور علانیہ اس حقیقت کو واضح کئے دیتا ہوں کہ ہماری دیسی رعایا کی بہبودی و خوشنودی کے لئے اگر کسی چیز کی کمی تھی تو وُہ یہ کالج ہی تھا۔ یہ کالج اُس حدِّ فاصل کو توڑ دے گا، جس نے ہمیشہ ہمارے قوانین اور ہمارے اصولات کو بروئے کار لانے میں رخنہ اندازیاں کی ہیں اور ہمارے تمام بندوبست اور

انتظامات کی رُوح اور اثر کو زائل کر دیا ہے ۔۔۔۔ ۔ ۔ ۔ یعنی زبان سے ناواقفیت"۔

اگر یہ ادارہ اسی وقت بند بھی کر دیا جائے تو بھی اس کے عمدہ اثرات باقی رہیں گے ۔ جو بھلائی ہو چکی ہے وہ معدوم نہیں کی جا سکتی ۔ کارآمد علم اخلاقی تعلیم اور سیاسی فوائد کے جو چشمے جاری ہو گئے ہیں وہ بند نہیں کئے جا سکتے اور ہندوستانیوں کی تمدنی فلاح و بہبود یورپ کی تہذیب کی طرح آیندہ صدیوں میں بتدریج ترقی ہی کرتی چلی جائیں گی ۔
مشرقی زبانوں کی کتابوں کی ایک سو جلدیں اس ادارہ کے بانی کے نام کو ایشیا میں ابد تک قائم رکھیں گی ۔ اس قدر فائدہ مند کام اور کرۂ ارض کی آبادی کے اتنے وسیع دائرہ کی فلاح کے انتظام کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں ۔
عالی جاہ

آپ نے جو اپنی یادگار قائم کی ہے اُس کو زندگی اور زمانہ کے حوادث بھی برباد نہیں کر سکتے ۔ یہ یادگار مرہٹہ اور میسور کی تاریخ بیان نہیں کرتی ، یہ آپ کی جنگی فتوحات اور ظفر مندی کے نشانات ظاہر نہیں کرتی ۔ بلکہ اس یادگار پر اُن عالم نوجوانوں کے نام کندہ ہیں جنھوں نے عُلوم مشرق کی تحصیل کے بعد آج آپ کے ہاتھوں سندیں حاصل کی ہیں ۔

یہ نوجوان رفتہ رفتہ اس مُلک کی حکومت اپنے ہاتھ میں لیں گے ۔ یہ برطانوی تہذیب کے دائرہ کو وسعت دیں گے اور مشرقی ادب کو ترقی دے کر ایشیا کی قوموں کے درمیان مسیحی اصولات کو رائج کریں گے ۔ یہ نوجوان جتنا عرصہ ہمارے ساتھ رہے ہم نے دیکھا ہے کہ انھوں نے

مُطالعہ کو کِس قدر جانفشانی کے ساتھ مکمل کیا ہے۔ اور آج اِس عظیم الشان مجمع کے سامنے ان کے چال چلن کی پاکیزگی اور طرزِ عمل کی درُستگی کی گواہی بھی ہو چکی ہے۔ یہ نوجوان اپنی خدمت کو عقلمندی۔ جفاکشی اور پاکدامنی کی خصوصیات کے ساتھ شروع کریں گے جو بہت کم خادمانِ قوم میں ایک ساتھ پائی جاتی ہیں۔

عالی جاہ۔ یہ نوجوان ذہین ہیں۔ یہ اپنے مُلک کے لئے فخر کا باعث ہیں۔ یہ مملکت برطانیہ کے ستُون ہیں۔ یہ طرح طرح کی زبانوں میں آپ کا نام لیں گے اور ہمیشہ کے لئے آپ کی شہُرت قائم کریں گے۔ ان کے دِلوں پر آپ کی تحسین ابھی سے کندہ ہو گئی ہے۔ اس طبقہ کے نوجوان آپ کو باپ اور مُربّی کہہ کر پُکارتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں آپ کی عزّت ہمیشہ حفاظت سے رہے گی۔ آپ نے اپنے عہدِ حکومت میں جس انسانیّت۔ اِنصاف۔ سخاوت اور اعلےٰ حوصلگی سے کام لیا ہے، اُس کی وجہ سے سب کے دِلوں میں ایک جذبۂ احترام موجود ہے اور یہ جذبہ اب خیالات کے کسی انقلاب یا زمانہ کے کسی حادثہ سے معدُوم نہیں ہو سکتا۔

وقت کی ضرُورت آپ کو خواہ کہیں لے جائے لیکن یہ نوجوان ہمیشہ آپ کی دانشمندی اور آپ کے عہد کی پاکیزگی کی اسناد بنے رہیں گے۔ ان کی تعظیم و تکریم اور ان کی اُلفت و مُحبّت آپ کی شامِ زندگی میں نُور بن کر چمکیں گی۔ آپ کے توسّل سے علم کا جو خزانہ اُن کو مِلا ہے اور اخلاقی۔ مذہبی اور سیاسی فوائد جو اُنھوں نے اس ادارہ کے ذریعہ حاصل کئے ہیں وُہ آپ کی مسرّت اور اطمینان کا باعث ہوں گے اور ایشیا کے کروڑوں باشندوں کی بہبُودی کو ہمارے وطن کے جلال اور عزّت

کے ساتھ منسلک کردیں گے۔"

لارڈ ویلزلی نے اس تقریر پر یہ تبصرہ کیا کہ "اس میں جو سند مجھے دی گئی ہے اُس کی میں شاہی درباروں اور برطانوی پارلیمنٹ کی "آفرین" اور "شاباش" سے زیادہ قدر کرتا ہوں۔"

کمپنی کے ڈائرکٹران ایک تو ویسے ہی لارڈ ویلزلی سے بہت خوش نہ تھے پھر انھوں نے کولبروک (COLE BROOKE) کی صلاح سے "آزاد تجارت" (FREE TRADE) کے متعلق جو تجاویز پیش کیں اُن سے ڈائرکٹران اور بھی زیادہ آتش زیرپا ہوگئے کیونکہ ان تجاویز پر عمل کرنے سے کمپنی کے ڈائرکٹران کی اجارہ داری ٹوٹتی نظر آتی تھی۔ اس کا بدلہ انھوں نے اس طرح لیا کہ لارڈ ویلزلی کے عزیز ترین ادارہ یعنی فورٹ ولیم کالج کو فوراً بند کرنے کا حکم دے دیا۔ لیکن لارڈ موصوف نے نہایت دانشمندی سے کام لیا اور ایسا انتظام کردیا کہ ڈائرکٹران کے حکم پر فوری عمل درآمد نہ ہوسکے۔ اس طرح لارڈ ویلزلی کو وقت مل گیا کہ بورڈ آف کنٹرول (BOARD OF CONTROL) کی امداد حاصل کرسکے۔ اس بورڈ نے کالج کو برقرار رکھا لیکن اس پابندی کے ساتھ کہ کالج میں صرف بنگال کے ہونے والے سرکاری ملازمین کو مختلف زبانیں سکھائی جائیں جب ڈائرکٹران نے دیکھا کہ ولیم پٹ (WILLIAM PITT) کی وساطت سے لارڈ ویلزلی کو بچ جانے میں کامیابی ہوگئی ہے تو انھوں نے ایک کالج ہیلی بری (HAILEYBURY) میں قائم کردیا جو ۱۸۵۳ء تک رہا۔ اس سال سے عام مقابلہ کے امتحانات کا سلسلہ قائم ہوگیا۔ لیکن چونکہ زمانہ بہت بدل چکا تھا اس لئے خود کمپنی بھی ۱۸۵۸ء میں بند ہوگئی۔

۱۸۳۱ء تک کیری فورٹ ولیم کالج کا روح رواں رہا۔ اس کالج میں جو بھی عالم پنڈت یا منشی آتے تھے اُن سب کا قائد کیری ہی ہوا کرتا تھا۔ کیری کا خاص دوست پنڈت مرتونجے ودیا النکار ہوا کرتا تھا۔

کالج میں نصف ہفتہ سے زیادہ اور پھر سیرامپور میں باقی ہفتہ بھر کیری روزروز تین پنڈتوں کے ساتھ مل کر محنت کرتا تھا۔ یہ پنڈت کام کرتے کرتے تھک جاتے تھے لیکن کیری کو معلوم بھی نہ ہوتا تھا کہ تکان کس کو کہتے ہیں۔ جس طرح اُس کا سیرامپور کا دفتر کتاب مقدس کے ترجموں کا سرچشمہ تھا اُسی طرح اُس کے کالج کا کمرہ بھی ادبی مصروفیات کا مرکز بنا رہا۔ اپنی تقریر میں اُس نے کہا تھا کہ کالج نے مشرقی زبانوں میں ایک سو کتابیں شائع کی ہیں۔ اُس کا اشارہ اُس وقت اُن ڈکشنریوں، گرامروں، نصاب کی کتابوں اور دیگر تصانیف کی

طرف تھا جو پنڈتوں اور پروفیسروں نے اپنے طلبا کے لئے تیار کی تھیں۔ ان تمام میں اُس کا ذاتی حصّہ سب سے بڑا تھا اور اُس کی تمام تصانیف میں سب سے عظیم اُس کی وُہ تجویز اور انتظام اور اہتمام تھا جو اُس نے "ببلیو تھیکا ایشیاٹیکا (BIBLIOTHECA ASIATICA) کو مرتّب کرنے کے لئے کئے تھے اور ان کا تذکرہ آیندہ ابواب میں کیا جائیگا۔

کیری نے تیس ۳۰ سال تک فورٹ ولیم کالج میں خدمت کی۔ اس زمانہ میں اُس کے زیر اثر کئی طالب علم آئے جو ہندوستان کی تواریخ میں بُہت مشہُور ہُوئے۔ ان تمام کی فہرست نہیں دی جا سکتی لیکن چند خاص ناموں کا ذکر کرنا ازبس ضرُوری ہے۔

کیری کا پہلا طالب علم ڈبلیو۔ بٹروَرتھ بیلی (W. BUTTERWORTH BAILEY) تھا جس نے نہایت مستعدی اور دیانت داری سے ہندوستان کی خدمت کی اور ایک مرتبہ قائم مقام گورنر جنرل بھی مقرر ہُوا۔ چارلس مٹکاف (CHARLES METCALFE) بھی کالج کے پہلے طُلبا میں سے ایک تھا۔ یہ شخص بعد ازاں لارڈ مٹکاف کے نام سے موصُوف ہُوا۔ یہ بیلی کا نہایت عزیز دوست تھا اور اُس کی طرح یہ بھی قائم مقام گورنر جنرل بنا۔ رؤمر کا نام ہم اسی باب میں کسی اور سلسلہ میں درج کر چکے ہیں۔ یہ بھی کیری کا ہی طالب علم تھا جو آخر کار بمبئی کا گورنر بنا۔ جس وقت لارڈ النبرو (LORD ELLEN-BOROUGH) جنگ میں مصرُوف تھے اُس زمانہ میں ولبرفورس برڈ (WILBERFORCE BIRD) قائم مقام گورنر جنرل بنا۔ ولبرفورس برڈ اور رابرٹ برڈ (ROBERT BIRD) دونوں بھائی کیری کے طالب علم تھے۔ جان لارنس (JOHN LAWRENCE) کا نام بھی قابلِ ذکر ہے۔ یہ اُن میں سے تھا جو کالج کے بند ہونے سے پہلے ہی کالج میں کیری کے زیرِ تعلیم رہے۔ جان لارنس کہا کرتا تھا کہ میں زباندانی میں کبھی ہوشیار نہیں تھا، لیکن جس وقت لارنس ہندوستانی زبان بولتا تھا تو اُس سے بہت سے بداعمال راجہ اور نواب کانپ اُٹھتے تھے۔ اور جب لارنس تدافیہ طرلقیہ پر دیہاتیوں سے ہندوستانی روزمرّہ میں گُفتگو کرتا تو غریب کسانوں کے دل مسخر کر لیتا تھا۔

ان اعلےٰ افسران کے علاوہ کیری کے طلبا میں سے پلوڈن (PLOWDEN) بورڈ آف ٹریڈ (BOARD OF TRADE) کا سیکرٹری بنا۔ مورٹن (MORTON) محکمۂ مال میں ڈپٹی اکاؤنٹنٹ جنرل (DEPUTY ACCOUNTANT GENERAL) کے عُہدہ پر مامُور ہُوا۔ باروِیل (BARWELL) سرکاری خزانہ کا کمپٹرولر (COMPTROLLER) مقرر ہُوا۔ فریزر

اور گئی اور ریونیو کمشنرز (FRASER) (REVENUE COMISSIONERS) بنے۔ پیکنہم

(PEKANHAM) گورنر جنرل کے سیکرٹری اور سِڈنز (SIDDONS) پوسٹ ماسٹر جنرل

(POST MASTER GENERAL) کے عہدوں پر فائز تھے۔

قصّہ کوتاہ۔ ایسی ایسی ہستیاں فورٹ ولیم کالج میں کیری کے قدموں میں بیٹھیں۔ ان کے ذریعہ کیری کا اثر نہ صرف کالج تک ہی محدود رہا بلکہ جہاں کہیں بھی وہ گئے اُنہوں نے کیری سے سیکھے ہوئے اُصُولات کو اپنی روزمرّہ کی شخصی زندگی کے علاوہ اپنی سرکاری خدمت میں بھی استعمال کیا۔ یقیناً پروفیسر ڈاکٹر ولیم کیری نے ہندوستان کی تواریخ پر جو اثر ڈالا ہے اُس کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔

سولھواں باب

کیری کی ادبی خدمات

اُنیسویں صدی کے شروع میں کیری نے ڈنمارک (DENMARK) کے علاقہ سیرامپور میں اس لئے سکونت اختیار کی تھی کہ اُس کو مملکتِ برطانیہ میں بحیثیتِ مبلّغ قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی چنانچہ اُس وقت شمالی ہند میں حکومت کرنے والی (انگریز) قوم کا وُہی ایک واحد فرد نکلا جو ہندوستانی زبان سے اس خُوبی کے ساتھ واقف تھا کہ مُعلّم کا کام کر سکے۔ کولبروک (COLE BROOKE) کے علاوہ وُہی ایک ایسا عالم تھا جو سنسکرت زبان میں ایسی فصاحت کے ساتھ گفتگو کر سکتا تھا جو اب تک برہمنوں تک ہی محدود سمجھی جاتی تھی بنگالی زبان کو تحریر میں لانے کا رواج بھی اُسی نے عام کیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس تحریر کے ذریعہ خداوند یسُوع مسیح کی تعلیم مُقدّس پولُس کے خیالات اور مُقدّس یُوحنّا کے مکاشفات لوگوں تک پہنچائے۔ سنسکرت پر ابھی تک عوام کی نظر بھی نہ پڑی تھی اور اس اچھوتی زبان کے جو تھوڑے بہت الفاظ سننے میں آتے تھے اُن میں فارسی کی ملاوٹ موجود تھی۔ کیری ہی نے سنسکرت کی گرامر کو مرتّب کر کے ایک ڈکشنری بنانی شروع کی، جس طرح پولُس نے یُونانی شعرا کے کلام کے اقتباسات اپنی بشارتی خدمت میں استعمال

گئے تھے اُسی طرح کیری نے بھی سنسکرت کی قدیم کہانیوں کو اپنے وعظوں میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔

یہ سب کچھ کیری نے اس وجہ سے کیا کہ وُہ ایک بلند پایہ عالم تھا جس کو اُس زبان پر اس قدر عبور حاصل ہو گیا تھا کہ وُہ اُس کے خیالات کی صحیح ترجمانی کر سکے لہٰذا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے جب فورٹ ولیم کالج (FORT WILLIAM COLLEGE) کے لئے بنگالی سنسکرت اور مرہٹی زبانوں کے ایک پروفیسر اور سرکاری قوانین کے مترجم کی ضرورت محسوس ہوئی تو گورنر جنرل لارڈ ویلزلی (LORD WELLESLEY) کی نظرِ انتخاب کیری ہی پر پڑی۔

علم لسانیات کے ماہر اس امر سے خُوب واقف ہیں کہ سنہ ۱۷۱۰ء میں لیبنیز (LEIBNIZ) نے "برلن اکاڈمی آف سائنس" (BERLIN ACADEMY OF SCIENCE) کے ایک جلسہ میں قدیم زبانوں کے مترادف الفاظ کے موازنہ کی ضرورت اور اہمیت پر تقریر کر کے علم اللسان (PHILOLOGY) کو ایک باقاعدہ سائنس ثابت کر کے اس علم کے پہلے دَور کا آغاز کیا اور جہاں تک شمالی ہند کی ان زبانوں کا تعلق ہے جو اُس وقت تک عُلما تک ہی محدُود تھیں کیری نے ان کے ایک نئے دَور کی بُنیاد ڈالی۔ کیری نے ان زبانوں سے اُن تمام معلُومات کو فراہم کیا جو ابھی تک عوام کی نظروں میں نہیں آئی تھیں اور ان زبانوں کی ایسی صرف و نحو کی کُتب۔ لُغت اور تراجم تیار کر کے چھاپے کہ ان کو ہندوستان کے عُلما و عوام تک پہنچا دیا۔

لیکن اس میں خُوبی یہ ہے کہ کیری نے ایک شاہراہ تیار کرنے والے کی حیثیت سے کام کو نہایت ہی احسن طریق سے انجام دیا۔ وُہ ہمیشہ یہ امّید رکھتا تھا کہ اُس کے نمونہ پر چل کر خُود ہندوستان میں عالم اور مُصلح پیدا ہوں گے جو اس کام کو زیادہ خُوبی سے تکمیل تک پہنچا دیں گے جو اُس نے شرُوع کیا تھا۔ اور اُس کی یہ اُمّیدیں جلد ہی بر آئیں کیونکہ اُس کی زندگی ہی میں، اس سے پہلے کہ فورٹ ولیم کالج قائم ہو، وارن ہیسٹنگز (WARREN HASTINGS) کی فرمائش پر سنہ ۱۷۷۶ء میں ہال ہیڈ (HALHED) نے ہندوؤں کے مذہبی قوانین کی ایک کتاب کو زبانِ فارسی میں ترجمہ کیا۔ فارسی اُس زمانہ میں سرکاری زبان تھی۔ پھر دُوسرا قدم سر ولیم جونس (SIR WILLIAM JONES) نے اُٹھایا جبکہ اُنہوں نے "بنگال ایشیاٹک سوسائٹی" (BENGAL ASIATIC SOCIETY) کی بُنیاد رکھی۔ وارن

ہیسٹنگز کے قوانین کے تراجم کو بہتر صورت میں لانے اور اصل متن سے ان کا موازنہ کرنے کا کام بھی جونز ہی کے سپرد ہوا۔ یہ پنڈت جگن ناتھ کے تیار کردہ ترجمہ پر غور و فکر کر رہے تھے کہ اُن کا انتقال ہوگیا اور یہ خدمت کولبروک کے سپرد ہوئی جس نے اس کو ۱۷۹۷ء میں مکمل کر دیا۔ ۱۷۸۵ء میں چارلس ولکنز (CHARLES WILKINS) نے سب سے پہلے سنسکرت سے انگریزی میں ترجمہ کر کے ایک کتاب بنام "بھگوت گیتا یعنی کرشن اور ارجن کا مکالمہ" (THE BHAGWAT GEETA OR DIALOGUE OF KRISHNA AND ARJOON) شائع کی۔ لیکن اس ادبی خدمت سے زیادہ اہم ولکنز کی ایک اور ادبی خدمت ہے کیونکہ اُسی نے ایشیائی زبانوں کو ٹائپ کے ذریعہ چھاپنے کے سلسلہ میں پیش قدمی کی۔

۱۷۸۳ء میں ہال ہیڈ نے ہُگلی میں بنگالی کی پہلی گرامر شائع کی۔ اُس کا ٹائپ ولکنز ہی نے تیار کیا تھا۔ لیکن چونکہ اس گرامر میں بہت سی خامیاں پائی گئی تھیں لہٰذا یہ ناکامیاب ثابت ہوئی۔

یہ تمام کوششیں تھیں جو سرکاری افسران اور کمپنی کے ملازمین نے وقتاً فوقتاً علم کو فروغ دینے کی غرض سے کیں۔ لیکن کیری نے اس کام کو ایک نئے طریق سے صحیح بنیاد پر قائم کر کے دوبارہ شروع کیا۔ اُس نے اپنی روزمرّہ کی گفتگو کے ذریعہ عوام کی اور عالم برہمنوں کی امداد حاصل کرنا شروع کر دی۔ وُہ ہر شخص سے ہمدردی سے کلام کرتا تھا اور خواہ بُوڑھا ہو خواہ جوان ہر ایک سے سبق حاصل کرنے کو ہر وقت تیّار رہتا تھا۔ اس طریقہ پر وُہ رفتہ رفتہ ایک اعلےٰ زباندان بن گیا۔ اب اُس کی محنتوں کا صلہ ملنے کا وقت بھی آگیا تھا اور یہ صلہ اُس کو فورٹ ولیم کالج کی ملازمت کی صُورت میں مل گیا۔

اس کالج میں اُس نے بحیثیّت ایک پروفیسر جو خدمات انجام دیں اُن کا ذکر ہم گذشتہ باب میں کر چکے ہیں۔ ان خدمات کے پیشِ نظر اربابِ اقتدار کو جلد ہی معلوم ہوگیا کہ کیری کی قدر وقیمت کیا ہے۔ چُنانچہ اپنے ایک نہایت مُشکل اور اہم کام کو بخُوبی انجام دینے کے لئے ایشیاٹک سوسائٹی جیسی علمی انجمن نے کیری ہی کو منتخب کیا لہٰذا "ببلیوتھیکا ایشیاٹیکا" (BIBLIOTHECA ASIATICA) کے متعلّق کیری اپنے ایک خط میں یُوں رقمطراز ہے:۔

۲۴۔ جولائی ۱۸۰۵ء

گزٹ کی جو جلد ہمراہ بھیجی جاتی ہے اُس سے آپ کو معلُوم ہوگا کہ ایشیاٹک سوسائٹی اور کالج نے سنسکرت کی کتابوں کے ترجمہ کے واسطے ہم کو ایک سالانہ وظیفہ دینے

کا وعدہ کیا ہے

* * * * * * * *

* کالج کی کونسل نے میری تنخواہ میں اضافہ کرنے کی پُرزور سفارش کی ہے لیکن ابھی یہ ترقی ہُوئی نہیں ہے۔ اور چونکہ لارڈ ویلزلی واپس جا رہے ہیں اور لارڈ کارنوالیس (LORD CORNWALLIS) تشریف لے آئے ہیں اس لئے یہ ترقی شاید نہ بھی ہو۔ اگر ہو جائے تو اس سے اور بھی امداد مِل جائے گی۔

سنسکرت کی کتابوں کے ترجمہ کی نسبت یہ بات ہے کہ تقریباً دو سال پیشتر میں نے کالج کی کونسل کے سامنے ایک تجویز پیش کی تھی کہ ہم سنسکرت کی تمام کتابیں ایک معین قیمت پر چھاپ دیں گے اور ایک سَو جلدوں کے واسطے ایک خاص رقم معاوضہ بھی دے دیں گے۔ چند اصحاب کی رائے تھی کہ یہ تجویز بہت وسیع ہے لہٰذا اس کو معرضِ التوا میں ڈال دیا گیا۔ چند ماہ ہُوئے ڈاکٹر فرانسس بکانن (Dr. FRANCIS BUCHANAN) اپنے نسخوں کے ترجمہ کے سلسلہ میں لارڈ ویلزلی کی صلاح پر میرے پاس آئے۔ دورانِ گفتگو مَیں نے ذکر کیا کہ میں نے کیا تجاویز پیش کی تھیں۔ اُنہوں نے ان تجاویز سے کامل اتفاق کیا اور ان کا ذکر سر جان این سٹروکھر (SIR JOHN ANSTRUTHER) سے کیا۔ آپ ایشیاٹک سوسائٹی کے صدر ہیں۔ ان دنوں سر جان بھی لارڈ ویلزلی کے ساتھ ایک تجویز کے بارے میں خط و کتابت کر رہے تھے۔ اس تجویز کا مقصد تمام قدیم ہندو کتابوں کو محفوظ کرنا تھا۔ سر جان نے اس تجویز کی ایک نقل مجھے بھیجی اور میری تجویز سے اتفاق کرتے ہُوئے اُنہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ اس کام کے لئے چند عملی صورتیں پیش کروں۔

مَیں نے عملی تجاویز مرتب کیں اور ان میں تھوڑی بہت ترمیمیں ہونے کے بعد فیصلہ ہُوا کہ فورٹ ولیم کالج اور ایشیاٹک سوسائٹی دونوں مل کر ہمارے ضروری اخراجات کے واسطے مبلغ ۳۰۰ روپے ماہوار ہم کو ادا کریں اور اس کے بدلے جس کتاب کو وُہ منظور کریں اُس کو ہم ترجمہ کر دیں اور ان ہی کے منظور کردہ ٹائپ اور ان ہی کے منتخب کردہ کاغذ پر مع انگریزی ترجمہ کے چھاپ دیں اور اصل قلمی نسخہ کے مالک ہم رہیں۔ اُنہوں نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ یورپ کے تمام علمی اداروں کے پاس ہمارے ان ترجموں کی سفارش کریں گے۔

میں نے صلاح دی ہے کہ راماین سے ابتدا کی جائے۔ یہ ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں سب سے اہم ہے۔ اس کے مقابلہ میں وید اس قدر بے لطف ہیں کہ اگر ان سے ابتدا کی گئی تو عوام کی دلچسپی شروع ہی سے جاتی رہے گی۔ راماین کے ذریعہ ہندوؤں کے دیوی دیوتاؤں کے متعلق بہترین معلومات فراہم ہو جائیں گی۔ اس قدر وضاحت کے ساتھ یہ معلومات اور کسی ایک کتاب میں نہیں مل سکتیں۔ اور پھر اس کتاب کا موضوع بھی اس قدر دلچسپ ہے کہ طبیعت خواہ مخواہ چاہتی ہے کہ اس کو شروع سے آخر تک پڑھ کر ہی چھوڑا جائے۔

۱۸۰۵ء میں رسالہ "ایشیاٹک ریسرچز" (ASIATIC RESEARCHES) میں علما سے درخواست کی گئی تھی کہ ایشیائی کتابوں کے ترجمے یا ان کتابوں کے متعلق معلومات فراہم کریں۔ چنانچہ کیری کا راماین کا ترجمہ مع شرح کے سیرامپور پریس سے تین جلدوں میں ۱۸۱۰ء تک شائع ہو گیا۔ جب تک گوریسیو (GORRESIO) نے اپنا اطالوی زبان کا ترجمہ شائع نہ کیا تب تک "کیری اور مارشمین" کی یہ کتاب ہی اس عظیم ہندو رزمیہ نظم کا یورپ میں پہلا اور واحد ترجمہ تھا۔

لیکن اس سے پہلے ۱۸۰۲ء ہی میں کیری اپنے سیرامپور کے پریس سے راماین اور مہابھارت کے بنگالی ترجمے بھی شائع کر چکا تھا۔ لیکن جب راماین کا انگریزی ترجمہ شائع ہوا تو یورپ کے نہ صرف علما بلکہ شعرا نے بھی اس سے استفادہ کیا۔

اس ترجمہ کی جو جلدیں انگلستان بھیجی گئی تھیں وہ جہاز کے غرقاب ہو جانے کی وجہ سے تلف ہو گئیں لہٰذا جو جلدیں ذاتی طور پر کیری نے بطور تحفہ اپنے دوستوں کو دی تھیں وہی اب باقی رہ گئی ہیں۔ ایسی ہی ایک جلد اس وقت برٹش میوزیم (BRITISH MUSEUM) میں موجود ہے۔

فورٹ ولیم کالج کے واسطے کیری نے مشہور کتاب "ہت اپدیش" کے سنسکرت ترجمہ کو ترتیب دے کر شائع کروایا۔ یہ دیوناگری حروف میں پہلی سنسکرت کتاب چھاپی گئی تھی۔ اس کے علاوہ کیری نے "دس کمار کرت" اور "بھرتری ہری" کی ایک کتاب کے خلاصے بھی تیار کئے۔

سیرامپور کے پریس میں کیری نے ہندوستان کے قدیم ترین لغت "امر سنگھ" کی سنسکرت ڈکشنری کو مع انگریزی معانی و شرح کے چھاپ کر تیار کیا۔

اُس زمانہ میں سرکارِ ہند کا یہ دستور تھا کہ فورٹ ولیم کالج میں جو شخص جس زبان کا پروفیسر ہوتا تھا وُہی اُس زبان کا سرکاری مترجم بھی مانا جاتا تھا اور سرکاری طور پر کوئی کتاب یا پرچہ شائع نہ ہو سکتا تھا جب تک کہ پروفیسر صاحب اُس کے متن کو پڑھ کر منظوری نہ دے دیں۔ اپنی کالج کی خدمات کے اس سلسلہ میں کیری کی وساطت سے جو ادبی جواہر ہندوستان کی تین[۳] زبانوں میں شائع ہوئے اُس کا نہایت مختصر ذکر ہدیۂ ناظرین ہے۔

کیری کے اپنے پنڈتوں نے کُل سولہ[۱۶] کتابیں لکھیں جن میں مشہورِ عالم تصانیف "ہست اوپدیش" اور "بھگوت گیتا" کے اوّلین بنگالی تراجم شامل ہیں۔ ان دونوں کے علاوہ اِن سولہ[۱۶] کتابوں میں وہ تین[۳] کتابیں بھی ہیں جو بنگالی ادب کی بُنیاد مانی جاتی ہیں یعنی رام رام باسو کی تصنیف "راجہ پرتاپ آدتیہ" جس کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے۔ راجیب لوچن کی کتاب "مہاراجہ کرشنا چندر راچرتر" اور پنڈت مرتونجے وِدّیا النکار کی "ہندوستان کے راجاؤں کی کہانیاں"۔

خود کیری نے اس عرصہ میں چھ[۶] مختلف زبانوں کی صرف و نحو کی کُتب شائع کیں۔ یعنی بنگالی۔ سنسکرت۔ مرہٹی۔ پنجابی۔ تلگو اور کناری۔ بجھر مارشمین (MARSHMAN) کے فرزند جان سی مارشمین (JOHN C. MARSHMAN) کی مدد سے اُس نے بھوٹیا زبان کی بھی ایک گرامر ترتیب دی۔ تین[۳] ڈکشنریاں یعنی بنگالی۔ مرہٹی اور سنسکرت اُس کی اپنی تصانیف تھیں اور بھوٹیا زبان کی فرہنگ تیار کرنے میں بھی اُس کا نمایاں حصّہ تھا۔ کیری کی مرہٹی ڈکشنری توقع سے کہیں زیادہ مفید ثابت ہوئی اور اُس کی بنگالی ڈکشنری کی تو کلکتہ یونیورسٹی کے ڈاکٹر سوبیل کمار ڈے اور آکسفورڈ یونیورسٹی (OXFORD UNIVERSITY) کے پروفیسر ایچ۔ ایچ ولسن (PROF. H.H. WILSON) نے بھی داد دی ہے۔ اُس کی بنگالی روزمرہ کی تصنیف "COLLOQVIES" اور "اتہاس مالا" ظاہر کرتی ہیں کہ وُہ نہ صرف بنگالی علمی زبان کا ہی ماہر تھا بلکہ روزمرہ میں بھی ایک کُہنہ مشق اُستاد کی سی مہارت تامّہ رکھتا تھا۔

اور جہاں تک ایشیاٹک سوسائٹی کا تعلّق ہے کیری ۱۸۰۶ء میں اُس کا ممبر بنا

اور ایک سال کے اندر ہی اندر اُس کا سب سے زیادہ محنتی کارکن بلکہ سوسائٹی کا رُوح رواں بن گیا۔ اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ دس سال کے عرصہ میں اس سوسائٹی کے باون ۵۲ اجلاس منعقد ہوئے جن میں سے کیری آٹھ سے غیر حاضر تھا۔ ممبری کے دن سے تا دمِ مرگ وُہ سوسائٹی کی "مجلس مذاکراتِ علمیہ" (COMMITTEE OF PAPERS) کا رکن رہا۔ کیری ہی کی تحریک پر سوسائٹی نے سنسکرت کے بہترین ڈراما "شکنتلا"۔ "ہت اوپدیش" اور "بھگوت گیتا" کے انگریزی تراجم کیئے۔ سوسائٹی ہی کی وساطت سے کیری کا نے ہندؤوں کے مشہور فلسفہ "سانکھ" کا ترجمہ انگریزی میں کیا۔ اور جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، سوسائٹی ہی کے ماتحت اُس نے "رامائن" کا ترجمہ شروع کیا اور اُس کی تین جلدیں شائع بھی کیں۔ اس رامائن کے ترجمہ کے ذریعہ وُہ مغرب کو ہندوستان کے بہترین رزمیہ کلام سے مستفیض کرنا چاہتا تھا لیکن افسوس کہ ایک حادثہ کی وجہ سے (جس کا ذکر اُنیسویں باب میں ہو گا) یہ ادبی خدمت بر سرِ انجام نہ پُہنچ سکی۔

کیری کی ادبی خدمات کا مطالعہ کرتے وقت مندرجہ ذیل خط دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کیونکہ اس خط میں اُس نے اپنے کام کرنے کے طریقہ اور اپنے بلند مقاصد کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مؤرخہ ۱۰ دسمبر ۱۸۱۱ء کو کیری رائیلینڈ (RYLAND) کو خط لکھتا ہے کہ:۔

ایک عرصہ سے مَیں اس ضرورت کا قائل ہو گیا ہُوں کہ مشرق میں بائبل کی شرح و موازنہ کی بحث کا آغاز کیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ اگر ہم ایسا انتظام کریں کہ جس زبان میں ہم بائبل کا ترجمہ کرتے ہیں اُس کے ساتھ ہی اُس زبان کی گرامر بھی تیار کر کے شائع کر دیا کریں تو اس موازنہ کے کام میں بڑی سہولت ہو جائے گی۔

اگر ہم نے خود یہ کام نہ کیا تو ہمارے جانشینوں کو دوبارہ وُہی محنت کرنی ہوگی جو ہم آج کر رہے ہیں۔ گویا وُہ اُسی مقام پر ہوں گے جہاں ہم آج کھڑے ہیں۔

لیکن اگر ابتدائی کتابیں تیار کر دی جائیں تو بہُت ہی آسانی پیدا ہو جائے گی اور محنت بھی بچ جائے گی۔ اس طرح جو کچھ معلُوم کرنے کے لئے مجھے برسوں جانفشانی کرنی پڑی ہے وُہ دُوسرے نہایت آسانی سے سمجھ جائیں گے۔

چُونکہ مجھے اتنی زبانیں سیکھنی پڑتی ہیں لہٰذا مَیں ہر ایک کی گرامر کا مطالعہ کرتا ہُوں۔ پھر

اُس کو قلمبند کر لیتا ہُوں اور اُس کی پیچیدگیوں اور خاص خاص باتوں پر غور کرتا ہُوں۔ اس طریقہ پر مَیں نے اب تک تین گرامریں تیار کر کے شائع کر دی ہیں یعنی سنسکرت بنگالی اور مرہٹی۔ میرا ارادہ ہے کہ تلنگا۔ کرناٹکی۔ اوڑیہ۔ پنجابی۔ کشمیری۔ گجراتی۔ نیپالی اور آسامی زبانوں کی گرامریں بھی تیار کر کے شائع کر دُوں۔ ان میں سے دو تو فی الحال زیر طبع ہیں اور اُمید ہے کہ آیندہ سال کے آخر تک دو یا تین اور چھپ کر تیار ہو جائیں گی۔

ممکن ہے کہ یہ گرامر کی کتابیں اُس تجویز کے لئے کارآمد نہ ہوں جو مَیں نے اُوپر بیان کی ہے لیکن یہ اُس سوال کا جواب ضرور دے دیں گی جو اکثر پیش کیا جاتا ہے کہ وُہ لوگ اتنی زبانوں میں کس طرح ترجمے کر لیتے ہیں؟

بہت کم انسان ایسے ہوں گے جو یہ جانتے ہیں کہ وُہ کیا کچھ کر سکتے ہیں جب تک کہ وُہ کسی کام کو شروع کر کے صبر و استقلال سے اُس کو پُورا نہیں کر لیتے۔

اس وقت مَیں بنگالی کی ایک ڈکشنری چھاپ رہا ہُوں جو کافی ضخیم ہوگی۔ دو سو چھپّن صفحے تک تو پہنچ چکا ہُوں لیکن پہلا ہی حرف اب تک ختم نہیں ہُوا مگر یہی ایک ایسا حرف ہے جس سے اتنے الفاظ شروع ہوتے ہیں جتنے کسی اور دو حروف سے مِلا کر بھی شروع نہ ہوتے ہوں گے۔

جو ترجمے ہو چکے ہیں اُن کی خامیوں کو دُور کرنے کے لئے مَیں ارادہ کر رہا ہُوں کہ ایک ڈکشنری تیار کی جائے جس میں مشرق کی اُن تمام زبانوں کے الفاظ ہوں جو سنسکرت سے نکلی ہیں۔ اس کے لئے مَیں نے مواد جمع کرنا بھی شروع کر دیا ہے۔ یہ کام مَیں سنسکرت سے شروع کروں گا۔ پھر ان الفاظ کے معنی اور استعمال اُسی طرح ظاہر کروں گا جس طرح جونسن (JOHNSON) نے کیا ہے۔ اس کے بعد ان الفاظ کے تراجم ہر اُس زبان میں ہوں گے جو سنسکرت سے پیدا ہُوئی ہے۔ پھر یُونانی اور عبرانی کے ہم معنی الفاظ بھی درج ہوں گے۔ اس ڈکشنری میں اُن الفاظ کو پہلے نقل کیا جائے گا جو سنسکرت سے مشتق ہیں۔ ان کے بعد دیگر زبانوں کے الفاظ لکھے جائیں گے۔ میرا ارادہ ہے کہ ہر سنسکرت لفظ کی مختصر تاریخ بھی اس میں شامل کر دی جائے تاکہ اُس سے پیدا ہونے والے دیگر زبانوں کے الفاظ کے معانی صاف و روشن ہو جائیں۔

یہ کام بہت وسیع ہے اور میں نہیں کہہ سکتا کہ میں اس کو ختم کرنے تک زندہ بھی رہوں گا یا نہیں لیکن جونہی میری بنگالی کی ڈکشنری مکمل ہو جائے گی میں اس تمام مواد کو ترتیب دینا شروع کر دوں گا جو میں اس کام کے لئے کئی سال سے جمع کر رہا ہوں۔ اگر میں اس عظیم کام کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گیا اور تمام تراجم بھی مکمل ہو گئے جو اس وقت تیار ہو رہے ہیں تو میں یہ کہنے کا مستحق ہو جاؤں گا کہ "اے خداوند اب تو اپنے غلام کو۔۔۔۔۔۔ سلامتی سے رخصت دیتا ہے۔"

افسوس ہے کہ کیری کا اندیشہ صحیح ثابت ہوا اور سنسکرت کی اس مجوزہ ڈکشنری کے لئے جو مواد اس نے جمع کیا تھا وہ ۱۱ مارچ ۱۸۱۲ء کی آتشزدگی میں تلف ہو گیا اور اس عظیم تصنیف کی ترتیب کا خیال مجبوراً ترک کرنا پڑا۔

پھر کیری کی ادبی خدمات پر غور کرتے وقت ہم کو اس امر کا لحاظ رکھنا پڑیگا کہ جس زمانہ میں اس نے بنگال میں بود و باش اختیار کی تھی اس وقت بنگالی زبان ایک نئے دور میں قدم رکھ رہی تھی۔ اسی زمانہ میں (۱۸۲۹ء) سرکاری قانون کے مطابق فارسی کی بجائے بنگالی اور دیگر صوبوں کی زبانیں عدالتی زبانیں قرار دے دی گئیں۔ فارسی کو مسلمان بادشاہوں نے درباری زبان کی حیثیت دی تھی۔ جب کیری نے کلکتہ اور داناپور میں کام شروع کیا تو (۹۳-۱۷۹۲ء) اس وقت بنگالی میں کوئی کتاب نہیں چھپی تھی اور قلمی نسخے بھی شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتے تھے۔ کولبروک صاحب نے بجا فرمایا ہے کہ "اس زمانہ میں بنگالی طرز تحریر دراصل سنسکرت یا دیوناگری رسم الخط تھا۔"

ندیا کے مشہور مصلح چیتنیہ نے اپنے نئے دھرم کی کتابوں کی تحریر کا رواج جاری کیا۔ اس سلسلہ میں کرشن داس کی کتاب "چیتنیہ چرت امرت" سب سے پہلی کتاب تھی جو ۱۵۵۷ء میں لکھی گئی۔ لیکن بنگالی "سنسکرت کی قبر سے پیدا ہوئی تھی"۔ مگر برہمنوں اور مسلمان حاکموں نے اس کے ساتھ نہایت بے رخی کا سلوک روا رکھا تھا کیونکہ بقول برہمنوں کے یہ "صرف بھوتوں اور عورتوں کی زبان" تھی۔

کیری کے آنے سے تقریباً نصف صدی پیشتر "ہندوستان کے آکسفورڈ" یعنی ندیا میں راجہ کرشن رائے رہتے تھے۔ یہ ہندومت کے اتنے راسخ الاعتقاد پیرو کار تھے کہ انہوں نے ایک شودر کو محض اس لئے پھانسی پر لٹکوا دیا تھا کہ اس نے ایک برہمن لڑکی سے شادی

کرنے کی جرأت کی تھی۔ اُنہوں نے اپنے مذہب کی اشاعت کی غرض سے بہت کچھ لکھا اور اپنی رعایا کو وظائف بھی دیئے تاکہ وُہ "بنگالی زبان کا مطالعہ مُستعدی اور ثابت قدمی سے کریں"۔ لیکن جب چالیس[۴۰] سال بعد کیری ندیا پہنچا تو اُس کو معلوم ہُوا کہ تین کروڑ نفوس کی آبادی میں فقط چالیس[۴۰] کتابیں موجود تھیں جو کہ تمام ہاتھ کی لکھی ہُوئی تھیں۔

یہ بھی واقعہ ہے کہ ہُگلی کے اُس پار ایک پریس بھی تقریباً پندرہ[۱۵] سال سے قائم تھا لیکن اس طویل عرصہ میں ہال ہیڈ کی گرامر کے علاوہ اور کوئی کتاب اس میں نہ چھپی تھی۔ لہٰذا یہ گرامر ہی سب سے پہلی اور قدیم چھپی ہُوئی کتاب دیکھنے میں آسکتی تھی۔ اس کتاب کے متعلق ہم پہلے ہی عرض کر چکے ہیں کہ غلطیوں کی زیادتی کی وجہ سے یہ قطعی کامیاب ثابت نہ ہوئی تھی۔

شمالی ہندوستان کے ایک شخص مسمّی بابو رام نے کولبروک کے زیر اثر سنسکرت کی قدیم کتابوں کو چھاپنے کے لئے کلکتہ میں ایک پریس قائم کیا۔ وُہ پہلا بنگالی تھا جس نے اپنی مادری زبان میں اپنی شخصی ذمّہ داری پر کتابیں چھاپیں۔ وُہ گنگا کشور تھا جس کو کیری اور وارڈ نے سیرامپور میں یہ فن سکھایا تھا۔ اُس نے جلد ہی ایک بڑی دولت جمع کر لی اور ۱۸۲۰ء تک تین[۳] پریس اور قائم ہو گئے۔ ان سب چھاپے خانوں سے دس سال کے عرصہ میں کُل ستائیس[۲۷] مختلف کتابیں چھپ کر فروخت ہُوئیں اور ان تمام کتابوں کی مجموعی تعداد ۱۵ ہزار جلدوں سے زیادہ نہ تھی۔ ان تمام کتابوں کے لئے ٹائپ سیرامپور ہی نے مہیّا کیا تھا لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ یہ تمام کتابیں کیری ہی کی محنت کا نتیجہ تھیں۔

جیساکہ پہلے لکھا جاچُکا ہے ۱۸۰۱ء میں کیری کا بنگالی نیا عہد نامہ شائع ہُوا۔ اُسی سال اُس نے گرامر بھی ختم کر کے چھاپی۔ اس کے علاوہ بنگالی روزمرّہ کی ایک درسی کتاب ———— (COLLOQUIES) بھی اُنہی دنوں مکمّل ہو کر عوام کے ہاتھوں میں پہنچی اور ۱۸۱۵ء سے اُس نے اپنی ڈکشنری کے جُز بھی شائع کرنے شروع کر دیئے۔

لیکن کیری کو اس امر کا احساس تھا کہ ہر قوم کے ادب کا نشو و نما اُس قوم ہی کے ادیبوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اور بدیشی کے ذریعہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا کیری نے ہندوستانیوں کو جلد از جلد اپنا شریکِ کار بنانے کی کوشش کی۔

اُس کا سب سے پہلا شاگرد پنڈت رام رام باسُو تھا۔ سیرامپور کا پہلا ٹریکٹ (TRACT) اور ہندو مذہب کے خلاف سیرامپور کا پہلا پمفلٹ (PAMPHLET) رام رام باسُو کے قلم ہی

سے لکھا گیا تھا۔ یہ دونوں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئے اور ان کی اشاعت پر عوام میں بہت بے چینی پھیلی لیکن رام رام باشو جس نے خود اس خوبی سے ہندو مذہب کے خلاف قدم اٹھایا تھا کبھی علانیہ اپنے مسیحی ہونے کا اقرار کرنے کی جرأت نہ کرسکا۔ بہر کیف، اس کے مذہبی عقائد سے قطع نظر ہمیں اُس کی ادبی کارگذاری سے، جو تمام تر کیری کی علمی صحبتوں کا نتیجہ تھیں تعلق ہے۔

رام رام باشو اپنے زمانہ کا ایک نہایت بلند پایہ بنگالی عالم مانا جاتا تھا۔ اُس نے کیری کے کہنے سے چند ایک مذہبی رسالے وغیرہ لکھے اور ان کے علاوہ کیری ہی کی ترغیب پر اُس نے اپنی کتاب "راجہ پرتاپ آدتیہ جیون چرتر" یعنی راجہ پرتاپ آدتیہ کی سوانح عمری لکھ کر شائع کی۔ یہ راجہ پرتاپ آدتیہ ساگر دیپ کے آخری حکمران تھے۔

جب کیری فورٹ ولیم کالج میں پروفیسر مقرر ہوا تو اُس کو سب سے بڑی دِقت یہ پیش آئی کہ بنگالی جماعت کے لئے کوئی درسی کتاب ہی موجود نہ تھی۔ لہٰذا کیری اور اُس کے پنڈت اور حتیٰ کہ اُس کے طلبا کو بھی کئی برس تک بنگالی کی درسی کتابیں خود لکھنی پڑیں۔ ان میں روم کے مشہور شاعر ورجل (VIRGIL) اور انگریزی ڈرامانگار شیکسپیئر (SHAKESPEARE) کی کتابوں کے ترجمے شامل تھے۔

بالآخر سکول بک سوسائٹی (SCHOOL BOOK SOCIETY) نے اس کام کو اپنے ذمہ لے لیا اور رام کمل سین کو ترغیب دی کہ وہ اپنی بنگالی ڈکشنری تیار کریں۔ بابو رام کمل سین ایک پریس کے مالک تھے اور آخرکار آپ "بنک آف بنگال" (BANK OF BENGAL) کے خاص عہدیدار مقرر ہوئے۔ مشہور عالم مُصلح کیشب چندر سین اُنہی کے چشم و چراغ تھے۔

لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ کیری ہی کی خدمات کی وجہ سے آج ہندوستان میں بنگالی زبان کی وہی حیثیت ہے جو یورپ میں کسی زمانہ میں اطالوی زبان کو حاصل تھی، اور بنگالی رُوپ کسی معنی میں بھی اطالوی ادب سے کم نہیں ہے۔

جہاں تک ادب کا تعلق ہے کیری کے انگریز جانشین یعنی خواش کے فرزند فیلکس کیری (FELIX CAREY) نے جو خدمت کی وہ کسی طرح بھی باپ کی خدمت سے کم نہیں۔ فیلکس نے رام کمل سین کے ساتھ مل کر بنگالی زبان میں علم تشریح البدن (ANATOMY) کی ایک "جامع العلوم" (انسائیکلوپیڈیا) تیار کی۔ جان بنین (JOHN BUNYAN) کی مشہور کتاب "پلگرمز پروگریس" (PILGRIM'S PROGRESS) کا ترجمہ کیا۔ گولڈ سمتھ (GOLDSMITH)

کی "تاریخ انگلستان" کو بنگالی زبان میں قلمبند کیا۔ اور مل (MILL) صاحب کی "تاریخ ہند" کا بھی ترجمہ کیا۔

کیری کی ادبی خدمات کے موجودہ باب کو ہم متعدد مشاہیر میں سے دو کی آراء کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔

مشہور مصلح کیشب چندر سین کے والد رام کمل سین کا ذکر ہو چکا ہے۔ آپ ایشیاٹک سوسائٹی کے سیکرٹری بھی تھے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ "بنگالی زبان کو ادبی حیثیت دینے اور اُس کو ترقی کے ابتدائی مدارج میں سے نکال کر عروج دینے کا سہرہ ڈاکٹر کیری اور اُن کے ہم خدمتوں کے سر ہے۔"

اور پھر سموایل پیرس کیری (SAMUEL PEARCE CAREY) صاحب سے ڈاکٹر رابند را ناتھ ٹیگور نے ۱۹۲۱ء میں فرمایا کہ "دیسی زبانوں میں دلچسپی کی موجودہ تحریک کا بانی کیری ہی تھا۔"

سترھواں باب

کیری کی مزید ادبی خدمات

گذشتہ باب میں ہم نے زیادہ تر کیری کی اُن ادبی خدمات کا ذکر کیا ہے جو اُس نے بحیثیت پروفیسر فورٹ ولیم کالج میں انجام دیں۔ لیکن کسی قوم کا ادب اُس وقت مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُس قوم کی زبان کا ترجمان کوئی اخبار نہ ہو۔ بنگال دُنیا بھر کا سب سے پہلا غیر مسیحی علاقہ تھا جہاں ایک چھاپنے کی مشین نصب کی گئی لیکن ابھی تک وہاں کوئی اخبار جاری نہ ہوا تھا اور نہ ہی کسی نے اس طرف توجہ کی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پریس کا قانون نہایت سخت تھا اور پھر مختلف گورنر جنرلوں کی بدگمانیاں چین نہ لینے دیتی تھیں۔ بالآخر جب لارڈ میکالے (LORD MACAULAY) اور مٹکاف (METCALFE) نے ہندوستان کے پریس کے لئے آزادی حاصل کر لی تو سیرامپور کے مشنریوں کو خیال پیدا ہوا کہ اس نئی

سہولت کو بھی ہندوستان کی بہبودی کے لئے استعمال میں لایا جائے۔ وہ جانتے تھے کہ مسیحیت اُسی جگہ بہترین نشوو نما پاسکتی ہے جہاں باہمی تبادلہ خیالات کی نہ صرف سہولت ہی ہو بلکہ یہ بغیر کسی پابندی کے جاری رہ سکے۔ اور اب جبکہ اس بات کی اُمید نظر آئی تو مارشمین (MARSHMAN) نے بھی ۱۸۱۸ء میں تجویز پیش کردی کہ ایک بنگالی رسالہ جاری کیا جائے۔

کیری کو ایسی سخت مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے پچیس ۲۵ سال گذر چکے تھے۔ اس تلخ تجربہ کے ہوتے ہوئے وہ بڑی مشکل سے اس شرط پر رضامند ہوا کہ یہ رسالہ ماہوار ہو اور یہ کہ اس میں کوئی سیاسی مضمون شائع نہ کیا جائے۔ لہٰذا رسالہ "دیگ درشن" جاری ہوا۔ اور تین ۳ سال تک بڑی کامیابی کے ساتھ چلتا رہا۔ اس رسالہ نے جو ہر دلعزیزی حاصل کی اُس سے سیرامپور کے لوگوں کی بہت ہمت افزائی ہوئی اور ۲۳ مئی ۱۸۱۸ء کو "مشرق کی زبانوں کا پہلا اخبار" یعنی "سماچار درپن" بھی جاری کر دیا گیا۔

جس وقت اس اخبار کے پہلے نمبر کا چربہ تمام ساتھیوں کے سامنے رکھا گیا وہ جمعہ کی شب کا ایک اہم اور نازک وقت تھا۔ کیری کو اندیشہ تھا کہ ایک اور دُنیوی کام اپنے ذمہ لینے سے کہیں اُس کے اُس رُوحانی کام میں رکاوٹ پیدا نہ ہو جائے جس کو وہ اس قدر عزیز رکھتا تھا۔ لیکن وہ اس نئے مرحلہ میں رخنہ اندازی پیدا کرنے کا بھی خواہشمند نہ تھا کیونکہ وہ محسوس کرتا تھا کہ یہ عوام کے دل و دماغ پر اثر ڈالنے کا ایک نہایت موزوں ذریعہ ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر فیصلہ ہوا کہ ڈاکٹر مارشمین مجوزہ اخبار کی پہلی کاپی مع ایک مفصل انگریزی بیان کے جس میں شائع شدہ اخبار اور مضامین وغیرہ کا خلاصہ ہو گورنمنٹ کی خدمت میں روانہ کریں۔ اگر سرکار اس کی اشاعت منظور کرے تو عین باعثِ مسرت ہوگا۔ لیکن بصورتِ دیگر اخبار کی اشاعت فوراً روک دی جائے۔

اُس وقت گورنر جنرل بنفسِ نفیس پنڈاریوں کے خلاف جنگ میں مصروف تھے۔ لہٰذا اُن کی غیر موجودگی میں کونسل نے کوئی فیصلہ نہ دیا۔ لیکن جب وہ واپس تشریف لائے تو آپ نے یہ فرمایا کہ "ایسے اخبار کے اثرات بہت وسیع، اہم اور کارآمد ہوں گے"۔ چنانچہ آپ نے اس کی اشاعت کی منظوری بھی دے دی اور ساتھ ہی یہ حکم بھی نافذ کر دیا کہ یہ اخبار ایک چوتھائی محصول پر بذریعہ ڈاک بھیجا جا سکتا ہے۔

ہندوستانیوں نے اپنے اس پہلے اخبار کا نہایت گرم جوشی سے خیر مقدم کیا۔ تعلیم یافتہ
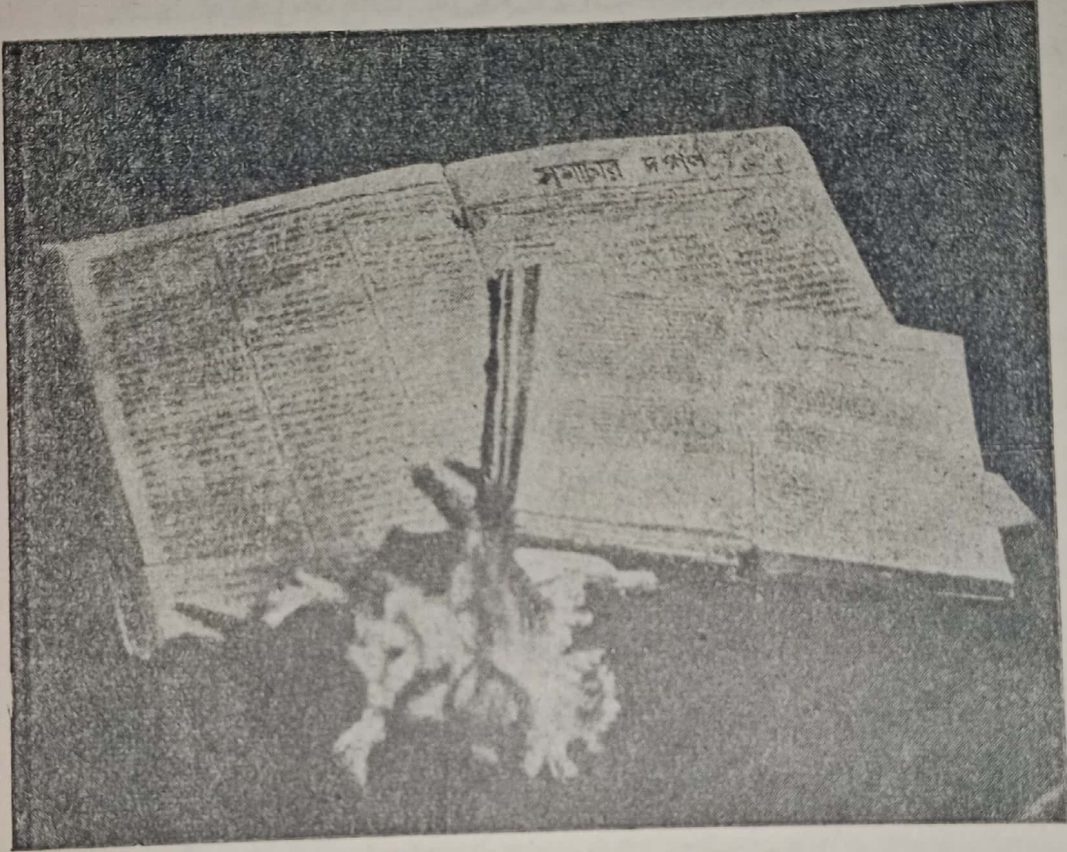
پہلے انگریزی اور بنگالی رسالے جنہیں ولیم کیری نے
چھپوایا تھا۔

ہندوستانی "درپن" کے ذریعہ اپنے ہم وطنوں کی شکایات حکام بالا تک پہنچانے لگے۔ اور سرکار عالیہ نے بھی اس کو افواہوں کی تردید کرنے اور عوام میں اطمینان پیدا کرنے کا ایک آسان ذریعہ سمجھ کر اس سے فائدہ اُٹھایا۔ اس اخبار نے جہاں بنگالی ادب کی ایک زبردست خدمت انجام دی وہاں بنگالیوں کی اخلاقی اور سیاسی تعلیم کو بھی فروغ دیا۔

"سماچار درپن" میں کوئی مذہبی یا متنازعہ فیہ مضامین شائع نہیں کئے جاتے تھے، لیکن پھر بھی اس کی مخالفت ہُوئی۔ مخالف اخباروں کی فہرست میں سب سے اوّل نام انگریزی اخبار "برہمینکل میگزین" (BRAHMANICAL MAGAZINE) اور بنگالی اخبار "برہمن سیبادی" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہ دونوں اخبار جولائی ۱۸۲۱ء میں شائع ہُوئے اور ان دونوں کا ایڈیٹر کوئی مفروضہ شخص "ست پرشاد شرما" نامی تھا۔ لیکن گمان غالب ہے کہ یہ دونوں اخبار راجہ رام موہن رائے کے تھے جو کسی وجہ سے اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ان کے علاوہ ایک اخبار ۲۱۔ اگست ۱۸۲۳ء کو مرزاپور سٹریٹ کے بابو کرشنا موہن داس نے بھی جاری کیا۔ ان کا نام "سنگواد تمیر ناشن" (یعنی "تاریکی ہٹانے والا") رکھا گیا تھا۔ بقولِ خود اس اخبار کا مقصد "ہندو مت کی حفاظت کرنا" تھا۔

جارج سمتھ (GEORGE SMITH) صاحب نے اپنی کتاب میں "سماچار درپن" کی اس مخالفت کا ذکر کیا ہے مگر اس ضمن میں اُنھوں نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وُہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ اوّل تو آپ "برہمینکل میگزین" اور "برہمن سیبادی" کا نام تک نہیں لیتے اور پھر آپ فرماتے ہیں کہ "چند ہفتوں کے بعد ہی" ایک مخالف اخبار جاری ہُوا جس کا نام "تاریکی ہٹانے والا" تھا۔ آپ نے اس اخبار کا کوئی مکمّل حوالہ اور چھاپنے والے کا نام نہیں بتایا اور اس طرح معاملہ کو اور بھی زیادہ پیچیدہ کر دیا۔ لیکن جہانتک ہماری اپنی تحقیقات کا تعلّق ہے ہمیں قابلِ اعتبار ذرائع سے معلوم ہُوا ہے کہ نہ تو "سنگواد تمیر ناشن" نامی پہلا مخالف اخبار ہی تھا اور نہ ہی یہ "چند ہفتوں کے بعد" شائع ہُوا بلکہ یہ دُوسرے مخالف اخباروں کے پانچ سال بعد جاری ہُوا۔ ہماری رائے یہ ہے کہ اگر دراصل کوئی ایسا مخالف اخبار تھا جو "چند ہفتوں کے بعد" شائع ہُوا اور جس کے متعلّق جارج سمتھ صاحب کے پاس معلُومات موجُود تھیں تو ان کا فرض تھا کہ وُہ اس نام کو ظاہر کرتے اور ان معلُومات کو اپنے ناظرین سے پوشیدہ نہ رکھتے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ جارج سمتھ صاحب نے قصداً ایسا کیا اور نہ ہی ہم اس کو ان کی غلطی سمجھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ہم اپنی تحقیقات کو بھی ناقابلِ تردید نہیں سمجھتے لیکن یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ جارج سمتھ صاحب کے بیان اور پیرس کیری (PEARCE CAREY) صاحب کی حیرت انگیز خاموشی نے حقیقت کو آشکارا ہونے سے روک دیا ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ ہندوستان کی اس خالص ادبی خدمت کی مخالفت کرنے کا ذمہ دار کونسا ہندوستانی تھا اس کا جواب مکمل معلومات موجود نہ ہونے کی صورت میں ہم وثوق کے ساتھ نہیں دے سکتے۔ واللہ اعلم بالصواب[1]۔

مارکوئس ہیسٹنگز (MARQUES HASTINGS) کا نام ہندوستان کی تاریخ کے جس زمانہ کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے اُسی زمانہ میں ہندوستان کے پریس (یعنی اخبارات) کو آزادی نصیب ہوئی تھی۔ اسی زمانہ میں ایک انگریزی ماہانہ رسالہ بھی کیری اور مارشمین نے جاری کیا جس کا نام "فرینڈ آف انڈیا" (FRIEND OF INDIA) رکھا گیا۔ ستاون ۵۷ سال کے طویل عرصہ تک اس رسالہ نے عمدگی کے ساتھ نہایت کامیاب خدمت کی۔ اس رسالہ کے پہلے ایڈیٹر ڈاکٹر مارشمین خود تھے۔ ان کے بعد ان کے فرزند مسٹر جان سی مارشمین (Mr. JOHN C. MARSHMAN) نے ان خدمات کو انجام دیا اور پھر ٹاؤن سینڈ (TOWN-SEND) صاحب نے جن کے بعد جارج سمتھ صاحب نے اس کے انتظامات کو ہاتھ میں لیا ایک عرصہ تک یہ رسالہ ماہانہ شائع ہوتا رہا۔ پھر کچھ دنوں بعد سہ ماہی رہا۔ اس کے بعد جان مارشمین صاحب نے اس کو ہفتہ واری شائع کرنا شروع کر دیا۔ اسی رسالہ کے ذریعہ کیری اور اُس کے ہم خدمتوں نے انسانیت کے حق میں اور ستی۔ دُختر کُشی۔ جہالت اور توہم پرستی کے خلاف ایک مقدس جنگ جاری رکھی اور چونکہ دونوں ماہواری اور سہ ماہی رسالے ہندوستان کے علاوہ لنڈن میں بھی اسی مضمون سے شائع ہوتے تھے اس لئے کیری کے لئے یہ ایک نہایت عمدہ ذریعہ ثابت ہوا کہ اپنے نادر تجربات اور اعلےٰ خیالات کو اہل انگلستان کے سامنے پیش کر کے اُس ملک کے خوابیدہ ضمیر کو بیدار کرے۔

اگرچہ اخبار "فرینڈ آف انڈیا" اب بند ہو گیا ہے اور اُس کی جگہ ہندوستان کے مشہور اخبار "سٹیٹسمین" (STATESMAN) نے لے لی ہے (جس کے ساتھ یہ مُلحق کر دیا گیا تھا)

[1] "خدا ہی سب سے بہتر جانتا ہے۔"

تاہم "فرینڈ آف انڈیا" کی خدمات کا اثر اب تک باقی ہے۔

بائبل کے تراجم۔ درسی کتابیں۔ ڈکشنریاں۔ صرف و نحو کی کتابیں۔ رسالے اور اخبارات کے علاوہ کیری نے ہندوستانی ادب کی ایک اور اہم خدمت کی ہے جس کا ذکر بھی اس باب میں ہونا ضروری ہے۔ یعنی فنِ طباعت کی خدمات۔ چھاپہ خانہ والوں کو اس امر پر بجا طور پر فخر ہے کہ ان کا فن دُنیا بھر کے دیگر فنون کا محافظ ہے اور یہی الفاظ ان کے فن کا نصب العین بھی ہیں[1]۔ چُنانچہ ظاہر ہے کہ جو شخص اس فن کو فروغ دینے میں ابتدائی کوشش کرے اُس کی خدمات کی اہمیت اور وُسعت کا اندازہ لگانا کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

کیری اور اُس کے ساتھیوں کو اس قدر دماغی اور رُوحانی برکات عطا کرنے میں قُدرت نے جس فیاضی سے کام لیا تھا اُسی فیاضی سے وُہ اُس کی تصانیف اور ترجموں کی اشاعت کے لئے سہولت بہم پہنچانے میں بھی مُمد و مُعاون رہی۔ ترجمہ کرنے کا کام کافی ترقی کر چُکا تھا اور کیری ابھی دیناج پور کی دلدلوں ہی میں سکونت پذیر تھا۔ اس غیر شاعرانہ ماحول میں وُہ خواب دیکھا کرتا تھا کہ چھاپنے کی مشین۔ ٹائپ اور کاغذ وغیرہ جو یہاں مفقود تھے انگلستان سے آئیں گے اور وہیں سے کوئی پرنٹر بھی بھیجا جائے گا جو اُس کی کتابوں اور ترجموں کو چھاپ کر شائع کرے گا۔ اس کا انتظام خُدا نے اس طرح کیا کہ چھاپنے والا تو اُس کو اپنی حسب منشاء ہی مل گیا۔ یہ شخص ولیم وارڈ (WILLIAM WARD) تھا۔ ہم کسی اور باب میں ناظرین کو وارڈ سے متعارف کرا چُکے ہیں اور یہ بھی بتا چُکے ہیں کہ کن حالات میں کیری نے اُس کو اپنا ہم خدمت ہونے کے لئے خُود مُنتخب کیا تھا۔ وارڈ ہر طرح کیری جیسے عالم کا ہم خدمت ہونے کا اہل تھا۔ لیکن اب سوال یہ تھا کہ چھاپنے کی مشین ٹائپ اور دیگر ضروری سامان کیونکر فراہم کیا جائے؟ اگر یہ تمام اشیأ انگلستان سے منگوائی جائیں تو دس ہزار (۱۰۰۰۰) جلدوں پر مشتمل نئے عہد نامہ کا ایک ایڈیشن چھاپنے کے لئے کیری کو کم از کم ساڑھے چار ہزار (۴۵۰۰) پونڈ کی ضرورت ہوتی۔ اپنی ان ضروریات کی ایک طویل فہرست کیری نے انگلستان بھیجی ہی تھی کہ ہندوستان میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔

کیری کو کسی طرح معلوم ہو گیا کہ انگلستان سے ایک چھاپنے کی مشین ابھی آئی ہے جو ۴۲ پونڈ میں فروخت ہو رہی ہے۔ چُنانچہ اُس نے فوراً اپنے آقا مسٹر جارج اوڈنی

[1] The Art Preservative of all Arts.

(MR. GEORGE UDNY) کی طرف رجوع کیا۔ اور اوڈنی صاحب نے اس پریس کو خرید کر تحفتہً کیری کے حوالہ کر دیا۔ ستمبر کے مہینہ میں یہ مشین مدن باٹی پہنچی اور وہاں نصب کر دی گئی۔ بعد میں جب یہ مشین سیرامپور منتقل ہوئی تو اسی مشین پر پہلا بنگالی نیا عہد نامہ چھاپا گیا۔ نئے عہد نامہ کے اس ایڈیشن کی چند جلدیں اب بھی دیکھنے میں آتی ہیں اور یہ نہایت قیمتی نسخے مانے جاتے ہیں حالانکہ اس زمانہ کے مقابلہ میں ان کا کاغذ ردی اور چھپائی بھی بالکل خراب ہے۔

ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا تھا کہ ۱۷۷۸ء میں ہال ہیڈ (HALHED) نے بنگالی کی ایک گرامر ہگلی سے شائع کی تھی لیکن غلطیاں زیادہ ہونے کی وجہ سے یہ کتاب قطعی مقبول نہیں ہوئی تھی۔ اس کتاب کا ٹائپ سر چارلس ولکنز (SIR CHARLES WILKINS) نے اپنے ہاتھ سے تیار کیا تھا۔ سر چارلس نے ٹائپ ڈھالنے کا فن ایک بنگالی کاریگر پنچانن نامی کو سکھایا تھا۔ پنچانن روزگار کی تلاش میں سیرامپور اس وقت پہنچا جب کہ کیری اپنی سنسکرت گرامر کے لئے دیوناگری کی "مقدس" زبان کے ٹائپ کی تلاش میں ناکامیاب ہو کر مایوس ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ کیری کو بنگالی اور دیگر زبانوں کے ٹائپ کی بھی سخت ضرورت تھی۔ مگر بنگالی زبان کے علاوہ اور کسی زبان میں ابھی تک کوئی کتاب چھپی ہی نہیں تھی پھر ٹائپ کہاں سے ملتا؟ ۱۸۰۷ء میں کیری نے ان مشکلات کا ذکر حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے:-

"یہ تو ظاہر ہے کہ ہندوستان کی موجودہ حالت اس امر کی مقتضی ہے کہ کئی زبانوں کے ٹائپ تیار کئے جائیں۔ یہ ہماری اور ہندوستان کی خوش قسمتی ہے کہ ولکنز نے اس کام میں پیش قدمی کی ہے۔ ولکنز نے جس صبر و تحمل اور ہوشیاری اور دانشمندی سے کام کیا ہے اُس کا صحیح اندازہ لگانا ناممکن ہے۔ اُس کی راہ میں بیشمار دقتیں اور دشواریاں حائل تھیں۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ نہ تو اُس کے پاس سامان ہی تھا اور نہ کاریگر ہی تھے اُس نے بنگالی کے جو ٹائپ تیار کئے وہ نہایت عمدہ ہیں۔ سیرامپور میں آکر سکونت اختیار کرنے کے تھوڑا ہی عرصہ بعد خدا نے خود ہمارے پاس اُس کاریگر کو بھیجدیا جس نے ولکنز کے ساتھ رہ کر کام سیکھا تھا۔ اس کاریگر کی مدد سے ہم نے ٹائپ تیار کرنے کے لئے انتظامات کئے اور حالانکہ یہ کاریگر

خود مر چکا ہے لیکن اپنی وفات سے پہلے اُس نے یہ فنّ چند اور ایسے لوگوں کو سکھا دیا تھا جو اب ٹائپ بنانے کے علاوہ ٹائپ کے سانچے بھی اس خوبی سے بناتے ہیں کہ یورپ کے کاریگر بھی اُن کے کام کو دیکھ کر دنگ رہ جائیں گے ۔

اُنھوں نے ہمارے لئے بنگالی کے دو یا تین مکمّل مجموعے ("FOUNTS") تیار کئے ہیں آیندہ کے لئے ہم یہ کوشش کر رہے ہیں کہ یہ ٹائپ اتنے چھوٹے ہو جائیں کہ نہ تو پڑھنے میں دقّت ہو اور نہ کاغذ زیادہ صرف ہو ۔ نیز یہ کہ کتاب کی ضخامت کم ہو جانے سے کتاب کی قیمت بھی کم ہو سکے ۔

ہم نے دیوناگری کے جو ٹائپ تیار کئے ہیں وہ ہندوستان میں سب سے خوبصورت مانے گئے ہیں ۔ اس میں تقریباً ایک ہزار مختلف جُز ہیں لہذا سانچے بنانے اور نمونے تیار کرنے ہی میں تقریباً ڈیڑھ ہزار روپے کی لاگت آ چکی ہے ۔ مزدوری اور سیسہ کی لاگت اس کے علاوہ ہے ۔

چونکہ اُوڑیہ زبان کے ٹائپ بھی ابھی تک نہیں بنے تھے اس لئے ہم نے اس زبان کے بھی مکمّل ٹائپ تیار کئے ہیں ۔ اس میں تقریباً تین سو مختلف جُز ہیں اور اس کی لاگت تقریباً ایک ہزار روپے آئی ہے ۔ یہ ٹائپ معمولی سائز کا ہونے کے باوجود اچھی طرح پڑھا جا سکتا ہے اور اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس ٹائپ کی ۴" × ۶" کی تقطیع پر مکمّل نیا عہد نامہ قریباً سات سو صفحوں پر مشتمل ہوگا ۔ یہ بنگالی نئے عہد نامہ سے ایک چوتھائی کم ہے ۔

مرہٹہ دیس میں تعلیم یافتہ لوگ دیوناگری حروف تہجی سے خوب اچھی طرح سے واقف ہیں ، مگر کاروباری پیشہ لوگوں میں ایک اور ہی رسم الخط رائج ہے ۔ یہ ناگری سے کئی صورتوں میں مختلف اور چھوٹا ہوتا ہے لیکن حروف کا شمار وغیرہ دونوں میں یکساں ہے ۔ ہم نے اس زبان کا ٹائپ تیار کر کے نئے عہد نامہ اور مرہٹی ڈکشنری کی چھپائی شروع کر دی ہے ۔ یہ ٹائپ گو متوسط درجہ کا ہے لیکن نہایت صاف اور خوبصورت ہے ۔ یقین ہے کہ اس ٹائپ میں چھپا ہوا نیا عہد نامہ اُوڑیہ سے بھی کم ضخامت کا ہوگا ۔ اس ٹائپ کی تیاری کا خرچ بھی تقریباً اُوڑیہ ٹائپ کے برابر ہی رہا ۔

اب ہم کو تین اور زبانوں کے ٹائپ کی ضرورت ہے ۔ ایک برجی ، دوسرا تلنگی اور تیسرا

گُورمکھی سکھوں کی زبان کا۔ اور پھر جب چینی زبان کا ٹائپ مکمل ہو جائے گا تو ہمارا تمام کام ختم ہو جائے گا۔

گزشتہ سال ہم کو آپ کی طرف سے ایک نہایت عُمدہ فارسی ٹائپ کا مجموعہ ملا۔" پنچانن کا شاگرد منوہر چالیس۴۰ سال تک مشن کے کام کے لئے اور فروخت کرنے کی غرض سے مشرق کی مختلف زبانوں کے ٹائپ تیار کرتا رہا اور اس طرح اُس نے مشرقی ادب اور مسیحی تہذیب کی جو خدمت کی اُس کا اندازہ وُہ خُود بھی کبھی نہ لگا سکا۔

۱۸۶۰ء تک کیری کا جاری کردہ سیرامپور کا ٹائپ تیار کرنے کا زمانہ مشرقی زبانوں کے ٹائپ بنانے کا سب سے بڑا مرکز رہا۔ مسٹر جان سی۔ مارشمین نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ سیرامپور نے دیوناگری کے جو ٹائپ ایک سَو پونڈ میں تیار کئے ہیں لندن کے ٹائپ بنانے والے سات سَو پونڈ میں اُس کے آدھے بھی تیار کر کے نہ دیتے۔

ملک چین کی بیس صدیوں کی تاریخ میں پہلی مرتبہ جو کتاب دھات کے ٹائپ سے چھپ کر تیار ہُوئی وُہ کیری کے ہم خدمت مارشمین کا اناجیل کا ترجمہ ہی تھا۔ یہ ملکِ چین کی ادبی تاریخ میں ایک نئے دَور کی ابتدا کا مُوجب ہُوا۔

پھر ٹائپ کے علاوہ مشن نے کاغذ کی ساخت کے سلسلہ میں بھی جو خدمت کی ہے وُہ بھی کچھ کم اہمیّت نہیں رکھتی۔ یہ ان مشنریوں ہی کی محنت کا نتیجہ تھا کہ "سیرامپور[۱]" کے نام سے جو کاغذ مشہُور ہُوا وُہ تمام مُلک میں استعمال ہو کر عام طور پر رائج ہو گیا۔ پہلی مرتبہ کیری نے بنگالی نئے عہد نامہ کے لئے جو کاغذ مجبُوراً استعمال کیا تھا وُہ بھدّا۔ کمزور اور ناہموار "پٹنہ کا کاغذ" تھا۔ اس کے بعد کیری کو کاغذ انگلستان سے منگوانا پڑا۔ اس میں بھی بہُت سی دُشواریاں پیش آئیں۔ اوّل تو یہ وقت پر دستیاب ہی نہ ہوتا تھا جس کی وجہ سے کام میں تاخیر ہوتی تھی۔ پھر اس کی قیمت بھی بہُت زیادہ تھی۔ دیسی کاغذ البتّہ آسانی اور افراط سے مِل سکتا تھا لیکن اس میں سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ چکنا کرنے کے لئے اُس پر چاول کا کلف دیا جاتا تھا جس کے سبب سے اُس کا کیڑوں کی دست بُرد سے بچنا محال تھا۔ ایسا اتفاق اکثر ہُوا کہ جو صفحے پہلے چھپ کر تیار ہو گئے تھے وُہ سب کے سب آخری صفحوں کے تیار ہونے سے پہلے ہی کیڑوں نے برباد کر دیئے۔ اسی وجہ سے کیری اپنے قلمی نسخے جس کاغذ پر لکھتا تھا اُس کو پہلے احتیاطاً سنکھیا کے پانی میں غوطہ دے کر سُکھا لیا کرتا تھا اس طریقہ سے کاغذ تو ضرور مَیلا اور زرد ہو جاتا تھا مگر اُس کو کِرم لگنے کا خوف نہ رہتا تھا۔

[۱] "serampore paper"

اگر کیری ایسا نہ کرتا تو آج سیرامپور کالج میں مختلف زبانوں کی ایک ڈکشنری کی پانچ ضخیم جلدیں موجود نہ ہوتیں جو خود ولیم کیری کے قلم سے لکھی ہوئی ہیں۔ یہ ڈکشنری کیری نے کتاب مقدس کے ترجمہ کی غرض سے تیار کی تھی۔ ہم اس ڈکشنری کے ایک صفحہ کا فوٹو مقابل میں شائع کرتے ہیں۔

غرضیکہ کیری نے کاغذ کی دقت کو حل کرنے کے لئے طرح طرح کے تجربات کئے اور آخر کار ایک مشین بھی ایجاد کی۔ یہ پاؤں سے چلائی جاتی تھی اور اس میں چالیس مزدور بیک وقت کام کر کے کاغذ بنانے کا مسالہ تیار کرتے تھے۔ اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی کیونکہ ایک حادثہ پیش آیا اور ایک مزدور اس چکی میں دب کر مر گیا۔ اس وجہ سے اس کو مزدوروں سے چلوانا بند کرنا پڑا۔

آخر مسٹر ولیم جونس (MR. WILLIAM JONES) نے صلاح دی کہ چکی کو چلانے کے لئے ایک انجن سے کام لیا جائے۔ لہٰذا انگلستان سے ایک بارہ گھوڑوں کی طاقت کا انجن بھی کیری نے منگوا کر نصب کیا۔ یہ ہندوستان میں آنے والا سب سے پہلا انجن تھا۔ بنگالیوں نے اس عجوبہ کو دیکھ کر اس کا نام "اگنی کل" یعنی آگ کی مشین رکھا اور دور دور سے لوگ اس کو دیکھنے کی غرض سے آنے لگے۔ ان زائرین میں چند یورپین بھی ہوتے تھے جنہوں نے ہندوستان میں مستقل سکونت اختیار کر لینے کی وجہ سے کبھی اپنی عمر میں بھاپ سے چلنے والا انجن نہ دیکھا تھا۔ غرضیکہ کیری کا انجن گیا تھا ایک تماشہ بنا ہوا تھا جس کی نمائش ہوا کرتی تھی۔ ظاہر ہے کہ شروع شروع میں اس انجن نے کیری کو ضرور بہت تکلیف دی ہوگی کیونکہ ۲۷ مارچ سنہ ۱۸۲۰ء کو اس کی ڈائری (DIARY) میں یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں:

"آج انجن درحقیقت چلا!!!"

اس دن سے ۱۸۶۵ء تک ولایتی کاغذ اور دیسی ہاتھ کے بنے ہوئے کاغذ کے علاوہ ہندوستان کی تمام کاغذ کی ضروریات کیری ہی کے کارخانہ سے مہیا کی گئیں۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ ۱۸۵۷ء میں ہندوستانی فوج میں ایک خاص قسم کے کاغذ میں گولیوں کو لپیٹنے کے خلاف شدید بے چینی پھیل گئی تھی۔ ہندوستان میں آج تک وہ واقعہ "غدر" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ یہ کاغذ بھی اسی مشین سے تیار کیا گیا تھا جو کیری نے سیرامپور میں نصب کی تھی۔ لیکن اس سے بہت عرصہ پہلے ہی یہ مشین سیرامپور مشن کے ہاتھ سے نکل چکی تھی

اٹھارھواں باب

کتابِ مُقدّس کے ترجمے

دُنیا کی کوئی اصلاح کبھی ایک ہی شخص کی ممنُونِ احسان نہیں ہُوئی - تاہم ہر اصلاح کا اصل بانی ہمیشہ ایک فردِ واحد ہی ہوتا ہے - یہ شخص عوام سے مختلف ہوتا ہے جس کے دل میں ایک ایسی نئی بات پیدا ہوتی ہے جو اُس کے ہمعصروں تک نہیں پہنچتی - یہ شخص دیگر امُور میں عوام سے خواہ کتنا ہی مِلتا جُلتا کیوں نہ ہو اور اُس کے خیالات زمانہ کے حالات کے بموجب رائے عامّہ سے کتنے ہی موافق کیوں نہ ہوں لیکن ایک خاص بات اُس کے اندر ایسی پائی جاتی ہے جو اُس کو دُوسروں سے مختلف بنا دیتی ہے - سب سے پہلے اُس کے دل میں ایک انوکھا خیال یا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہ فردِ واحد اُس نئے خیال اور جذبہ کو لے کر اپنا کام شرُوع کرتا ہے - یہ مُصلح سب سے پہلے اُن کو اپنا ہمخیال بنانے کی کوشش کرتا ہے جو اُس کے قریب ہوتے ہیں اور اس طرح بتدریج اپنے دائرۂ اثر کو وسیع کرتا ہُوا کامیابی کی منزلیں طے کرتا چلا جاتا ہے - اُس کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن وُہ استقلال سے کام لیتا ہے - قدم قدم پر ناکامیابی کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے لیکن وُہ ثابت قدمی سے اپنی راہ کی تمام رُکاوٹوں کو دُور کرتا ہُوا روز بروز آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور آخر کار نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس اکیلے شخص کی شرُوع کی ہُوئی تحریک سے کُل سوسائٹی پر اثر پڑتا ہے اور جب کثرتِ رائے اُس کے موافق ہو جاتی ہے تو جس اصلاح کی خاطر اُس نے تن تنہا کوشش شرُوع کی تھی اُس کو رائے عامّہ اصُولِ عامّہ بنا دیتی ہے اور یُوں اصلاح خُود بخُود رائج ہو جاتی ہے۔

اصلاح خواہ کسی رواج - رسم - مذہب - مِلّت قوم یا زمانہ سے متعلّق ہو مگر یہ زرّیں بالا اصُول ہر حالت میں قائم رہتا ہے - چنانچہ اگر ایک طرف تبلیغِ مذہب کا دلدادہ ولیم کیری تبلیغ کا عَلَم لے کر میدان میں آیا اور اُن ہی اصُولوں کے ماتحت کام کر گیا تو دُوسری طرف تبلیغی انجمنوں کا مخالف اور دینِ عیسوی کی اشاعت کا دُشمن ٹامس کلارکسن (THOMAS

(CLARKSON) بھی اُن ہی اصُولوں کے مطابق اپنی کوششوں کو صَرف کر گیا - اگر دُنیا کو فتح کرنے کے خواب دیکھنے والا نپولین بوناپارٹ (NAPOLEON BOUNAPARTE) ان اصُولوں پر کاربند رہا تو اُس کو نیچا دکھانے والا ڈیوک آف ولنگٹن (DUKE OF WELLINGTON) بھی انھی اصُولوں کا حلقہ بگوش رہا -

(مزدل سیری کیا ہے)

اپنے زمانہ میں کیری ہی کی وہ ہستی تھی جس کے دل میں یہ خیال پیدا ہُوا کہ کُل عالم کو انجیل کی بشارت پہنچانا مسیحی کلیسیا کا فرض ہے - لیکن اس مقصد کی حصُول کے لئے کیری نے جو طریقۂ کار اختیار کیا وہ بالکل نرالا اور سب سے جُدا تھا - اُس کا یہ کہنا تھا کہ جس مُلک کے باشندوں کو انجیل سُنائی جائے اُس مُلک کی زبان میں انجیل کا ترجمہ بھی ہونا ضرُوری ہے - کیری کے نقطۂ نظر سے انجیل کا محض پیغام سُنا دینا ہی کافی نہ تھا بلکہ زبانی تقریر کے ساتھ تحریری کلام پیش کرنا بھی ازبس لازمی تھا -

جب کیری اٹھارہ برس کا تھا اور ایک دُور اُفتادہ گاؤں میں موچی کا کام کرتا تھا تو اُسی زمانہ میں اُس کا یہ خیال پُختہ ہو چُکا تھا کہ انجیل کا پیغام غیر اقوام تک پہنچایا جائے -

(اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس وقت کے ایک سال بعد ہی دُنیا کی سب سے پہلی بائبل سوسائٹی (BIBLE SOCIETY) کی بُنیاد ڈالی گئی - لیکن اس سوسائٹی کا مقصد محض یہ تھا کہ برطانیہ کے فوجی سپاہیوں اور بحری بیڑے کے ملّاحوں وغیرہ میں انگریزی بائبل کی اشاعت کی جائے - گویا ایک محدُود مقصد کو لے کر یہ سوسائٹی قائم ہوئی تھی، لیکن یہ فخر ولیم کیری ہی کو حاصل ہے کہ پچیس ۲۵ سال بعد اُس کی کوششوں سے ۱۸۰۴ء میں مشہُور و معرُوف "برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی" (BRITISH AND FOREIGN BIBLE SOCIETY) کی داغ بیل رکھی گئی - یہ سوسائٹی اب تک قائم ہے اور اس نے پاک کلام کی اشاعت کے لئے جو عظیم خدمات انجام دی ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں) -

اوائل عمر ہی سے کیری نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ کتاب مقدس ایک ایسی کتاب ہے جو اپنے پیغام کو خود بڑی خُوبی کے ساتھ پیش کر سکتی ہے - اور واقعی یہ درست بھی ہے کہ اس پیغام ربّانی کو انسانی وکیلوں کی ضرورت نہیں ہے - ایسے ہی خیالات کے پیشِ نظر کیری نے چھوٹی عمر میں ہی ہر صُبح کتاب مُقدّس کا ایک باب پڑھ کر اپنے روزمرّہ کے

کام کو شروع کرنا اپنا اصول بنا لیا تھا۔ ایک عرصہ تک وُہ اس روزانہ باب کی تلاوت
صرف انگریزی زبان میں کرتا رہا لیکن رفتہ رفتہ اُس نے غیر زبانوں پر اس قدر عبور حاصل
کر لیا تھا کہ اس درجہ کو چھ ۶ مختلف زبانوں میں پڑھنے لگا۔ یہ ہم دیکھ ہی چکے ہیں کہ کیری
نے یہ تمام زبانیں اپنے فرصت کے وقت میں خود ہی سیکھی تھیں۔

جس شخص کے دل میں زباندانی کا اس قدر شوق اور غیر زبانیں حاصل کرنے کا اتنا
ملکہ ہو اُس کے لئے بنگالی زبان میں مہارتِ تامہ حاصل کر لینا کوئی بات ہی نہ تھی۔ اور یہ
بھی کوئی تعجب کی بات نہ تھی کہ ۱۷۹۳ء ہی میں اُس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ ساری کی
ساری بائبل کو بنگالی زبان میں ترجمہ کرے گا۔ یہ بھی کوئی حیرت کا مقام نہ تھا کہ کیری جیسے
زباندان کا نصب العین یہ ہو کہ پاک کلام کو ہندوستان کی خاص خاص زبانوں میں اور
مشرق کی دیگر مختلف زبانوں میں ترجمہ کرے، اور یہی کیری کا واحد مقصد بھی تھا۔

جہاں تک کیری کے زمانہ کے حالات نے اجازت دی اُس نے ہر ممکن طریقہ پر
ہندوستان کی خدمت انجام دی۔ اُس نے وعظ کے ذریعہ تعلیم دی۔ اُس نے مدرسوں
اور کالجوں میں خدمت کی۔ اُس کے متعدد شاگرد بھی تھے جن کی رُوحانی فلاح و بہبود کے
لئے وُہ ہمیشہ کوشاں رہا کرتا تھا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود کیری کی نظر میں سب سے
اہم کام یہ تھا کہ بائبل کا ترجمہ ہو جائے۔ اُس کا ہر فعل اس ایک ضرورت کو پُورا کرنے کے
راستے میں ایک قدم تھا۔ اُس کا کہنا تھا کہ اگر ایشیا کے کروڑوں غیر اقوام کے درمیان
انجیل کے پیغام کو کارآمد اور مؤثر بنانا مقصود ہے تو اُن کی مادری زبانوں میں اُن تک خُدا
کے کلام کو بھی پہنچانا ہوگا۔

اسی طرح وکلف (WYCLIF) نے انگریزی زبان بولنے والوں کی خدمت کی تھی
جبکہ اُس نے لاطینی زبان سے پہلی مرتبہ انگریزی میں کتابِ مُقدّس کا ترجمہ کیا تھا۔ تاریخ
اس امر کی شاہد ہے کہ وکلف کی اس خدمت کا اثر محض انگلستان تک ہی محدُود نہ رہا
بلکہ تمام مغربی ممالک میں جا پہنچا اور اُس نے یورپ کی سیاست اور تمدن میں ہی
ایک انقلاب برپا نہ کیا بلکہ آخرکار تمام دُنیا میں پھیل گیا۔

وکلف کے بعد ایرازمس (ERASMUS) پیدا ہوا جس نے نئے عہد نامہ کے
ترجمہ کے علاوہ پاک کلام کی ایک تفسیر بھی شائع کی۔ اس تفسیر کا عجیب و غریب نام ہی

ایرازمس کے مُدعا کی وُسعت کو ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی تصنیف کو "عورتوں اور موچیوں، مسخروں اور کاریگروں اور حتّیٰ کہ ترکوں کے لئے بھی"[1] بتاتا ہے۔ ایرازمس سوسائٹی کے کسی طبقہ کو بھی خُدا کی اس عظیم نعمت سے محروم رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اپنے ہمعصروں کو ایرازمس کی تلقین یہی تھی کہ کلام کا ترجمہ دُنیا کی ہر زبان میں ہو جانا چاہیئے۔ ایرازمس ہی کے ترجمہ کو استعمال کرتے ہوئے اُس کے بعد مارٹن لُوتھر (MARTIN LUTHER) نے اپنی مادری زبان میں کلام کا ترجمہ کیا۔

انگریزوں کو عبرانی اور یُونانی زبانوں سے کتاب مُقدّس ٹِنڈل (TYNDALE) نے دی۔ اور آج ٹنڈیل کے اس انگریزی ترجمہ کو پڑھنے والے ایک موچی کی بدولت جنوبی اور مشرقی ایشیا کے بسنے والے اپنی اپنی مادری زبانوں میں اس کلام کو پڑھ سکتے ہیں۔

بائبل کے ترجمہ کا جو کام کیری نے کیا ہے اُس کے متعلق رسالوں۔ تقریروں۔ اخباروں۔ نجی خط و کتابت اور گفتگو وغیرہ میں اکثر ذکر آتا رہتا ہے۔ اس طرح ڈیڑھ صدی کی حاشیہ آرائی کی وجہ سے ان بیانات میں مبالغہ اور غلط بیانی کا ایک جزو بھی شامل ہو گیا ہے۔ اس امر کے متعلق لوگوں میں جو عام رائے پائی جاتی ہے وہ بہت کچھ ایسے ہی "خیر خواہان" کے واہمہ کا نتیجہ ہے جس میں سے اصلیّت کو ڈھونڈھ کر علیحدہ کر لینا آسان نہیں۔ **کیری** خود ہمیشہ یہی کہا کرتا تھا کہ مَیں تو محض دُوسروں کے لئے راستہ تیار کر رہا ہوں۔ کیری کی دلی خواہش یہی تھی کہ اُس کے بعد ہندوستانی کلیسیا ہی میں سے ٹنڈیل اور لُوتھر پیدا ہوں۔ کیری نے خود کبھی اس بات کا دعوےٰ نہیں کیا کہ اُس نے کتنے ترجمے کئے بلکہ جب اُس کے علم میں یہ بات آئی کہ لوگ کہتے ہیں کہ کیری نے چالیس[40] زبانوں میں بائبل کا ترجمہ کیا ہے تو کیری نے اس خبر پر افسوس ظاہر کیا۔ عوام میں کیری کے تراجم کی جو فہرست زبان زد عام ہے اُس کو ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں :-

---

1. "paraphrase of the Word for Women and Cobblers, clowns and Mechanics and even for the Turks.

۱ - نیا اور پرانا عہد نامہ :-

بزبان بنگالی ۱۸۰۲ء میں
" اُوڑیہ ۱۸۱۱ء میں
" آسامی ۱۸۱۵-۱۹ء میں

بزبان سنسکرت ۱۸۰۸ء میں
" ہندی ۱۸۰۹-۱۱ء میں
" مرہٹی ۱۸۱۱ء میں

۲ - صرف نیا عہد نامہ :-

بزبان مگدھی ۱۸۲۴ء میں
" کھاسی ۱۸۲۴ء میں
" منی پوری ۱۸۱۴-۲۴ء میں
" برج بھاشا ۱۸۲۲-۳۲ء میں
" قنوجی ۱۸۱۵-۲۲ء میں
" اودے پوری ۱۸۲۲ء میں
" جے پوری ۱۸۱۵ء میں
" بھگیلی ۱۸۲۱ء میں
" مارواڑی ۱۸۲۱ء میں
" ہراوتی ۱۸۲۲ء میں
" بیکانیری ۱۸۲۳ء میں

بزبان اُجینی ۱۸۲۳ء میں
" بھٹی ۱۸۲۴ء میں
" پلپہ ۱۸۳۲ء میں
" کماؤنی ۱۸۲۶ء میں
" گڑھوالی ۱۸۳۲ء میں
" نیپالی ۱۸۲۱ء میں
" گجراتی ۱۸۲۰ء میں
" ملتانی ۱۸۱۹ء میں
" ڈوگری ۱۸۲۰-۲۶ء میں
" کناری ۱۸۲۲ء میں

۳ - مکمل نیا عہد نامہ اور پرانے عہد نامہ کے چند حصص :-

بزبان کونکانی (موسیٰ کی پانچ کتابیں) ۱۸۱۹ء میں ۔
بزبان پنجابی (موسیٰ کی پانچ کتابیں اور تواریخ کی دونوں کتابیں) ۱۸۱۵ء میں ۔
" کشمیری (پیدائش سے سلاطین کی دوسری کتاب تک) ۱۸۲۰ء میں ۔
" پشتو (تواریخ کی دونوں کتابیں) ۱۸۱۹ء میں ۔
" تلنگو (موسیٰ کی پانچ کتابیں) ۱۸۱۸ء میں ۔

۴ - نئے عہد نامہ کے چند حصص :-

بزبان کھسانی (متی کی انجیل) ۱۸۲۰ء میں ۔

بزبان سندھی (متی کی انجیل) ۱۸۲۵ء میں۔

" بلوچی (تین۳ اناجیل متی - مرقس اور لوقا) ۱۸۱۵ء میں۔

" مالدیپی (اناجیل اربعہ) ۱۸۲۲ء میں۔

علاوہ بریں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کیری نے دوسروں کے کئے ہوئے مندرجہ ذیل تراجم کی نظرثانی کر کے اُن کو بھی شائع کیا:۔

فارسی	چینی (ڈاکٹر مارشمین کا ترجمہ)
ہندوستانی	جاوانی
ملیالم	ملیائی
سنگھائی	برمی (صرف متی کی انجیل)

مندرجہ بالا بیانات کے باوجود ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ سموایل پیئرس کیری (SAMUEL PEARCE CAREY) صاحب نے اپنی کتاب میں اپنے جدِّامجد ولیم کیری کے بائبل تراجم کی جو فہرست دی ہے وُہ زیادہ قرین قیاس ہے اور ہم اُس کو ناظرین کی سہولت کے لئے بجنسہٖ نقل کرتے ہیں:۔

ولیم کیری کے بائبل تراجم کی فہرست

سنہ اشاعت	نیا عہد نامہ	پُرانا عہد نامہ			
		موسیٰ کی پانچ کتابیں	تواریخی کتابیں	صحائف انبیاء	دیگر کتب مقدّسہ
۱۸۰۱ء	بنگالی	-	-	-	-
۱۸۰۲ء	-	بنگالی	-	-	-
۱۸۰۳ء	-	-	-	-	بنگالی
۱۸۰۷ء	-	-	-	بنگالی	-
۱۸۰۸ء	سنسکرت	-	-	-	-
۱۸۰۹ء	اُڑیہ	-	بنگالی	-	-
۱۸۱۱ء	ہندی اور مرہٹی	سنسکرت	-	اُوڑیہ	اُڑیہ

سنہ اشاعت	نیا عہد نامہ	پرانا عہد نامہ			
		موسیٰ کی پانچ کتابیں	تواریخی کتابیں	صحائف انبیاء	دیگر کتب مقدسہ
۱۸۱۲ء	سیرامپور کی مشہور آتش زدگی (دیکھو بیسواں باب)				
۱۸۱۳ء	-	ہندی اور مرہٹی	-	-	-
۱۸۱۴ء	-	-	اُوڑیہ		-
۱۸۱۵ء	پنجابی اور بلوچی (اناجیل متی مرقس اور لوقا)	اُوڑیہ	سنسکرت	-	-
۱۸۱۶ء	راجستھانی یعنی میواڑی (متی کی انجیل)	-	مرہٹی	-	-
۱۸۱۷ء	-	پنجابی	-	-	-
۱۸۱۸ء	تلنگو - مرہٹی - کونکانی اور پشتو	-	ہندی	ہندی	مرہٹی اور سنسکرت
۱۸۱۹ء	آسامی اور ہنڈرہ	-	پنجابی	مرہٹی اور سنسکرت	-
۱۸۲۰ء	گجراتی - راجستھانی یعنی بیکانیری - ہندی - اودھی (متی کی انجیل)	-	-	-	-
۱۸۲۱ء	کشمیری - پہاڑی یعنی نیپالی ہندی بگھیلی اور راجستھانی یعنی مارواڑی	تلنگو - مرہٹی کونکانی	-	-	-
۱۸۲۲ء	راجستھانی یعنی ہراوتی اور ہندی - قنوجی	آسامی	-	-	-
۱۸۲۳ء	کناری اور راجستھانی یعنی جے پوری (متی کی انجیل)	-	-	-	-
۱۸۲۴ء	-	پشتو	-	-	-

سنہ اشاعت	نیا عہد نامہ	پرانا عہد نامہ: موسیٰ کی پانچ کتابیں	تواریخی کتابیں	صحائف انبیاء	دیگر کتب مقدسہ
۱۸۲۵ء	پہاڑی یعنی کماؤنی (افسیوں کے خط تک) اور سندھی (متی کی انجیل)	-	-	-	-
۱۸۲۶ء	پنجابی - ڈوگری - بھٹنیری بہاری مگدھی اور راجستھانی یعنی مالوہ کی زبان	-	-	پنجابی (حزقی ایل تک)	-
۱۸۲۷ء	ہندی (برج بھاشا) پہاڑی یعنی گڑھوالی - منی پوری اور پہاڑی یعنی پلپہ	-	-	-	-
۱۸۳۱ء	کھاسی	-	-	-	-
۱۸۳۲ء	-	-	آسامی پشتو اور کشمیری (۲ سلاطین تک)	-	-
۱۸۳۳ء	-	-	-	آسامی	آسامی

اس فہرست کو صحیح طور پر سمجھنے اور ہمارے ہیرو کی اس عظیم خدمت کی وُسعت کا اندازہ لگانے کے لئے اُس نقشہ پر غور فرمایئے جو ہم ذیل میں شائع کرتے ہیں - اس نقشہ میں ان تمام اضلاع پر مختلف نشانات لگا دیئے گئے ہیں جہاں کی زبانوں میں کیری نے بائبل یا اُس کے کسی حصہ کا ترجمہ کیا ہے۔

کیری کو شب و روز یہی دُھن لگی رہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح خُدا کا کلام کروڑوں غیر اقوام تک پہنچ جائے - اس مضمون پر وُہ ڈاکٹر رائیلینڈ (RYLAND) سے خط و کتابت کیا کرتا تھا۔ کیری کے ان خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ وُہ کس قدر تندہی سے کام کرنے اور محنت وجانفشانی سے خدمت کرنے کا عادی تھا۔ مندرجہ ذیل خط سے اُس کے اس انتہائی

جوش اور شوق کا اظہار ہوتا ہے۔

کلکتہ مؤرخہ ۴ دسمبر ۱۸۰۳ء

"کچھ عرصہ ہُوا کہ ہم سب نے مِل کر ایک کام شروع کیا اور ہم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اس کے متعلق کسی سے ذکر تک نہ کریں گے جب تک کہ یہ مکمّل نہ ہو جائے گا۔ مگر چند ایسے واقعات رُونما ہو گئے ہیں جن کی وجہ سے ہم کو یہ بات ظاہر کرنی ہی پڑی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ تقریباً ڈیڑھ سال ہُوا ہم نے کوشش کی تھی کہ مسٹر گلکرائیسٹ (MR. GILCHRIST) کے ذریعہ ہندوستانی میں بائبل کا ترجمہ کرایا جائے مگر کئی وجوہ کی بنا پر اس میں ہم ناکامیاب رہے اور یہ تجویز ملتوی ہوتی چلی گئی۔ اُسی زمانہ میں فارسی کے متعلق بھی گفتگو ہُوئی تھی مگر یہ خیال بھی ترک کرنا پڑا اور اُس وقت کوئی کام شروع نہ کیا جا سکا۔ چند امُور ایسے تھے جن کی بنا پر ہم نے ارادہ کیا کہ ہم لوگ خود ہی مِلکر بائبل کا ترجمہ ان زبانوں میں کریں لیکن مصلحت اس میں تھی کہ ہم اس کام کی اطلاع کسی کو نہ دیں۔ چنانچہ ہم نے اپنی امداد کے لئے دو منشی ملازم رکھے اور ہم میں سے ہر ایک نے کوئی نہ کوئی کام اپنے ذمّہ لے لیا۔ بھائی مارشمین (MARSHMAN) نے متّی کی انجیل اور لُوقا کی انجیل لی۔ بھائی وارڈ (WARD) نے مرقس اور یُوحنّا کی اناجیل۔ مَیں نے خود نئے عہد نامہ کا باقی حصّہ اپنے ذمّہ لے لیا۔ فارسی کا کوئی حصّہ میرے سپُرد نہیں ہُوا مگر اس کے بدلے مَیں نے مہاراشٹری زبان میں (جس کو عام طور پر مرہٹّی بھی کہتے ہیں) ترجمہ کرنا شروع کر دیا۔ بھائی مارشمین نے متّی کی انجیل ختم کر کے بجائے لُوقا کی انجیل لینے کے اعمال کی کتاب کا ترجمہ شروع کر دیا اور بھائی وارڈ نے بھی یُوحنّا کی انجیل کا ایک خاطر خواہ حصّہ ترجمہ کر لیا۔ مَیں نے تمام خطوط مکمّل کرنے کے بعد مکاشفات کے چھ باب ترجمہ کر لئے۔ اس کے علاوہ خطوط میں بھی میں کرنتھیوں کے دُوسرے خط تک پہنچ گیا۔ پھر اُنہوں نے چند ابواب فارسی میں ترجمہ کر لئے، اور مَیں نے چند باب مرہٹّی میں۔

آج سے چند روز پیشتر کام کی رفتار یہ تھی۔ اُس دن مسٹر بکانن (MR. BUCHANAN) نے مجھے خبر دی کہ کسی فوجی افسر نے چاروں اناجیل کا ترجمہ ہندوستانی اور فارسی زبانوں میں کر کے اپنے نسخہ کو کالج کی نذر کر دیا ہے اور ہمیں یہ بھی بتایا کہ کالج کی کونسل نے اُس کی طباعت کے لئے رقم بھی منظور کر لی ہے۔ اس صُورت میں مجھے

بھی بتانا ہی پڑا کہ ہم کیا کچھ کر رہے تھے۔ اگر یہ صورت پیدا نہ ہو جاتی تو ہم کسی کو اس کا علم نہ ہونے دیتے جب تک کہ مکمل نیا عہد نامہ چھپ کر تیار نہ ہو جاتا۔ مجھے یہ سُن کر بڑی مسرّت ہوئی کہ میجر کولبروک (MAJOR COLEBROOKE) نے یہ کام کر لیا ہے۔ ہم خوشی سے وُہ خدمت کرنے کو تیار ہیں جو دُوسرے نہ کریں اور جو لوگ اس خدمت میں مصروف ہیں اُن کے لئے ہماری دُعا ہے کہ وُہ جلد اس میں کامیاب ہو جائیں۔

اگر مالی حالات نے اجازت دی تو ہم ارادہ کرتے ہیں کہ پندرہ سال کے اندر خُدا کے کلام کو مشرق کی تمام زبانوں میں ترجمہ کر کے شائع کر دیں گے۔

ہم ایک ایسی جگہ پر سکونت پذیر ہیں جہاں مختلف ممالک کے باشندوں کی بہترین امداد ہم کو مل سکتی ہے۔ اور ہم یہاں ہر قسم کے ٹائپ بھی تیار کر سکتے ہیں۔ اگر ہم کو تقریباً سات سَو روپے ماہوار مل جائیں (اور ہم خُود بھی اس میں سے کچھ فراہم کرنے کو تیار رہیں) تو یقیناً ہم اس کام کو پُورا کر لیں گے۔ بہرحال جن زبانوں میں ترجمہ کرنا ہے وُہ حسب ذیل ہیں:۔

ہندوستانی (ہندی)	برمی
پارسٹری (مرہٹی)	چینی
اُوڑیہ	کوچین چینی
تلنگا	ٹانگ کینی اور
بھوٹانی	ملبائی

یہ ہے وُہ عظیم مقصد جو ہمارے پیشِ نظر ہے۔ سردست ہم وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں اس مقصد میں کس حد تک کامیابی ہوگی"۔

ترجمہ کے کام میں کیری کو بہت سی خاص سہولتیں حاصل تھیں۔ ایک تو یہ کہ وُہ خُود ایک بلند پایہ زباندان تھا۔ پھر اُس کے پیشِ نظر ایک دینی مقصد تھا جس کی طرف صبر و استقلال سے بڑھتے رہنا وُہ اپنا فرضِ اوّلین سمجھتا تھا۔ اُس کے ساتھی بھی ہر شعبہ میں اُس کی مدد کرنے کو نہ صرف تیار رہتے تھے بلکہ اُس کے ہم خدمت ہونے

کے اہل بھی تھے۔ وُہ ہمیشہ اُس کا ہاتھ بٹاتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ نہ صرف عوام نے بلکہ ادبی نکتہ شناسوں نے بھی کیری کی قدر کی اور اُس کی ہمّت افزائی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ فورٹ ولیم کالج (FORT WILLIAM COLLEGE) نے جو پنڈت اور مُنشی تیار کئے وُہ بھی ہمیشہ اُس کی امداد کرنے کو مُستعد رہے۔ لیکن یہ تمام سہولتیں قطعی بیکار ثابت ہوتیں اور مشرق کے دروازے کتاب مقدس کے لئے ہمیشہ بند ہی رہتے اگر علم کی کُنجی یعنی سنسکرت زبان کیری کے ہاتھ نہ لگتی۔

اپنی سنسکرت گرامر کی تمہید میں کیری نے خُود ہی کہا ہے کہ "ہندوستان کی مختلف زبانوں کے ہر پانچ الفاظ میں سے چار کے معنی اس کو اس ایک زبان کے ذریعہ ملے" "ان زبانوں کی خُوبی یہ ہے کہ ان کی صرف و نحو نرالی ہے مگر تقریباً دو ماہ کے قلیل عرصہ میں کافی طور پر سمجھ میں آجاتی ہے۔ اس کے بعد تمام زبانیں بالکل آسان ہو جاتی ہیں۔ اگر پانچ الفاظ میں سے چار کے معنی معلوم ہوں تو میرے لئے کوئی نئی زبان پڑھنا دُشوار نہیں ہوتا کیونکہ باقی ماندہ الفاظ اور محاورات کے معنی دریافت کرنا کوئی مُشکل کام نہیں بلکہ ایک دلچسپ مشغلہ بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اُوڑیہ زبان کو ہی لیجئے۔ اس کی گرامر بھی علیحدہ ہے اور حروف تہجّی بھی جُدا۔ لیکن پھر بھی یہ بنگالی سے اس قدر ملتی جُلتی ہے کہ ایک بنگالی پنڈت اُوڑیہ زبان کے پروف آسانی سے پڑھ کر اصلاح کر سکتا ہے۔ جب میں نے پہلی مرتبہ گجراتی کا ایک صفحہ پڑھا تو میں اُس کے معنی اتنی اچھی طرح سمجھ گیا کہ پنڈت سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ ہوئی۔"

اپنے ترجمہ کے کام کی نسبت ڈاکٹر رائیلینڈ کو کیری اس طرح خط لکھتا ہے:۔

مؤرخہ ۲۲ جنوری ۱۸۰۸ء

گذشتہ سال اس مشن کے لئے ایک خاص اہمیّت کا سال تھا۔ اس لئے نہیں کہ اس سال بہت سے لوگ مسیحی ہوئے کیونکہ ایسے لوگوں کا شمار تو گذشتہ چند سال سے کم ہی رہا۔ بلکہ اس کی اہمیّت اس وجہ سے زیادہ ہے کہ خُداوند نے ہم پر اپنا فضل و کرم اور احسان کر کے ہماری خاص امداد کی ہے۔ ہم کو یہ توفیق عنایت ہُوئی ہے کہ ہم کئی زبانوں میں کلام کا ترجمہ شائع کریں۔

اس وقت چھ مختلف زبانوں کے ترجمے زیر طباعت ہیں اور چھ دیگر زبانوں

میں ترجمے کا کام زیرِ تکمیل ہے۔

بنگالی کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے سوائے قاضیوں کے ساتویں باب سے آستر کی کتاب کے آخر تک۔

سنسکرت کا نیا عہدنامہ اعمال کی کتاب کے ستائیسویں[۲۷] باب تک چھپ چکا ہے۔

اڑیہ میں یوحنا کے اکیسویں باب تک طباعت ختم ہو چکی ہے۔

مرہٹی زبان میں نئے عہدنامہ کی دوسری اشاعت چھپ رہی ہے جس میں متی کی انجیل چھپ کر تیار بھی ہو گئی ہے۔

ہندوستانی کا نیا ترجمہ مرقس کی انجیل کے پانچویں باب تک چھپ گیا ہے۔

گجراتی میں متی کی انجیل شروع کر دی گئی ہے۔

چینی۔ تلنگا۔ کرناٹکی۔ اور گورکھی زبانوں میں تقریباً یوحنا کی انجیل کے آخر تک ہو چکا ہے۔

اسی طرح فارسی کے ترجمہ کا کام بھی کافی ترقی کر چکا ہے۔

برمی زبان میں بھی ترجمہ شروع کر دیا گیا ہے۔

چند سال ہوئے بٹاویہ (BATAVIA) میں مکمل بائبل کا ترجمہ ملیائی زبان میں چھاپا گیا تھا۔ اب تامل زبان میں بھی مکمل چھپ چکا ہے۔ اس کے علاوہ ٹراونکور کے بشپ صاحب کے زیرِ اہتمام اس وقت سریانی زبان سے ملیالم زبان میں ترجمہ ہو رہا ہے۔

مجھے اسی ہفتہ معلوم ہوا کہ کشمیری بھی ایک بالکل الگ زبان ہے۔"

سیرامپور کے تمام مشنریوں میں سے کیری ہی ایک ایسا شخص تھا جس کے لئے یہ نہایت ضروری تھا کہ اُس کو کوئی ایسا قابل جانشین مل جائے جو اُس کے بعد اُس کے ترجمہ کے کام کو جاری رکھے اور دیگر تحریری کاموں میں اُس کا لائق جانشین ثابت ہو۔ خوش قسمتی سے ولیم ییٹس (WILLIAM YETES) نامی ایک نوجوان جو ہمہ صفت موصوف تھا اُس کو دستیاب ہو گیا۔

ییٹس ۱۷۹۲ء میں لیسٹر شائر (LIECESTERSHIRE) کے علاقہ میں پیدا ہوا تھا خیال کرنے کا مقام ہے کہ نہ صرف یہ وہی علاقہ ہے جہاں کیری نے بپٹسٹ مشن کی بنیاد ڈالی

تھی بلکہ وُہی سال بھی ہے جبکہ اس عظیم تبلیغی انجمن کی داغ بیل رکھی گئی تھی۔ ہیٹس بھی کیری کی طرح موچی ہی تھا، اور کیری کی کلیسیا کا ممبر رہ چکا تھا جب یہ کلیسیا بزرگ رابرٹ ہال (ROBERT HALL) صاحب کی نگرانی میں تھی۔ رابرٹ ہال صاحب نے ہیٹس کے والد کے سامنے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ "جناب آپ کا فرزند ایک بلند پایہ عالم اور عمدہ واعظ بنے گا کیونکہ وُہ ایک راست باز نوجوان اور ہونہار لڑکا ہے۔" رائیلینڈ اور فلر (FULLER) اور ہال صاحبان نے ایک ساتھ مل کر ۱۸۱۴ء میں ہیٹس ہی کی آخری تقرری کی رسم ادا کی کیونکہ اس واقعہ کے تھوڑا ہی عرصہ بعد ان بزرگوں میں سے فلر صاحب کا انتقال ہوگیا۔

اگر کیری ہندوستان کی زبانوں میں بائبل کا وِکلف یا ٹنڈیل تھا تو ہیٹس کو بلا مبالغہ ان کا کورڈیل (COVERDALE) کہا جاسکتا ہے۔ وینگر (WENGER) ان دونوں کا لائق جانشین ثابت ہُوا۔ اب ہندوستان اُس دن کا انتظار کر رہا ہے جبکہ اہلِ ہند ہی اُس عظیم کام کی نظرثانی کریں گے، جن کو ان بزرگ ہستیوں نے اس درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ وُہ وقت کب آئے گا جبکہ ہندوستان خود اپنا ٹنڈیل پیدا کر کے دکھائے گا؟

بائبل کے ان متعدد تراجم میں سے جو کیری نے یا تو خود کئے یا جن کی اشاعت میں اُس نے کوئی نہ کوئی نمایاں حصّہ لیا اس کی بنگالی بائبل سب سے پہلی اور سب سے اہم تھی۔ اُس زمانہ میں صوبۂ بنگال رقبہ میں تقریباً ملکِ فرانس (FRANCE) کے برابر تھا مگر آبادی اُس کی فرانس سے دوگنی تھی۔ ان میں سے نصف بنگالی زبان بولتے تھے (جن میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہیں)۔ اس کے علاوہ اُڑیسہ کے علاقہ کے تقریباً چھ لاکھ ہندو اُڑیہ بولتے تھے۔ آج بنگالی بولنے والے نہ صرف صُوبۂ بنگال میں پائے جاتے ہیں بلکہ دکن تک پھیلے ہُوئے ہیں۔ یہ لوگ تعداد میں بھی فرانسیسی قوم کے برابر ہو گئے ہیں۔ ان کروڑوں رُوحوں کے لئے ولیم کیری نے آج سے ڈیڑھ صدی پیشتر ایک ادبی زبان پیدا کر کے ان پر جو احسان کیا اُس کے بارے سے یہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

۱۷۹۶ء سے پہلے ہی کیری نے اصل یُونانی زبان سے بنگالی میں پُورے نئے عہدنامہ کا ترجمہ مکمل کر لیا تھا۔ اس ترجمہ میں اُس نے صرف ایک تفسیر سے کام لیا جو ۱۷۷۳ء میں شائع ہُوئی تھی۔ کیری نے اس ترجمہ کی چار مرتبہ نظرثانی کی جس میں اُس کو نہ صرف قدیم بنگال

کے بہترین عالم رام رام باسو کی امداد ہی ملی بلکہ ہر طبقہ اور ہر ذہنیت کے لوگوں سے اُس نے کچھ نہ کچھ مدد حاصل کی۔

سنہ ۱۸۰۰ء میں وارڈ بھی آ چکا تھا اور سیرامپور کا پریس بھی مکمل ہو چکا تھا۔ سات سال کی محنت کا نتیجہ فروری سنہ ۱۸۰۱ء میں ظاہر ہوا جبکہ چھ سو سولہ ۶۱۶ پونڈ کی لاگت سے بنگالی نئے عہد نامہ کی دو ہزار ۲۰۰۰ جلدیں چھپ کر تیار ہوئیں۔ طباعت میں نو ۹ ماہ کا عرصہ لگا تھا۔ اس کتاب کا تمام ٹائپ وارڈ اور کیری کے بیٹے فیلکس (FELIX) نے ترتیب دیا تھا۔ وارڈ کہتا ہے کہ "شروع شروع میں قریب ایک ماہ تک ہم نے ایک برہمن کمپوزیٹر سے کام لیا تھا۔ ہم جلد ہی اُس سے تنگ آ گئے تاہم چار چھاپنے والوں کو ہم نے تمام وقت مصروف ہی رکھا۔" مکمل کتاب مقدس کے لئے ایک عام چندہ کیا گیا تھا جس میں چار ۴ پونڈ فی جلد کے حساب سے روپیہ وصول ہوا۔۔۔۔ اس چندہ کے ذریعہ تقریباً پچاس ۵۰ جلدیں فوراً فروخت ہو گئیں۔

یہی وہ ترجمہ تھا جس کی وجہ سے کیری کو فورٹ ولیم کالج میں ملازمت ملی اور کیری کی یہ ملازمت ہی تھی جس کی وجہ سے اُس کو یہ موقعہ ملا کہ مشرقِ بعید میں عوام کے ہاتھوں میں خُدا کا کلام اُن ہی کی مادری زبان میں پہنچا دے۔

بنگالی کے پہلے نئے عہد نامہ کے ساتھ چند نہایت دلچسپ روایات اور یادگاریں وابستہ ہیں جن کا ذکر کر دینا بہتر ہے۔

۸ مارچ سنہ ۱۸۰۰ء کو کیری نے خود اپنے ہاتھ سے متی کی انجیل کے پہلے صفحوں کا پروف اُتارا۔ گویا مترجم خود ہی چھاپنے والا بھی بنا۔ جُوں ہی یہ انجیل مکمل ہو گئی اُس کی ۵۰۰ جلدیں تیار کر کے فوراً شائع کر دی گئیں کیونکہ بقول کیری ان کا خیال تھا کہ ایسا کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ اس انجیل میں ہمارے منجی کی زندگی کے مکمل حالات قلمبند کئے گئے ہیں۔"

کیری کے ایک خط میں مندرجہ ذیل عبارت ملی ہے:۔

"میری زندگی کا مُبارک مقصد یہ ہے کہ اُن لوگوں کے ہاتھوں میں انجیل پہنچا دوں جنہوں نے اس کو کبھی دیکھا نہیں اور جو ابھی تک توہمات کو خدا کا کلام سمجھ کر اُن پر اعتقاد رکھتے چلے آئے ہیں۔ میں ان کے پاس ان ہی کی مادری زبان میں وہ الفاظ پہنچا دینا چاہتا ہوں جن کو سُن کر فرشتے بھی مسرور ہوتے ہیں ۔۔۔۔۔۔ یہ ہے

میری زندگی کا مبارک نصب العین۔"

آج کیری کے دل میں اُن ملائک کو مسرور کرنے والے الفاظ کو بنگالی زبان میں چھپا ہوا دیکھ کر حمد و تشکر کے جو جذبات جوش میں آئے ہوں گے ان کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟

۷ فروری ۱۸۰۱ء کو بنگالی نئے عہدنامہ کے آخری صفحات بھی چھپ کر تیار ہو گئے۔ اس دن ایک مکمل جلد کرجا گھر کی عشاء کی میز پر رکھ کر خداوند کی نذر کی گئی اور شکر گذاری کی نماز میں نہ صرف انگریز مشنری بلکہ تمام ہندوستانی مسیحی بھی شریک ہوئے۔

جس طرح ٹنڈیل کے ترجمہ نے انگلستان میں پوپ کی زیادتیوں کی زنجیروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اُسی طرح آج ولیم کیری نے برہمن مت کے عقائد کی بنیاد پر اپنی بنگالی بائبل شائع کر کے پہلی ضرب لگا دی۔

جب کیری کے ترجمہ کی پہلی جلدیں انگلستان پہنچیں تو اینڈرو فلر صاحب نے ایک جلد لارڈ سپنسر (LORD SPENCER) کو پیش کی، حالانکہ لارڈ موصوف کو اس بات کا علم نہ تھا۔ مگر کیری کسی زمانہ میں اُن کا ایک ادنےٰ کرایہ دار رہ چکا تھا۔ بنگالی نئے عہدنامہ کی یہ جلد پاکر اور اس کی کہانی سُن کر اُنہوں نے پچاس ۵۰ پونڈ کا ایک چیک روانہ کیا تاکہ پُرانے عہدنامہ کے ترجمہ کے کام میں صرف کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی لارڈ سپنسر نے شاہ جارج سوم (KING GEORGE III) کو بھی ایک جلد نذر کی۔ اس جلد کو قبول کرتے وقت اعلیحضرت نے فرمایا کہ "ہم کو یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ ہماری رعایا میں سے ایک شخص اس نیک کام میں مصروف ہے۔"

یہ جلد سیرامپور کالج کی لائبریری کے دیگر ترجموں کی قطار میں سب سے آگے رکھی ہوئی ہے۔ دیکھنے میں یہ نہایت بدنما ہے اور بعد کی چھپی ہوئی جلدوں سے بدتر معلوم ہوتی ہے۔ ہم اس جلد کے ایک صفحہ کا فوٹو مقابل میں پیش کرتے ہیں۔

دوسرا ایڈیشن جو ۱۸۰۶ء میں شائع ہوا تقریباً ایک نیا ترجمہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے ساتھیوں نے اُس کے پہلے ایڈیشن پر کچھ نکتہ چینی کی تھی جس سے کیری نے پورا فائدہ اُٹھایا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر مارشمین کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کیونکہ آپ یونانی زبان کے بہت بلند پایہ عالم تھے۔ اس کے علاوہ کیری کو بھی سنسکرت، مرہٹی اور بنگالی کے پروفیسر بن جانے کی وجہ سے تجربہ ہو گیا تھا اور اس کو زبان پر اتنا عبور حاصل
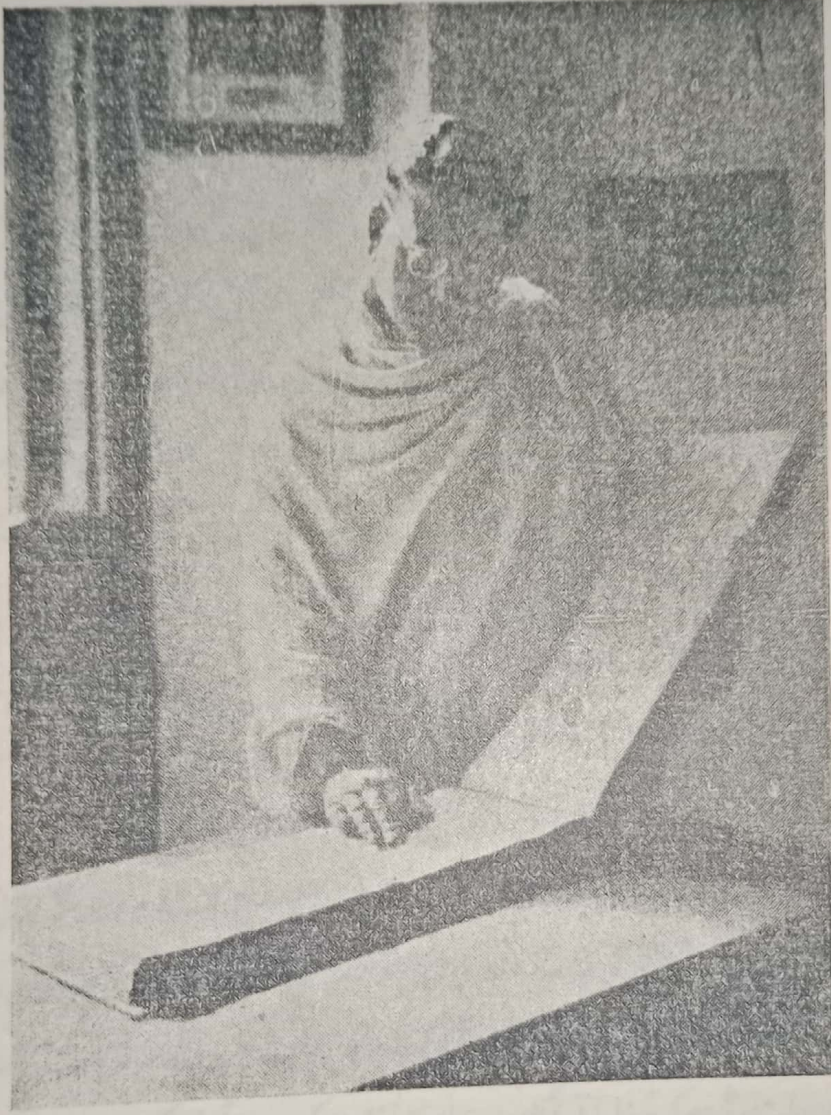
ولیم کیری کی بائبل ورک بک جو
سیرام پور لائبریری میں رکھی ہے

ہو گیا تھا کہ انجیل کے رُوحانی خیالات کو مُناسب اور صحیح الفاظ میں پیش کرنا اُس کے لئے آسان ہو گیا تھا۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلا ایڈیشن بیکار ثابت ہُوا۔ سترہ[۱۷] سال بعد جب مشن نے اپنا کام ڈھاکہ میں شروع کیا تو ان کو وہاں چند ایسے ہندو دیہات ملے جنھوں نے بُت پرستی کو قطعی ترک کر دیا تھا۔ آس پاس کے گاؤں میں یہ لوگ اپنی راست گوئی کی وجہ سے مشہور تھے اور ان کا دعوےٰ تھا کہ یہ خُدا کی طرف سے بھیجے ہُوئے ایک اُستاد کی راہ دیکھ رہے ہیں جس کو یہ لوگ "ست گرُو" کہہ کر پکارتے تھے۔ ان کے کہنے کے مطابق ان کے اس نئے ایمان کی بُنیاد ایک نہایت بوسیدہ کتاب تھی جو اُن کے کسی گاؤں میں ایک لکڑی کے صندوق میں حفاظت سے بند کر کے رکھی رہتی تھی۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ کہاں سے آئی تھی اور اس کو کون لایا تھا۔ ان کو صرف اتنا معلوم تھا کہ ان کے قصبہ میں یہ ایک عرصہ سے آئی ہُوئی تھی۔ دیکھنے پر معلوم ہُوا کہ یہ کتاب کیری کے بنگالی نئے عہد نامہ کی ایک جلد تھی!!!

بنگالی نئے عہد نامہ کا تیسرا ایڈیشن دیہی کلیسیاؤں کے استعمال کے لئے ۱۸۱۱ء میں بڑی تقطیع پر شائع ہُوا۔ چوتھا ایڈیشن جو پانچ ہزار[۵۰۰۰] جلدوں پر مشتمل تھا ۱۸۱۶ء میں شائع ہُوا اور ۱۸۳۳ء تک اس ترجمہ کے کُل آٹھ ایڈیشن تیار ہو کر شائع کئے گئے۔

عبرانی زبان سے ترجمہ کر کے پُرانے عہد نامہ کے چند حصص ۱۸۰۲ء سے ۱۸۰۹ء تک وقتاً فوقتاً شائع کئے گئے۔ کیری کو ترجمہ کرنے کی اتنی دُھن تھی کہ ۱۷۹۴ء ہی میں اُس نے پیدائش کی کتاب کی پہلی نظرثانی بھی کر لی تھی۔ وُہ کہتا ہے کہ جب "مَیں نے یہ ترجمہ ندیا کے دو پنڈتوں کے سامنے پڑھ کر سُنایا تو اُنہوں نے کائنات کی پیدائش کے اس بیان پر اطمینان کا اظہار کیا۔ لیکن اُن کو صرف یہ ایک اعتراض تھا کہ اس میں 'پاتال[۱]' کی پیدائش کا ذکر کیوں نہیں ہے لہٰذا ان پنڈتوں نے کیری کو صلاح دی کہ پاتال کی پیدائش کا ذکر اس میں ضرور کر دے!!!

مکمل بنگالی بائبل پندرہ[۱۵] سال کی محنت کا نتیجہ تھی۔ اس میں ماؤتھمین یُونانی متن پڑھتا تھا اور کیری بنگالی میں لکھتا جاتا تھا۔ صفحات کا چربہ تینوں باری باری پڑھ کر اُس کی اصلاح کرتے تھے لیکن قلمی نُسخہ کی پانچوں جلدیں کیری نے خود اپنے قلم سے لکھی ہیں۔

[۱] ہندوؤں کا خیال ہے کہ زمین کے نیچے کوئی مقام ہے جس کو وُہ "پاتال" کہتے ہیں۔

کیری نے چالیس[۴۰] سال کی مشنری خدمت کے دوران میں بنگالی عہد عتیق کے پانچ ایڈیشن اور عہدِ جدید کے آٹھ ایڈیشن تیار کر کے شائع کئے۔

سنسکرت کا ترجمہ اصل زبانوں سے کیری نے خود تن تنہا کیا اور خود ہی ترجمہ کے نسخہ کو قلمبند بھی کیا، حالانکہ سنسکرت زبان عام طور پر استعمال نہیں ہوتی تھی بلکہ صرف عالموں تک ہی محدود تھی پھر بھی کیری نے سنسکرت میں بائبل کا ترجمہ کرنا اس لئے ضروری سمجھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر عام لوگوں کی زبان میں کوئی کتاب لکھ کر شائع کی جائے گی تو برہمن اور عالم نہ صرف اس کی توہین کرے گا اور نفرت سے ٹھکرا دے گا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ کسی برہمن کو ہندی کا ترجمہ پیش کیا گیا تو اس نے نہایت حقارت سے جواب دیا کہ "اس کتاب میں اگر خدا کی باتیں ہی کیوں نہ ہوں لیکن ہمارے نزدیک اس کی کوئی وقعت نہیں۔ خدا کا گیان جو اس کتاب میں درج ہے وہ تو اس دودھ کی مانند ہے جس کو کسی کتے کی کھال کی مشک میں بھر کر ناپاک کر دیا گیا ہو" لیکن اس کے برعکس عالموں اور برہمنوں نے کیری کے سنسکرت ترجمہ کا بہت گرمجوشی سے خیر مقدم کر کے اس کو عزت و احترام سے قبول کیا۔

۱۸۱۲ء کی آتشزدگی[۱] میں پرانے عہدنامہ کی تواریخی کتابوں کے ترجموں کے تمام قلمی نسخے تلف ہو گئے لہٰذا کیری کو ان تمام کتابوں کا ترجمہ دوبارہ کرنا پڑا۔ لیکن اس نے اس ہمت شکن واقعہ کے باوجود ۱۸۱۵ء میں ان کو تیار کر کے شائع کر دیا۔ ۱۸۲۷ء میں بھی اس ضعیف العمر عالم میں اس قدر طاقت باقی تھی کہ سنسکرت کے اصلاح شدہ ترجمہ کی پہلی جلد شائع کرے۔ دوسری جلد کے نسخے وہ اپنی وفات کے وقت اپنے لائق جانشین ییٹس صاحب دینگر کو سونپ گیا۔

وید۔ اپنشد۔ برہمن۔ راماین اور مہابھارت کے مقابلہ میں سنسکرت زبان میں بائبل مقدس کو اس طرح پیش کیا کہ علما کا گروہ ان کا ممنون ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

پاک کلام کی مکمل جلدیں یا تراجم (VERSIONS) جن کو کیری نے تیار کر کے شائع کیا کل اٹھائیس[۲۸] تھیں۔ ان میں سے سات پوری بائبل اور اکیس[۲۱] نئے عہدنامے شامل تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی جدا جدا روایات ہیں اور ہر ایک کے ساتھ علیحدہ علیحدہ

---

[۱] اس حادثہ کا مکمل بیان آئندہ باب میں کیا جائے گا۔

رومان وابستہ ہیں۔ ہر ایک کتاب جو کیری نے شائع کی وہ ایشیا کے کسی نہ کسی گوشہ میں جا کر ایک خاموش مبلغ بن گئی یا دیسی مسیحیوں کو روحانی خوراک بہم پہنچانے کا ذریعہ ثابت ہونے لگی۔

بنگالی کے بعد اُڑیہ میں ترجمہ شروع کیا گیا کیونکہ اُڑیہ زبان بنگالی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے لیکن ان دونوں کے حروفِ تہجی مختلف ہیں۔ موجودہ اُڑیسہ کا صوبہ پہلے مدراس میں شامل تھا کیونکہ ۱۸۰۳ء میں اسے بنگال سے ملایا گیا تھا۔ کیری کی توجہ اس علاقہ کی طرف مبذول ہونے کی ایک وجہ تو اس کا علیحدہ صوبہ بنایا جانا ہی تھی لیکن دوسری خاص وجہ یہ تھی کہ پوری اس علاقہ کا صدر مقام تھا۔ یہ صدیوں سے سورج کی پرستش کا مرکز چلا آتا تھا اور پھر اس میں شِو کی پوجا کا رواج عام ہو گیا تھا۔ جگن ناتھ کا خاص مندر بھی اسی مقام پر تھا جہاں ہر سال لاکھوں یاتری آتے تھے اور جگن ناتھ کی مشہور رتھ کے نیچے دب کر مر جانا عین ثواب سمجھتے تھے۔ اس طرح ہر سال ہزاروں جانیں اس ایک رتھ کی نذر ہو جاتی تھیں۔ کیری اس قتلِ عام یا خودکشی کو دیکھ کر بھلا کیونکر خاموش رہ سکتا تھا، اس لئے اُس نے ان تاریکی میں بسنے والوں تک نور کا پیغام اُن کی مادری زبان میں پہنچا دینا اپنا فرض سمجھا۔

کیری کا پنڈت مرتونجے ودیا النکار بنگالی اور اُڑیہ دونوں زبانوں کا عالم تھا۔ اسی نے بنگالی ترجمہ کو اُڑیہ زبان میں تبدیل کیا اور پھر کیری نے اس ترجمہ کو اصل یونانی متن سے ایک ایک آیت کر کے ملایا۔ اس طرح نیا عہد نامہ ۱۸۰۹ء میں تیار ہو گیا اور پرانا عہد نامہ ۱۸۱۵ء میں۔ یہ دونوں ملا کر چار جلدوں پر مشتمل تھے۔ ان کی متعدد کاپیاں چھپوائی گئیں اور سب کی سب ہاتھوں ہاتھ فروخت بھی ہو گئیں۔

۱۸۰۴ء میں سیرامپور والوں نے نئے عہد نامہ کو مگدھی زبان میں ترجمہ کرنا شروع کیا۔ یہ بھی بنگالی سے ملتی جلتی ہے اور پالی کے ذریعہ سنسکرت ہی سے پیدا ہوئی ہے۔ بودھیوں کی زبان یہی تھی۔ ۱۸۲۴ء میں اس کی ایک ہزار جلدوں کا بھی ایک ایڈیشن چھپ کر تیار ہو گیا۔

کیری اور اُس کے ساتھیوں کا ارادہ تھا کہ صوبۂ بہار کی بولی یعنی میتھلی میں بھی ایک ترجمہ کر کے شائع کیا جائے۔ لیکن کیری نے بنگالی کی جو خدمت کی تھی اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

ان تمام علاقوں میں سوائے اُوڑیہ بولنے والوں کے تمام تر لوگ بنگالی بولنے اور سمجھنے لگے تھے لہٰذا اس غیر اہم بولی میں ترجمہ کرنے کی چنداں ضرورت نہ ہوئی۔

۱۸۱۰ء میں سیرامپور پریس سے آسامی زبان میں بھی نیا عہدنامہ شائع ہوا اور ۱۸۱۹ء میں اس زبان میں پُرانا عہدنامہ چھپا۔ ۱۸۲۶ء میں آسام کا صوبہ مملکتِ انگلشیہ میں شامل کیا گیا۔ اور ۱۸۳۲ء میں کیری نے سکاٹ لینڈ (SCOTLAND) کے ایک سپاہی مسٹر رائے (MR. RAE) کو اس علاقہ کے مقام گوہاٹی میں پہلا مشنری بنا کر بھیج دیا۔

ان تمام ترجموں کے علاوہ کھاسی اور منی پوری زبانوں میں بھی ترجمے کئے گئے لیکن یہ دونوں بنگالی حروف میں ہی چھاپے گئے تھے۔

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، بنگالی کے بعد ہی اُوڑیہ کا ترجمہ کیا گیا لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ مرہٹی میں بھی کام جاری ہو گیا تھا۔ اس زبان میں کیری کو اکیلے ہی ترجمہ کرنا پڑا۔ اُس نے ۱۸۰۴ء میں اس کو شروع کیا اور سات سال کی محنت کے بعد ۱۸۱۱ء میں نئے عہدنامہ کا پہلا ایڈیشن اور ۱۸۲۰ء میں پُرانا عہدنامہ شائع کر دیا۔ اس ترجمہ کی زبان ایک خاص قسم کی تھی جو ناگپور کے علاقہ میں بولی جاتی تھی۔ ان اشاعتوں کی زیادہ تر جلدیں لفٹنٹ موکسن (LIEUT. MOCKSON) صاحب نے ناگپور کے سپاہیوں میں تقسیم کیں۔

جب ہنری مارٹن (HENRY MARTYN) نے بمبئی سے کیری کو خط لکھا کہ تمام شہر میں ایک واحد شخص جو میرا وعظ سن کر سمجھ سکتا تھا وُہ ایک نووارد انگریز تھا تو کیری نے ۱۸۱۲ء میں بمبئی اور سُورت کے علاقوں میں ارا ٹون (ARATOON) کو مشنری مقرر کر کے روانہ کیا۔ ان دنوں وُہ کونکانی زبان میں بائبل کے ترجمہ پر محنت کر رہا تھا۔ یہ بولی بمبئی کے جنوب میں بولی جاتی ہے جہاں کے برہمن ہندوستان کے سب سے بڑے عالموں میں شمار ہوتے ہیں۔ ۱۸۱۹ء میں یہ ترجمہ شائع ہوا اور اس پر کُل گیارہ سال کی مشقت کرنی پڑی۔

آیندہ سات سال کے عرصہ میں سیرامپور نے شمالی بمبئی کے کروڑوں باشندوں کی زبان میں گجراتی کا ترجمہ شائع کیا اور ۱۸۲۰ء میں نئے عہدنامہ کا ایک ایڈیشن شائع کرنے کے بعد یہ خدمت لندن مشنری سوسائٹی کے سپرد کر دی جن کے مشنری اُس علاقہ میں کام کرنے کو آ گئے تھے۔

سنسکرت سے پیدا ہونے والی متعدد زبانوں میں ہندی نے سب سے زیادہ رواج حاصل کیا تھا اور کیری اور اُس کے ہم خدمتوں نے اس کے سیکھنے میں جس سرگرمی سے کام لیا وُہ کسی اور زبان میں ظاہر نہیں ہوتا۔ ۱۷۹۲ء ہی میں اُس نے ایک تحریر کے دوران میں لکھا ہے کہ :-

"میں نے اتنی ہندی سیکھ لی ہے کہ کافی دیر تک اس زبان میں وعظ کر سکتا ہوں اور سوچ سمجھ کر اس بولی میں گفتگو بھی کر سکتا ہوں .... مغرب میں یہ زبان راج محل سے دہلی تک رائج ہے اور غالباً اس سے بھی آگے تک بولی جاتی ہے۔ اس زبان کو سیکھ لینے سے شاید ہندوستان کے ہر حصہ کے لوگ میری بات چیت سمجھ سکیں گے۔"

کیری کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس ایک زبان میں کم از کم بیس۲۰ مختلف بولیاں شامل ہیں جن کے الفاظ تو ایک ہی ہیں مگر ان کی ترکیبوں میں تھوڑا بہت فرق ہے۔

برج بھاشا میں چاروں انجیلوں کا ترجمہ ۱۸۱۳ء میں ختم ہو گیا تھا اور نو۹ سال کے بعد نیا عہد نامہ بھی مکمل کر دیا گیا۔

اناجیل کے اسی ترجمہ کے ذریعہ دہلی کے ایک برہمن پجاری نے مسیحیت کو قبول کیا اور آنند مسیح نام پایا۔

جیسا کہ ناظرین نے ملاحظہ کیا ہو گا ہم نے اس سے پہلے ہندی کی وُہ تمام شاخیں درج کر دی ہیں جن میں نیا عہد نامہ یا محض اناجیل شائع ہوئیں۔ جس ترجمہ سے یہ تمام تیار ہوئیں وُہ کیری نے خود ۱۸۰۲ء سے ۱۸۰۷ء تک تیار کیا تھا۔ اس کے کئی ایڈیشن چھپ کر تیار ہوئے لیکن یہ کیری کی فرض شناسی کا ثبوت تھا کہ ۱۸۱۹ء میں مسٹر چیمبرلین (MR. CHAMBERLAIN) کے ہندی ترجمہ کو اپنے ترجمہ پر فوقیت دی کیونکہ چیمبرلین کا ترجمہ بہتر تھا اس لئے کیری نے اپنے ترجمہ کی اشاعت بند کر دی۔

پھر جنوبی ہند کی زبانوں کو لیجئے۔ ان میں سے تلنگو میں نیا عہد نامہ اور موسیٰ کی پانچ کتابیں ترجمہ کی گئیں اور کناری میں بھی۔ کیری ہی کے جمع کئے ہوئے مسالہ سے طال فری (TAL-FREE-) نے سنگھالی زبان میں ترجمہ کیا۔ فارسی اور ملیالم زبانوں کے ترجموں کو کیری نے نہایت محنت اور جانفشانی سے اصلاح اور نظر ثانی کر کے چھپوایا۔

کیری کے ترجموں کی اس طویل فہرست کو مکمّل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل اقتباس دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ یہ رسکن (RUSKIN) کی کتاب سے لیا گیا ہے :-

"ہندوستان کی تجارت کے سلسلہ میں ایک نہایت دلچسپ واقع میری نظر سے گزرا ہے۔ موجودہ سردار گل داد خاں کے چچا علی خاں گنڈا پوری نے بیان کیا کہ اُن کو وُہ وقت خوب اچھی طرح یاد ہے جب اُن کے والد نے اُن کو اور اُن کے بڑے بھائی کو گھوڑوں کے ایک قافلہ کے ہمراہ گنگا کے کنارے ہردوار کے مقام پر بھیجا تھا۔ اُنہوں نے مجھے بائبل کا ایک پشتو ترجمہ بھی دکھایا جو ۱۸۱۸ء میں سیرامپور میں چھپا تھا۔ اس کے متعلّق اُن کا بیان ہے کہ تیس[۳۰] سال پیشتر یہ کتاب اُن کو ہردوار میں ایک انگریز نے دی تھی اور ہدایت کی تھی کہ "اس کو نذرِ آتش کر کے یا دریا میں پھینک کر برباد نہ کر دینا بلکہ حفاظت سے رکھنا کیونکہ یہ اُس وقت تمہارے کام آئے گی جب انگریز اس مُلک کے حاکم ہو جائیں گے۔" علی خاں نے اس کتاب کے متعلّق کسی سے ذکر نہیں کیا، اور کپڑے کا ایک بستہ بنوا کر اُس میں اس کو حفاظت سے رکھ چھوڑا۔ جب مَیں اُن کے بھتیجے کے علاقہ میں مال گذاری کا بندوبست کرنے گیا تو وُہ نہایت ادب سے اس کو نکال کر لائے کیونکہ اُن کا خیال تھا کہ اُس انگریز نے جو پیشین گوئی کی تھی وُہ پوری ہونے والی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وُہ اس کتاب کو کسی مُلّا کو بھی دکھا چکے تھے اور مُلّا نے پُرانے عہد نامے کے چند اوراق پڑھ کر کہا تھا کہ یہ تو بالکل سچّی حکایات ہیں جو تمام اسلامی انبیا یعنی حضرت موسٰی۔ اور حضرت نُوح وغیرہ کے متعلّق ہیں۔

مَیں نے نہایت دلچسپی سے اس کتاب کا معائنہ کیا۔ یہ فارسی رسم الخط میں نہیں، بلکہ افغانستان کی معمولی پشتو میں چھپی ہوئی تھی۔ اس سے پہلے مَیں نے کبھی پشتو کی تحریر نہیں دیکھی تھی۔ یہ ترجمہ سیرامپور کے مشنریوں کے جذبۂ خدمت کا ایک نہایت عُمدہ نمونہ تھا۔"[۱]

ہردوار وُہ مقام ہے جہاں گنگا پہاڑوں میں سے نکل کر میدان میں آتی ہے۔ ہندوستان میں ہندوؤں کا سب سے بڑا تیرتھ یہی ہے۔ اس جگہ ویسے تو یاتری جمع ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن ہر بارھویں سال یہاں کُمبھ کا جو میلہ ہوتا ہے اُس میں لاکھوں ہندوؤں کا اجتماع ہو

[۱] A Year on the Punjab Frontier in 1848-49.

جاتا ہے۔ سُننے میں آیا ہے کہ ایک زمانہ ایسا تھا جبکہ اس میلے کے ذریعہ جو ہیضہ پھیلتا تھا اُس کا اثر محض ایشیا تک ہی محدود نہ رہتا تھا بلکہ یورپ تک پہنچتا تھا۔

جس طرح مشنریوں نے تمام تیرتھوں کو اپنی تبلیغ کا مرکز بنایا اُسی طرح اُنھوں نے ہردوار میں بھی کام شروع کیا اور یہاں سے بائبل کی اشاعت کرتے رہے۔ گمان غالب ہے کہ یہ پشتو بائبل ٹامسن (THOMPSON) نے ہی علی خاں کو دی ہوگی۔ ٹامسن صاحب کیری کے بھیجے ہوئے ایک مشنری تھے اور دہلی میں مقیم تھے۔ یہ ترجمہ ڈاکٹر لیڈن (Dr. LEYDON) نے شروع کیا تھا اور کیری ہی کی زیر نگرانی اس ترجمہ سے عربی میں بھی ترجمہ ہوا۔

پنجابی (گورمکھی) میں تقریباً مکمل بائبل ۱۸۱۵ء میں شائع کی گئی۔ اس کا عوام نے اس قدر گرمجوشی سے خیر مقدم کیا کہ کیری نے ۱۸۲۰ء میں کہا کہ ہندوستان کی تمام مختلف اقوام میں سے کسی نے کلام کو ایسا سر آنکھوں پر نہیں رکھا جیسا کہ سکھوں نے چنانچہ امرتسر سے ان کو خبر ملی کہ "یہاں مسیح کی کتاب کے متعلق بہت چرچا ہے۔ لوگ اس کو شوق سے پڑھتے ہیں اور اس کی وجہ سے ایک جوش پیدا ہو گیا ہے"۔ ایک ڈاکو نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "اگر میرے پاس یہ کتاب ہوتی تو میں کبھی اتنے قتل نہ کرتا"۔ لدھیانہ کے نزدیک کسی گاؤں میں ایک فقیر نے اس کو پڑھ کر ایک فرقہ کی بنیاد ڈالی جو اس نئے معبود کی پرستش کرنے لگ گیا۔ اس کی وجہ سے اُس کو بہت اذیت اُٹھانی پڑی اور اُس نے سخت مظالم بھی برداشت کئے۔

۱۸۱۲ء میں فیلکس کیری برما سے واپس آیا تاکہ سیرامپور میں متی کی انجیل کے برمی ترجمہ اور برمی گرامر کو چھاپے۔ کیری نے ارادہ کیا کہ جس چھاپنے کی مشین پر یہ دونوں کتابیں تیار کی گئی تھیں اُس کو رنگون بھیج دے۔ لہٰذا ایسا ہی کیا گیا اور پریس کے ساتھ مشنریوں کی طرف سے آوا کے بادشاہ کے نام ایک خط بھی بھیجا گیا جس میں تحریر تھا کہ:-

"ہم اپنے عزیز بھائیوں کو اعلیٰحضرت کی حفاظت میں سونپتے ہیں۔ یہ لوگ اعلیٰحضرت کی رعیت سے محبت کرتے ہیں اس لئے اُنھوں نے برضا و رغبت خود فیصلہ کیا ہے کہ اعلیٰحضرت کی پناہ میں رہ کر بائبل کا ترجمہ کریں۔ یہ ایک آسمانی کتاب ہے جو ہم کو ملی ہے اور جس کی تعظیم و تکریم تمام یورپ اور امریکہ کی اقوام کرتی ہیں کیونکہ یہی عقل و دانش اور حکمت و دین کی تمام خوبیوں کا سرچشمہ ہے"۔

بادشاہ نے پریس قائم کرنے کے لئے اپنے خاص محل میں جگہ تجویز کی اور ساتھ ہی سیرامپور سے اس پریس کو منگوانے کا انتظام بھی کر دیا اور یہ بھی ہدایت کردی کہ پریس کے ہمراہ کام کرنے والے بھی بھیجے جائیں۔ کیری کو ان خوشگوار واقعات میں برما کی مشن کا مستقبل نظر آتا تھا لیکن خدا کو یہ منظور تھا کہ اس مشن کا آغاز کرنے کا شرف امریکہ کے فرزندوں کو حاصل ہو۔ لہٰذا جس جہاز میں یہ پریس روانہ کیا گیا تھا وہ دریائے اراوادی میں غرق ہو گیا اور ہم اس سانحہ جانکاہ کا بیان پہلے ہی کر چکے ہیں۔

اپنے دو دوستوں (مارشمین اور وارڈ) کی مدد اور فورٹ ولیم کالج کی سہولتوں پر بھروسہ کرتے ہوئے کیری نے مشرقِ بعید کی تمام زبانوں میں مکمل بائبل کا ترجمہ کرنے کے لئے ایک عظیم الشان سکیم تیار کرکے قلم کے سامنے پیش کی۔ اس کے تین ماہ بعد ہی لندن میں "برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی" (BRITISH AND FOREIGN BIBLE SOCIETY) کی بنیاد ڈالی گئی۔ کیری ایسی ہی ایک سوسائٹی کا کل کام دس سال سے تن تنہا انجام دے رہا تھا لہٰذا اب اس نے سوسائٹی کی امداد طلب کی۔ سوسائٹی نے کیری کے دوست مسٹر اوڈنی (MR. UDNY) سے درخواست کی کہ وہ ہندوستان میں اس سوسائٹی کی ایک شاخ قائم کریں جس میں خود ان کے علاوہ سیرامپور کے تینوں مشنری اور ان کے دوست مسٹر براؤن (MR. BROWNE) اور بکانن (BUCHANAN) شریک ہوں۔ مؤخر الذکر دونوں حضرات کلیسیائے انگلستان کے چیپلین (CHAPLAIN) تھے۔ ان دونوں نے ۱۸۰۹ء تک سوسائٹی کے باقاعدہ قیام کے سوال کو معرضِ التوا میں ڈالے رکھا مگر اس عرصہ میں ہر طرح فراخدلی سے سیرامپور کی تمام اپیلوں میں امداد کرتے رہے۔ بلکہ انہوں نے ہی وہ تجویز پیش کی تھی جس کے نتیجہ کے طور پر ڈاکٹر مارشمین صاحب کا وہ عجیب و غریب چینی زبان کا ترجمہ شائع ہوا اور وہ اصلاحات وجود میں آئیں جن کو وارڈ نے چینی زبان کی طباعت کے لئے ایجاد کیا تھا۔ ڈاکٹر بکانن ہی نے ہندوستان کے تمام خراج گزار راجاؤں اور نوابوں کے پاس بائبل کے ترجموں کی وہ جلدیں بھجوائیں جو اب تک چھپ کر شائع ہو چکی تھیں۔

۱۸۰۹ء سے ۱۸۳۰ء تک یعنی تقریباً کیری کے جیتے جی سیرامپور اور بائبل سوسائٹی کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار رہے۔ جب ۱۸۱۱ء میں کلیسیائے انگلستان کے چیپلینوں نے مل کر برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی کے مقابلہ میں "کلکتہ انگریزی بائبل سوسائٹی"

(CALCUTTA AUXILIARY BIBLE SOCIETY) قائم کردی تو کیری نے اصل سوسائٹی سے ہی اپنی وفاداری قائم رکھی کیونکہ وُہ ایک وضعدار انسان تھا۔

ان دونوں سوسائٹیوں کو سنگھاٹی۔ ملیالم۔ اور تامل میں نئے عہد نامہ کی چھپائی کے لئے سیرامپور سے زیادہ سستا اور بہتر پریس نہ مل سکتا تھا۔ سیرامپور پریس ہی نے فارسی نئے عہد نامہ کا پہلا ترجمہ از سباسٹیانی (SEBASTIANI) چھاپ کر شائع کیا۔ اسی ترجمہ کی نسبت ڈاکٹر مارشمین نے فلر کو لکھا تھا کہ "اگرچہ یہ ترجمہ خامیوں سے مبرّا تو نہیں ہے لیکن یہ بہت مفید ثابت ہوگا" اس کے بعد سیرامپور پریس نے خود ہنری مارٹین (HENRY MARTYN) کا فارسی ترجمہ شائع کیا۔ ہنری مارٹین کے نائب سبات نامی نے سیرامپور ہی میں تعلیم حاصل کی تھی۔

سیرامپور کے مشنریوں کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ خدا کا کلام تمام ایشیا میں پھیل جائے۔ وُہ اسی کو اپنا مقصدِ حیات بنا چکے تھے اور خدا نے اس نیک مقصد کی حصولی کے لئے اُن میں بُردباری۔ صبر اور تحمّل کا مادہ بیشتر ہی سے ودیعت کر دیا تھا۔

۱۸۳۰ء میں نئی سوسائٹی نے کیری اور ییٹس کے تراجم کو استعمال کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ یونانی لفظ ΒΑΠΤΙΖΩ کے ترجمہ پر کچھ اختلافِ رائے ہو گیا تھا۔ اس معاملہ میں ان عالموں نے ایک نہایت قابلِ تعریف رویہ اختیار کیا۔ سوسائٹی کے مورّخ کے الفاظ یہ ہیں :-

"قابلِ تعریف فراخدلی کے ساتھ اُنھوں نے اپنے بنگالی تراجم کے استعمال کی اجازت دے دی اور اس امر کی بھی اجازت دے دی کہ متنازعہ لفظ ΒΑΠΤΙΖΩ کے سلسلہ میں جو بھی ترمیم و تبدیلی مُناسب اور موزوں سمجھی جائے وُہ اختیار کی جائے لیکن اُنہیں کسی طرح اس تبدیلی کا ذمہ دار نہ ٹھہرایا جائے۔"

برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی نے شروع ہی سے سیرامپور کی مالی امداد کی تاکہ اُن کے بائبل کے ترجموں کی طباعت و اشاعت میں سہولت ہو۔ چنانچہ سوسائٹی مذکور نے سیرامپور کو جو رقوم وقتاً فوقتاً عطا کیں اُن کا کُل میزان ساڑھے تیرہ ہزار پونڈ (۱۳۵۰۰) ہوتا ہے۔ اس رقم خطیر میں سے کم از کم ایک ہزار چار سو پچھتّر (۱۴۷۵) پونڈ ولیم ہے (WILLIAM HEY) صاحب نے جمع کئے تھے۔ ولیم ہے صاحب کا نام اس وجہ سے بھی قابلِ ذکر ہے کہ اُنھوں نے کیری

کے ترجموں کے کام کی حیرت انگیز وسعت سے متاثر ہو کر وعدہ کیا تھا کہ جب کبھی کیری کوئی نیا ترجمہ تیار کرے تو اُس کی پہلی ایک ہزار جلدوں کی طباعت کا کُل خرچ خود برداشت کریں گے۔ اسی مالی امداد سے ہندی۔ پشتو اور پنجابی وغیرہ کے تراجم چھاپے گئے تھے۔ مسٹر کرسٹوفر اینڈرسن (CHRISTOPHER ANDERSON) نے اپنی کتاب "تاریخ انگریزی بائبل" (ANNALS OF THE ENGLISH BIBLE) میں تحریر کیا ہے :-

"وُہ وقت آنے والا ہے جب لوگ اس امر کو محسوس کریں گے کہ کیری کے ترجموں کی کیا وُقعت اور قدر و قیمت ہے۔ موجودہ دَور اُن کی اہمیّت کو نہیں پہچان سکتا ....۔ اس عجوبۂ روزگار اور حیرت انگیز انسان کا صحیح کیریکٹر آج سے نصف صدی بعد ہی پہچانا جائے گا۔"

کاش کہ موجُودہ سوانح عمری کے ذریعہ اُردو دان حضرات کیری کے کردار کو پہچان کر یہ محسُوس کریں کہ اُس نے نہ صرف اپنے مذہب کی ہی خدمت کی ہے بلکہ ہندوستان اور کُل بنی نوع انسان کی ایک عظیم الشّان خدمت کر گیا جس کے احسان سے ہم اور ہماری آنے والی نسلیں ہرگز سبکدوش نہیں ہو سکتیں۔

وُہ زبانیں جن میں کیری نے مکمّل بائبل کا ترجمہ کیا یہ ہیں :-

۱- بنگالی	۵ - آسامی
۲- اُوڑیہ	۶ - پنجابی
۳- مرہٹّی	۷ - پشتو
۴- ہندی	۸ - کشمیری
	۹ - سنسکرت

(سنسکرت ہندوستان کے عُلما کی زبان تصوّر کی جاتی تھی)

وُہ زبانیں جن میں کیری نے مکمّل نئے عہدنامہ کا ترجمہ کیا یہ ہیں :-

۱- ہنڈا (جو شمالی پنجاب کی زبان تھی)

۲- بہاری	۵ - منی پوری	۶ - تلگو
۳- مگدھی	۷ - کونکانی	
۴- کھاسی	۸ - کناری	

ان کے علاوہ اُس نے کونکانی زبان میں توریت کا ترجمہ بھی کیا۔

پانچ پہاڑی زبانیں یعنی (۹) ڈوگری - (۱۰) گڑھوالی - (۱۱) کماؤنی -
(۱۲) پلپہ اور (۱۳) نیپالی -

چار راجستھان کی زبانیں یعنی (۱۴) بیکانیری - (۱۵) مارواڑی -
(۱۶) ہراوتی (مالوہ کی زبان) اور (۱۷) گجراتی -

ہندی کی چار قسمیں یعنی (۱۸) بھٹنیری - (۱۹) برج بھاشا -
(۲۰) قنوجی اور (۲۱) بھگیلی -

(ان کے علاوہ تلگو اور کناری زبانوں میں توریت کے تراجم کیئے گئے)

وُہ زبانیں جن میں کیری نے نئے عہدنامہ کے حصص کا ترجمہ کیا یہ ہیں:-

سندھی - جے پوری - میواڑی - اودھی (متی کی انجیل)
بلوچی تین[۳] اناجیل - (متی - مرقس - لُوقا) تامل اور سنگھالی
کے تراجم کیری کے ہندوستان آنے سے پیشتر موجود تھے۔

اُنیسواں باب

آتشزدگی

۱۲ مارچ ۱۸۱۲ء کو مارشمین (MARSHMAN) ایک مغموم صورت بنائے کیری کے دفتر واقع کلکتہ میں داخل ہُوا۔ اُس کو دیکھتے ہی کیری کا ماتھا ٹھنکا کہ ضرور کوئی اور مصیبت پیش آئی ہوگی۔ لیکن جو کچھ وہ ماضیٔ قریب میں برداشت کر چکے تھے اُس کے پیشِ نظر یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ بدبختی اور بدنصیبی ان پر کوئی اور ظلم بھی روا رکھے گی۔ گذشتہ کرسمس سے اب تک سیرآمپور کی برادری میں پانچ۵ اموات واقع ہو چکی تھیں۔ ٹھیک کرسمس کے دن ہی تین۳ معصوم بچّوں کو بلکتا ہوا چھوڑ کر بہن مارڈن (MARDAN) کا انتقال ہو گیا تھا۔ پھر مسز مارشمین کی ایک گیارہ سال کی وفادار خادمہ اچانک مر گئی تھی۔ اُس کے بعد ہی مارشمین کے بورڈنگ ہاؤس کا ایک ہونہار لڑکا بنام ہربرٹ (HERBERT) فوت ہُوا تھا۔ مارشمین اُس کو اپنے بیٹے کی طرح عزیز رکھتا تھا۔ ابھی اُس کا غم تازہ ہی تھا کہ وارڈ (WARD) کی لاڈلی بیٹی میری (MARY) بعمر چھ۶ سال کھیلتی کودتی والدین کو داغِ مفارقت دے گئی۔ اور ایک ہفتہ بھی نہ ہُوا تھا کہ مارشمین کا شیرخوار بچہ ماں کی گود خالی کر گیا۔ چونکہ اس بچّہ کے والدین اپنے ہم خدمت ولیم وارڈ کو عزیز رکھتے تھے اس لئے اُنہوں نے اپنے بچّے کا نام ولیم وارڈ مارشمین (WILLIAM WARD MARSHMAN) رکھ لیا۔ ان اندوہناک واقعات کے بعد اب وہ کون سی مصیبت ہو سکتی تھی جس کی خبر لے کر آج مارشمین آئے تھے؟ گیا کیری کو ابھی کسی اَور عزیز کا غم برداشت کرنا تھا؟ ذیل میں ہم مارشمین کی کہانی خود اُس کی زبانی درج کرتے ہیں۔ یہ بیانات مارشمین کے مختلف خطوط سے اخذ کئے گئے ہیں جو اُس نے اس سانحہ کے متعلّق تحریر کئے تھے۔

کل شام کو تقریباً چھ بجے تمام کاریگر اپنے اپنے گھر چلے گئے اور میں بھی اپنے مکان میں بیٹھا اپنے مرحوم بچہ کی یاد تازہ کر رہا تھا کہ وارڈ نے دفتر سے مجھے آواز دی۔ وارڈ دفتر میں

دن بھر کا حساب کتاب درست کرنے کو ابھی تک گھرا ہوا تھا۔ میں دوڑ کر دفتر کے جنوب کے رُخ پہنچا اور وہاں دیکھتا ہوں کہ ایک چبوترے پر کاغذ کا انبار لگا ہوا ہے اور اُس میں سے بیس فٹ اونچا ایک شعلہ اُٹھ رہا ہے۔ ہم دونوں اُدھر کی طرف بڑھے لیکن دھوئیں نے ہم کو وہاں تک پہنچنے نہ دیا۔ ایک کاریگر ہم سے چند قدم آگے بڑھ چکا تھا لیکن وہ بیہوش ہو کر گر گیا۔ چنانچہ اُس کو گھسیٹ کر واپس لانا پڑا۔

مکان کی تمام کھڑکیاں ماسوا ایک کے اندر کی طرف سے بند تھیں۔ ہم نے کوشش کی کہ ان کو توڑ کر تھوڑا بہت سامان بچا لیں لیکن کسی تجربہ کار شخص نے صلاح دی کہ ایسا نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اُس نے کھلی ہوئی کھڑکی بھی بند کر دی تاکہ شعلے اندر ہی اندر دب کر بجھ جائیں۔ ہم نے جلد ہی پانی لانے کے لئے آدمیوں کی قطاریں لگا دیں۔ وارڈ خود چھت پر چڑھ گئے اور جس مقام پر آگ لگی ہوئی تھی وہاں سے چھت اُدھیڑ کر چار گھنٹے تک پانی ڈالتے رہے۔ اس سے آگ قابو میں آگئی۔

مگر کسی نیک نیت لیکن ناتجربہ کار دوست نے خیال کیا کہ اب دروازے وغیرہ کھول دینے میں کوئی نقصان نہ ہوگا لہٰذا اُس نے ایک کھڑکی توڑ دی۔ اب کیا تھا۔ ہوا لگتے ہی دفعتاً یک عمارت کے مرکز سے ایک شعلہ بھڑکا اور آن کی آن میں آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ آدھ گھنٹے کے اندر شعلے عمارت کے ہر حصہ میں پہنچ گئے اور کوئی چارہ کار نہ رہا سوائے اس کے کہ جو کچھ بھی ہو سکے بھڑکتی ہوئی آگ میں سے نکال لیا جائے۔ لیکن اس دوزخ میں سے بھلا کیا بچ سکتا تھا؟ پھر بھی ہم نے پانچ چھاپنے کی مشینیں باہر نکال لیں جو اُس کمرہ میں تھیں جہاں آگ زیادہ نہ پھیل سکی تھی۔ ان کو اس کمرہ میں منتقل کئے ہوئے تین ہفتے ہی ہوئے تھے۔ اگر یہ اُسی بڑے کمرہ میں ہوتیں جہاں پہلے نصب تھیں تو ہرگز بچ نہ سکتی تھیں۔

پھر ہم نے وارڈ کے دفتر کی کھڑکیاں توڑ کر تجوری اور میز باہر نکالی۔ لیکن اس میں جائداد کے قبالے اور حساب کتاب کے رجسٹروں کے علاوہ اور کوئی کارآمد شے برآمد نہ ہوئی اب ہم کو نزدیک کے مکانات کی فکر ہوئی۔ "مشن ہاؤس" اور لڑکوں اور لڑکیوں کے سونے کے کمرے قریب ہی تھے۔ ہم نے ان میں سے تمام سامان نکلوا دیا اور چھاپہ خانہ اور ان عمارات کے درمیان جو کچھ بھی جلنے والی اشیا تھیں سب ہٹا دیں۔ ایک دوست نے

تمام بچّوں اور لڑکیوں کو اپنے مکان میں پناہ دی۔

تقریباً نصف شب کو چھاپہ خانہ کی چھت ایک مہیب دھماکہ کے ساتھ گری۔ یہ وقت سب سے زیادہ خطرناک تھا کیونکہ چھت کے گرتے ہی ایک شُعلہ جو چالیس فٹ طویل اور کم از کم دو سَو فٹ بلند تھا یکایک خلا میں سے نکلا اور آسمان تک پہنچ گیا چونکہ ہوا تیزی سے چل رہی تھی اس لئے ہم کو اندیشہ ہُوا کہ کہیں آگ زیادہ نہ پھیل جائے لیکن خُدا کی مہربانی ہُوئی کہ ہوا یکایک تھم گئی اور یہ خوفناک شعلہ ایک شمع کی طرح سیدھا جلتا رہا۔ ہم اس کے علاوہ اور کر ہی کیا سکتے تھے کہ اس خوفناک منظر کو خاموشی سے دیکھتے رہتے ہماری اس مہیب خاموشی میں خلل انداز ہونے والی فقط ایک آواز تھی اور وہ اُن شہتیروں کے گرنے کی تھی جو ایک ایک کر کے جل کر خاک ہونے جاتے تھے۔

دو بجے صُبح تک آگ خود بخود فرو ہو گئی اور ہم آرام کرنے چلے گئے۔ علی الصُّبح میں کشتی کے ذریعہ یہاں آیا تاکہ آپ کو اس جانکاہ حادثہ کی خبر دُوں۔

تمام عمارت اور جو کچھ بھی اُس میں تھا تباہ ہو گیا ہے کیونکہ ایسے خوفناک جہنّم میں سے کچھ نہ بچ سکتا تھا۔ ولائتی کاغذ کا نُقصان بہت زبردست ہے کیونکہ ہمارے گودام میں کاغذ کا اس قدر ذخیرہ کبھی رہا نہ تھا جتنا کل تھا۔ گذشتہ ہفتہ میں سنگھائی اور تامل کے نئے عہدناموں کے لئے ایک ہزار ریم (REAM) آئے تھے......۔ پھر تامل اور چینی زبانوں کے ٹائپ جو حال ہی میں تیّار کئے گئے تھے بالکل پگھل گئے۔ یہ نُقصان بھی بہت زبردست ہے۔ لیکن خُدا کا شکر ہے کہ کسی جان کا نُقصان نہیں ہُوا حالانکہ کئی جانیں خطرہ میں تھیں۔ خاص کر وارڈ یار رہا اپنی جان پر کھیل گیا۔

ہم کو یہ معلوم نہیں کہ آگ کیسے لگی۔ شاید کسی مزدُور کے حُقّہ سے کوئی چنگاری پہنچ گئی ہو یا کسی ہندو کو اس پر غُصّہ آ گیا ہو کہ مسیحیوں کی مذہبی کتاب اُس کے ملک کی زبانوں میں کیوں چھپ رہی ہے۔"

یہ تھی مارشمین کی دِلسوز کہانی۔

لیکن بہادروں پر جب مُصیبت آتی ہے تو وُہ ایک عجیب شان سے اُس کی برداشت بھی کرتے ہیں۔ چُنانچہ کیری دُوسرے دن کے لئے رُخصت حاصل کرنے کی غرض سے فورٹ ولیم کالج گیا۔ وہاں پروفیسر کولبرُوک (PROF. COLEBROOKE) نے اُس کو تسلّی دی کہ "خواہ

انسان شروع میں کتنا ہی غم و غصہ محسوس کرے لیکن جب اُس کو ایک ہی راستہ پر دوبارہ سفر کرنا پڑتا ہے تو اُس کا دُوسرا سفر زیادہ اطمینان اور آسانی سے مکمّل ہو جاتا ہے۔"

کیری نے کولبروک کے ان الفاظ کو خُوب یاد رکھا اور بار ہا ان کو دوہرایا کرتا تھا۔ اُس نے اپنے دل کو یہ کہہ کر سمجھایا کہ اس حادثہ کی وجہ سے اُس کی گرامر۔ ڈکشنریاں اور تراجم کو فائدہ ہی پہنچے گا۔ مارشمین نے بھی ہمّت نہ ہاری بلکہ کیری کو خبر کرنے کلکتہ گیا تھا کہ اپنا پیغام پہنچانے کے بعد ہی شہر میں گشت لگائے تاکہ چھاپنے کا جو بھی سامان مل سکے اُس کو خرید لے۔ اُسی دن ڈاک کا جہاز بھی جانے والا تھا لہٰذا مارشمین نے رائیلینڈ (RYLAND) کو بھی ایک خط لکھ بھیجا۔ اس خط میں اُس نے ایک حیرت انگیز جُراُت اور اولوالعزمی کا انکشاف کیا ہے کیونکہ وُہ لکھتا ہے کہ:۔

"یہ بھی خُدا کا ایک طریقۂ آزمائش ہے جس کے ذریعہ وُہ چاہتا ہے کہ ہم اُس پر مکمّل بھروسہ رکھنا سیکھیں کیونکہ اُس کا کلام آسمان کے ستُونوں سے زیادہ مضبوط اور پائیدار ہے اور یہ اُسی کا انتظام ہے کہ "سب چیزیں مل کر خُدا سے محبّت رکھنے والوں کے لئے بھلائی پیدا کرتی ہیں"[1] لہٰذا آپ خُداوند سے تقویت کی استدعا کیجئے، وُہ اپنے کام کو کبھی فراموش نہ کرے گا۔"

کیری کا بھتیجا یوسٹس کیری (EUSTACE CAREY) اُس زمانہ میں مشنری بننے کا ارادہ کر رہا تھا۔ کیری نے ایک شب پیشتر اُس کو مندرجہ ذیل باتیں لکھنی شروع کی تھیں:۔

"خواہ تم ہندوستان آؤ یا نہ آؤ لیکن یہ خیال ضرور رکھو کہ تمہارے لئے بہترین خدمت یہی ہو سکتی ہے کہ تم انجیل کی اشاعت میں مصرُوف رہو۔ حلیم الطبع ہو اور خدا پر بھروسہ رکھو اور اُس کے جلال کو ظاہر کرنا تمہارا واحد مقصد ہو۔ اس طرح اگر تم اُس کی خدمت کرو گے تو وُہ ضرور تم پر اپنی برکت نازل کرے گا جس کسی کو خُدا نے یہ اہلیّت دی ہے اُس کا فرض ہے کہ وُہ اس خدمت کو بجا لائے۔ اُس کے لئے اور کوئی راستہ ہو ہی نہیں سکتا .... اس وقت تمام دُنیا میں انجیل کی اشاعت کرنے کے لئے جس قدر کارگزاروں کی ضرورت ہے اُن کا شمار یقین کی حد سے تجاوز کرتا ہے۔ جتنے لوگ آج اس خدمت میں مصرُوف ہیں اُن کے علاوہ اگر پچاس ہزار ۵۰۰۰۰ اور اسی خدمت میں مصروف ہو جائیں تو تمام کارگذار اتنے قلیل ہوں گے کہ اُن کی موجودگی

[1] رومیوں ۸ باب ۲۸ آیت۔

محسُوس بھی نہ ہوسکے گی۔ یقیناً "فصل تو بہت ہے لیکن مزدور تھوڑے ہیں"۔
اس خط کے اختتام پر کیری نے درد بھرے دل سے یہ عبارت بھی قلمبند کی ہے:۔
"مَیں نے یہ خط کل رات شرُوع کیا تھا۔ آج صُبح نہایت عُجلت میں یہ الفاظ اس میں شامل کرتا ہُوں کیونکہ مجھے ابھی ایک نہایت دردانگیز سانحہ کی اطلاع ملی ہے جو کل رات مشن کو پیش آیا۔
ہمارا چھاپہ خانہ مع ساٹھ ستّر ہزار روپے کے سامان کے نذرِ آتش ہوگیا ہے سوائے چھاپنے کی مشینوں کے کوئی کارآمد شئے نہ بچ سکی۔ یہ ایک زبردست صدمہ ہے کیونکہ اب عرصۂ دراز تک پاک کلام کی طباعت و اشاعت معرضِ التوا میں پڑ جائیگی۔ ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ بارہ۱۲ ماہ کی محنت کے بعد بھی ہم اپنی گذشتہ حالت پر واپس نہ آسکیں گے۔
اس کے علاوہ سامان اور قلمی نسخوں کا ایسا نُقصان ہے جس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔ اس وقت مَیں چاہتا ہُوں کہ مَیں بھی زبُور نویس کی طرح "تھم جاؤں اور جانوں کہ وُہ خُدا ہے" اور ہر بات میں اُس کی مرضی کے آگے سرِ تسلیم خم کروں۔ وُہ یقیناً اس حادثہ سے بھلائی پیدا کرے گا اور اسی کے وسیلہ سے اپنے کام کو فروغ دے گا لیکن اس وقت اُس کا چہرہ قہر آلُودہ معلُوم ہوتا ہے کسی جان کا نُقصان نہیں ہُوا اور نہ ہی ابھی تک یہ معلُوم ہوسکا ہے کہ آگ کس طرح لگی"۔
اس کے بعد ہی کیری مارشمین کے ہمراہ کشتی کے ذریعہ سیرامپور پہُنچا۔ مارشمین نے راستہ میں انجیل کے وُہ الفاظ دُہرائے جن سے اُس نے گذشتہ چند ہفتوں کے صدموں میں اور خاص کر اپنے عزیز بچّہ کی وفات کے وقت تسلّی اور سکُونِ قلبی حاصل کیا تھا یعنی "جو ڈالی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھل لاتی ہے اُسے (وُہ) چھانٹتا ہے تاکہ زیادہ پھل لائے"۔
(دیکھو یُوحنّا ۱۵ باب ۲ آیت) مارشمین کا بیان ہے کہ "کل رات جب عمارت کو بچانے کی کوئی اُمّید باقی نہ رہی تو یہ آیت معاً مجھے یاد آئی اور ان الفاظ سے مجھے فوراً تسلّی اور اطمینان حاصل ہوگیا۔ مَیں نے محسُوس کیا کہ یہ آیت ہی اس حادثہ کی کُنجی ہے۔ اس کے ذریعہ مَیں نے اپنی خواہش کو خُدا کی مرضی کے تابع کرنے کی توفیق حاصل کی ہے۔ یہی نہیں بلکہ مجھے یہ طاقت بھی ملی ہے کہ مَیں خندہ پیشانی سے حیثیتِ خداوندی کے آگے سر جھکاؤں

کیونکہ مجھے یقین ہوگیا ہے کہ یہ آتشزدگی بربادی کا باعث نہیں ہوگی بلکہ ایک تنبیہہ کی حیثیت رکھتی ہے تاکہ ہم اور بھی زیادہ مستعدی سے کام کریں۔

اور کیری کا بیان ہے کہ اُس نے اپنے بھتیجے کو خط میں زبُور نویس کے جو الفاظ لکھے تھے اُن سے اُس کو بہت اطمینان حاصل ہُوا۔ پھر اس خط کا مضمون اُوپر نقل کرچکے ہیں اور ناظرین کو یاد ہوگا کہ کیری نے زبُور نویس کے ان الفاظ کی طرف اشارہ کیا تھا "تھم جاؤ اور جانو کہ مَیں خُدا ہُوں"۔

سیرامپور ریبن مشن کے معاملہ کا نظارہ نہایت حسرتناک تھا۔ آگ ابھی تک سُلگ رہی تھی لیکن وارڈ خلافِ توقع بہت خُوش نظر آتا تھا۔ اُس نے سُلگتے ہُوئے کھنڈرات کو کھود کر ٹائپ بنانے کے سانچے صحیح وسالم نکال دیئے تھے۔ اس مجموعہ میں ہندوستان کی چودہ مختلف زبانوں کے چار ہزار سانچے تھے اور ان پر وارڈ نے دس سال مسلسل محنت کی تھی۔ تعجّب کی بات تھی لیکن مسرّت کا مقام تھا کہ ان میں سے ایک کو بھی کوئی گزند نہ پہنچا تھا۔ وارڈ کہتا ہے کہ میری نظر میں یہ خُدا کا صاف اور صریح اشارہ تھا کہ "ہمّت نہ ہارو"۔ سانچے مل ہی گئے تھے۔ پگھلے ہُوئے ٹائپ کا سیسہ بھی راکھ میں سے چھان کر نکالا جاسکتا تھا۔ پھر دوبارہ ٹائپ ڈھالنے کا کام فوراً کیوں نہ شرُوع کردیا جائے؟ اس کے علاوہ کاغذ بنانے کی مشین کو بھی کوئی ضرر نہ پہنچا تھا اور چھاپنے کی مشینیں جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے، بچ ہی گئی تھیں۔ ان تمام ہمّت افزا اتفاقات کے پیشِ نظر وارڈ ایک ماہ کے اندر ہی باقاعدہ چھپائی کا کام جاری کرنے کے نہ صرف منصُوبے بلکہ انتظامات بھی مکمّل کرچُکا تھا!!! دوبارہ عمارت تعمیر کرنے کی بھی سردست ضرُورت نہ تھی کیونکہ ایک ہفتہ پیشتر ہی "پامر اینڈ کمپنی" (PALMER AND CO.) نے ان کا گودام خالی کردیا تھا۔ اس کے کرایہ کا جو نُقصان ہونے کا احتمال تھا اُس کی وجہ سے یہ اس وقت تو رنجیدہ ضرُور ہُوئے تھے لیکن اب وُہ محسُوس کررہے تھے کہ خُدا کو کیا منظُور تھا۔ یہ گودام آتش زدہ عمارت سے کہیں زیادہ وسیع تھا لہٰذا اس میں کام کو فروغ بھی دیا جاسکتا تھا!!! یہ تمام باتیں تھیں جو وارڈ نے مارشمین کی غیر موجودگی میں اپنے ذہن میں دُہرائیں اور ان کی وجہ سے وُہ اس قدر خُوش وخرّم نظر آتا تھا۔ وُہ خُدا کی بخششوں اور اُس کی مہربانیوں پر نظر کرتا تھا۔ اُس کے رحم وکرم پر بھروسہ رکھتا تھا اور اس صدمۂ جانکاہ میں بھی وُہ خُدا کی اُن برکتوں کی یاد سے

خُوشی حاصل کر رہا تھا۔

سیرامپور کے پریس میں تقریباً ساٹھ آدمی کام کرتے تھے۔ دُوسرے ہی دن ان سب کو جمع کیا گیا۔ پنڈتوں کو حکم دیا گیا کہ جو ترجمے تباہ ہو گئے ہیں اُن کو دوبارہ شرُوع کر دیں ۔ ٹائپ ڈھالنے والوں کی ٹولیاں بنا دی گئیں تاکہ ٹائپ تیار کرنے کا کام دن رات جاری رہے کمپوزیٹر، مشین چلانے والوں اور جلد سازوں کو ایک ایک ماہ کی تنخواہ پیشگی دے کر گھر بھیج دیا گیا اور تاکید کر دی گئی کہ ایک ماہ بعد تازہ دم ہو کر کام پر حاضر ہو جائیں۔

اس کام سے فارغ ہو کر کیری، مارشمین اور وارڈ نے نُقصان کا جائزہ لینا شرُوع کیا۔ سب سے زبردست اور ناقابلِ تلافی نُقصان اُن قلمی نُسخوں کا تھا جو پریس میں زیرِ طبع تھے۔ اس معاملہ میں کیری ہی کا نُقصان سب سے زیادہ ہُوا۔ ہندوستان کی ہر زبان کے ترجموں کے حصّے کناری زبان کا مکمّل نیا عہدنامہ۔ سنسکرت کے پُرانے عہدنامہ کی دو کتابیں۔ بنگالی ڈکشنری کے متعدّد صفحات۔ تلگو گرامر کا مکمّل نسخہ اور پنجابی گرامر کا بیشتر حصّہ۔ رامائن کے ترجمہ پر ایک سال کی سخت محنت کا حاصل۔ اور ——— سب سے بڑا نقصان ——— سنسکرت کی اُس عظیم الشّان ڈکشنری کا ایک ایک ورق جس کو اُس نے نہایت جانفشانی اور تندہی سے کئی سال میں تیّار کیا تھا، سب جل کر خاک ہو گئے۔ یہ صدمہ دراصل ناقابلِ برداشت تھا اور خاص کر سنسکرت کی ڈکشنری کا ضائع ہونا کیونکہ اگر یہ مجوزہ ڈکشنری تیّار ہو کر شائع ہو جاتی تو ولیم کیری کا نام دُنیا کے علمائے لسانیات کی فہرست میں سب سے بلند مقام پر فائز ہوتا۔

ولائتی کاغذ کے ایک ہزار چار سَو ریم تباہ ہوئے۔ اس کے علاوہ ان کا اپنا تیّار کردہ کئی من کاغذ جل گیا۔ چار ہزار چار سَو پونڈ وزن کا ٹائپ تلف ہو گیا۔ عبرانی۔ یونانی۔ فارسی۔ عربی اور تامل زبانوں کے ولائتی ٹائپ پگھل گئے۔ ان کے اپنے تیّار کردہ ناگری۔ تلگو۔ بنگالی۔ برمی۔ مرہٹی۔ پنجابی۔ اُوڑیہ۔ تامل چینی اور کشمیری زبانوں کے کل ایک سَو چار مجمُوعے (FOUNTS) تباہ ہُوئے۔

عمارت۔ کتابیں۔ چھاپنے کا سامان اور دیگر اوزاروں وغیرہ کو ملا کر اس حادثہ کی وجہ سے کل تقریباً دس ہزار پونڈ کا مالی نقصان ہُوا۔

اُسی شام پادری ٹامسن (REV. THOMPSON) صاحب تشریف لائے۔ اُن کا بیان ہے کہ :-

"۱۸۱۲ء کا منحوس سال ایک زبردست زلزلہ کے ساتھ شروع ہُوا۔ اس سے پہلے ایک ہیبت ناک آواز تھی۔ اُس کے بعد مکان ہلنے لگا۔ دیواروں کے سہارے لٹکے ہُوئے لیمپوں میں سے تیل تک چھلک گیا۔ پرندوں کی آوازیں بھی خوفناک معلُوم ہوتی تھیں۔ تمام ہندوستانی آبادی اپنے دیوتاؤں کے نام پُکارتی گھروں سے باہر بھاگ کھڑی ہُوئی۔ ان تمام باتوں کا مجمُوعی اثر نہایت بھیانک اور مہیب تھا۔ ہم سب نے چھیالیسواں[۴۶] زبُور پڑھنا شرُوع کر دیا۔

اس خوفناک زلزلہ کے بعد ہی وُہ تباہ کُن حادثہ پیش آیا یعنی سیرامپور کی آتشزدگی۔ جب مجھے اس کی خبر ملی تو مَیں نے مُشکل سے اس کا یقین کیا۔ مجھے ایسا معلُوم ہوتا تھا کہ کسی نے میرے سر پر اس زور سے ہتھوڑے کی ضرب لگائی ہے کہ میرے حواس باختہ ہو گئے ہیں۔

خیر۔ مَیں اس آگ کی تباہ کاریوں کا معائنہ کرنے سیرامپور گیا۔ وہاں جو نظارہ دیکھنے میں آیا وُہ درحقیقت دِلسوز تھا۔ ایک وسیع چھاپہ خانہ کی عمارت جس کا طول دو سو[۲۰۰] فٹ اور عرض پچاس[۵۰] فٹ تھا آنِ واحد میں جل کر خاک سیاہ ہو گئی۔ تمام میدان میں جلے ہُوئے کاغذ بکھرے پڑے تھے۔ اس کاغذ ہی کے جلنے سے زبردست نُقصان ہُوا ہے۔ سُلگتے ہُوئے اس راکھ کے ڈھیر پر کیری اور میں ہاتھ میں ہاتھ دیئے گھُوم رہے تھے۔ اُس کی آنکھوں میں آنسُو ڈبڈبا رہے تھے جب "ایک ہی شام میں" اُس نے بھرّائی ہوئی آواز سے کہا "ایک ہی شام میں برسوں کی محنت خاک میں مِل گئی!!! خُدا کے راستے کیا ہی عجیب ہیں!!! تھوڑے ہی دن ہُوئے کہ مَیں نے چند چیزوں کو کمال کے اُس درجہ تک پہُنچا دیا تھا جہاں تک مَیں اُن کو لے جا سکتا تھا۔ شائد مَیں نے اس کی وجہ سے دل میں غرُور یا گھمنڈ کیا ہو گا خُدا نے مُجھ کو نیچا دکھایا ہے تاکہ آیندہ مَیں اُس پر زیادہ حلیمی سے بھروسہ رکھوں۔"

ٹامسن صاحب مزید لکھتے ہیں:۔

وُہ کون انسان ہے جو ایسے مقام پر ایسی حالت میں ایسے شخص کے ساتھ کھڑا ہو اور اپنے دل میں سخت افسوس اور انتہائی رنج محسُوس نہ کرے؟ جن کاغذوں پر

چند ماہ کے اندر زندگی کا کلام چھپنے کو تھا وہ آج ہمارے قدموں کے نیچے راکھ کی صورت میں پڑے تھے جو ٹائپ خداوند کی خدمت میں نہایت خلوص دلی سے مخصوص کئے گئے تھے وہ اس خاک کے ڈھیر کے نیچے پگھلے ہوئے سیسہ کی شکل میں پڑے تھے۔ چند گھنٹے پیشتر یہ تمام چیزیں خوشگوار تھیں۔ واقعات سے ہمت افزائی ہوتی تھی لیکن اب ــــــ سب کچھ دھوئیں کی شکل بن کر غائب ہو گیا ہے یا گوڑا بن کر رہ گیا ہے!!!"

اسی رات ان سب نے مل کر خدا کے حضور اُن تمام برکتوں کے واسطے خاص شکریہ ادا کیا جن کو کوئی دُنیوی آگ بھسم نہیں کر سکتی تھی۔ یعنی بارہ[۱۲] سال کے عرصہ میں گیارہ[۱۱] شخص کا پر مشتمل ایک کلیسیا نے اتنی ترقی حاصل کر لی تھی کہ اب گیارہ[۱۱] کلیسیائیں قائم ہو چکی تھیں جن کی اوسط شراکت تینتیس[۳۳] تھی۔ کلکتہ کی کلیسیا کے شرکا گذشتہ ایک سال میں دو گنے ہو گئے تھے اور اب اُس میں کُل ایک سو دس شرکا تھے۔ ان کا ایک نو مُرید لیونارڈ (LEONARD) ایک نہایت اثر آفریں واعظ ثابت ہو رہا تھا۔ ان کے مدرسوں میں بھی ساڑھے تین سو[۳۵۰] بچے تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ جیسور کا کام ترقی پر تھا۔ چیمبرلین (CHAMBERLAIN) آگرہ میں مقیم تھے۔ پیٹر (PETER) اوڑیسہ میں خدمت کر رہے تھے۔ چیٹر (CHATER) لنکا جا رہے تھے (جہاں بالآخر اُنہوں نے پہلی پروٹسٹنٹ (PROTESTANT) کلیسیا کی بُنیاد ڈالی)۔ رابنسن (ROBINSON) جاوا (JAVA) کی تیاری کر رہے تھے اور نارمن کر (NORMAN KERR) رنگون جانے کے انتظامات میں مصروف تھے۔ فیلکس (FELIX) برما میں نہایت کامیاب خدمت کر رہا تھا اور کیری کے سب سے چھوٹے بیٹے جونتھن (JONATHAN) کا بپتسمہ ہو چکا تھا۔ یہ تمام بھی کیری۔ مارشمین اور وارڈ ہی کی خدمت کے پھل تھے۔ ان ہی کی محنتِ شاقہ کا نتیجہ تھا کہ کام کو اس قدر وسعت حاصل ہوئی تھی اور اس قدر ہمت کو دوبالا کرنے والے واقعات رونما ہوئے تھے۔ یہ ایسے نتائج تھے جن کو کسی آگ سے ضرر نہ پہنچ سکتا تھا لہذا کیری اور اُس کے ہم خدمتوں نے پریس کی آتش زدگی کے باوجود ان برکات کو یاد کر کے ان کے لئے شکریہ ادا کیا۔

اُس اتوار کیری کے وعظ کے لئے ایک ہی آیت منتخب ہو سکتی تھی یعنی "**تھم جاؤ اور جانو کہ مَیں خدا ہوں**" اور اسی کو اُس نے اپنے وعظ کی سندی آیت بنایا۔

دُوسرے ہی ہفتہ سے ان کو امداد ملنی شروع ہو گئی۔ اس میں خطوط۔ نقدی۔ چھاپنے کا سامان اور اسباب وغیرہ شامل تھے۔ کیری کے فورٹ ولیم کالج کے طالب علموں نے ہی ایک ہزار دو سو روپے چندہ جمع کر کے روانہ کر دیئے اس کے علاوہ چیپلین ٹامسن۔ جارج اُوڈنی (GEORGE UDNY) جان ایلرٹن (JOHN ELERTON) جیلر گارڈن (JAILER GORDON) اور کیری کی تبلیغی انجمن کے دُشمن میجر سکاٹ ویئرنگ (MAJOR SCOTT WARING) کے فرزند وغیرہ نے بھی چندہ جمع کیا۔ مارشمین کے سکول میں جاوا کا ایک شہزادہ تعلیم پاتا تھا۔ اُس نے بھی امداد کی اور اس طرح کل سات ہزار روپے کی رقم جمع ہو گئی۔ کلکتہ کے ایک رسالہ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا:۔

"سیرامپور کے مشنری اپنے خدمت کے جوش اور صبر کے واسطے مشہور ہیں۔ آلام و حوادث اُن کے شوق کو بڑھاتے ہیں......... ہم یقین کرتے ہیں کہ اُن کا چھاپہ خانہ جو نذرِ آتش ہو گیا تھا قفنس پرند کی طرح اپنی خاک سے دوبارہ پیدا ہو گا اور اُس کے بازوؤں میں پہلے سے بھی زیادہ طاقت ہو گی تاکہ وُہ اور بھی زیادہ بلند پرواز کر کے علم کے افاضات و برکات کو تمام مشرق میں پھیلا سکے۔"

ان کا کام اس سُرعت سے ہو رہا تھا کہ جولائی کے آخر میں وُہ اس لائق ہو گئے کہ بنگالی۔ سنسکرت۔ ہندی۔ پنجابی۔ مرہٹی۔ اُوڑیہ اور تامل زبانوں میں دوبارہ باقاعدہ چھپائی کا کام شروع کر دیں۔ سنگھائی کا ٹائپ تقریباً مکمل ہو چکا تھا اور فارسی ٹائپ کا بھی ایک بیشتر حصّہ تیّار ہو گیا تھا۔ سال کے اختتام پر اُنہوں نے وُہ تمام ٹائپ تیّار کر لئے جو برباد ہو گئے تھے بلکہ تامل ٹائپ کا ایک مجموعہ ٹرانکوبار (TRANQUE BAR) میں بھی بھیج دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس سے بہتر ٹائپ ٹرانکوبار میں پہلے کبھی دیکھنے میں بھی نہ آیا تھا۔ اپریل میں ان کے چھاپہ خانہ میں جتنی زبانوں میں کتابیں چھپنے لگیں اُتنی آتشزدگی سے پہلے بھی نہ چھپتی تھیں۔ اور چونکہ ایک مرتبہ پہلے تمام کتابوں کے ترجمے ہو چکے تھے لہٰذا اُسی کام کو دوبارہ کرنے میں آسانی بھی ہو گئی اور زبان میں روانی بھی پیدا ہو جانے کی وجہ سے کیری کو نظرِ ثانی میں بھی زیادہ وقت صَرف نہ کرنا پڑا۔

مندرجہ بالا تصویر تو کیری کے ہندوستان کے حالات اور کاموں کی تھی۔ اب ہم ذرا انگلستان کی طرف نگاہ اُٹھاتے ہیں کہ اُس ملک میں اس سانحہ کی خبر کے کیا اثرات پیدا ہوئے۔ اس حادثہ کی نسبت کیری نے جو خط ڈاکٹر رائیلینڈ (DR. RYLAND) کو تحریر کیا تھا ذیل میں

درج کیا جاتا ہے:-

"۲۵ مارچ سنہ ۱۸۱۲ء

نقصان زیادہ ہُوا ہے اور اس کے اثرات بھی بہت عرصہ تک باقی رہیں گے۔ لیکن سینکڑوں ایسے امکانات تھے جن کی وجہ سے یہ نقصان ناقابلِ برداشت ہو سکتا تھا۔ خدا نے ہم پر اپنی مار بھیجی ہے۔ اُس کو اس کا حق اور اختیار ہے کیونکہ ہمیں اُس کی تنبیہہ کی ضرورت ہے۔ مَیں اپنے آپ کو اُس کی مرضی پر چھوڑنا چاہتا ہُوں بلکہ خُوشی سے اس کی برداشت کرنے کو تیار ہُوں اور یہ معلُوم کرنے کی غرض سے کہ میری کون سی کوتاہی کی وجہ سے یہ مُصیبت ہم پر آئی ہے مَیں اپنا امتحان سختی سے لُوں گا۔ لیکن مَیں تصویر کے روشن پہلُو پر نظر ڈالنا چاہتا ہُوں۔ اور یہاں مجھے یہ بتانا ہے کہ ہمارے پاس کیا کُچھ بچ گیا ہے اور خُدا کی لاٹھی کی اس ضرب میں اُس کی رحمدلی کے کون کون سے اشارے موجُود ہیں۔ اس لئے مَیں خاص طور پر اُن چیزوں کا ذکر کروں گا۔ جن سے خُدا کے کام میں دلچسپی رکھنے والوں کے دل مسرُور ہوں گے۔

سرسری نظر ڈالنے سے ایسا معلُوم ہوتا تھا کہ ہمارے نُقصان کی تلافی بہُت عرصہ تک نہ ہو سکے گی۔

ہم نے سب سے پہلے تامل زبان کے ٹائپ دوبارہ ڈھالنے شرُوع کئے۔ اس کام کو جاری کئے ایک ہفتہ ہو چُکا ہے اور اُمید ہے کہ اس ہفتہ کے آخر تک یہ کام ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد دیوناگری کے چھوٹے ٹائپ ڈھالے جائیں گے تاکہ کتابِ مُقدّس ہندوستانی میں چھپ سکے۔ پھر سنسکرت کے بڑے ٹائپ تیّار کئے جائیں گے۔ اس تمام کام میں غالباً ایک ماہ کا عرصہ لگ جائے گا۔

بنگالی۔ اُوڑیہ۔ گورمکھی۔ تلنگا۔ سنگھالی۔ مرہٹی۔ برمی۔ کشمیری۔ عربی۔ فارسی اور چینی زبانوں کے ٹائپ سلسلہ وار تیّار کئے جائیں گے اور اُمید ہے کہ چھ یا سات ماہ میں یہ کام مکمّل ہو جائیں گے۔ چینی زبان کے ٹائپ تیّار کرنے میں شاید عرصہ لگ جائے اور ممکن ہے کہ اُس کو دوبارہ مکمّل کرنے میں ایک سال سے بھی زیادہ وقت صَرف ہو۔ مجھے قوی اُمید ہے کہ ہمارے کام میں زیادہ تاخیر نہ ہوگی۔

البتّہ انگریزی زبان کے تمام چھپائی کے کاموں میں ضرُور دیر لگے گی۔ لیکن یہ کام زیادہ

اہمیت نہیں رکھتا۔
کتابوں کے وہ قلمی نسخے جو تباہ ہوئے اُن میں میرا ذاتی نقصان سب سے زیادہ ہے یعنی جو نسخے برباد ہوئے ہیں اُن میں سے زیادہ تر میرے قلم سے لکھے ہوئے تھے۔ میں نے اُن کو اصلاح کر کے طباعت کے لیے تیار کیا تھا۔ یہ تمام کام دوبارہ کرنا پڑے گا لیکن اس کی وجہ سے طباعت کے کام میں کوئی خلل پیدا نہ ہوگا۔

تمام تراجم پہلے پنڈت صاحبان مختلف زبانوں میں لکھتے ہیں سنسکرت کا ترجمہ میں خود ایک محرّر سے لکھواتا ہوں۔
گورمکھی۔ مرہٹی۔ ہندوستانی۔ اُوڑیہ۔ تلنگا۔ آسامی اور کرناٹکی زبانوں کے ترجمے بھی پہلے پنڈت ہی کرتے ہیں۔ یہ لوگ عرصۂ دراز سے اس کام کو کرتے چلے آئے ہیں اس لیے ان کو اس کا کافی تجربہ ہے۔ میں ان کے ساتھ ترجموں کی نظرثانی کرتا ہوں جو کہ زیادہ تر اُس وقت ہوتی ہے جبکہ پہلا پروف پریس سے آتا ہے۔ کام کے مختلف مدارج میں یہی سب سے مشکل درجہ ہوتا ہے۔
سنسکرت میں سمواپل کی دوسری کتاب اور سلاطین کی پہلی کتاب جلی ہیں۔ اُوڑیہ میں تقریباً تمام نسخہ بچ گیا ہے اسی طرح کشمیری اور برمی نسخے بھی تقریباً بالکل محفوظ رہے۔ جو چیزیں برباد ہو گئیں اُن میں مندرجہ ذیل چیزیں شامل ہیں:

میری بنگالی ڈکشنری کے تقریباً تیس صفحات کا قلمی نسخہ۔ تلنگا گرامر کا مکمل نسخہ۔ پنجابی یعنی سکھوں کی زبان کی گرامر کے کئی جزو اور وہ تمام مواد جو میں نے اپنی اُس ڈکشنری کے لیے جمع کیا تھا جس میں سنسکرت سے پیدا ہونے والی تمام زبانوں کے الفاظ شامل کرنے کا ارادہ تھا۔ لیکن اگر عمر نے وفا کی تو جلد ہی میں اس تمام نقصان کو پورا کر لوں گا۔"
یہ خبر انگلینڈ کو ۹ ستمبر کو ملی اور چونکہ فلر (FULLER) کہیں باہر گیا ہوا تھا اس لیے اُس کو ۱۸ ستمبر تک اس کا علم نہ ہو سکا۔ مگر جونہی اُس نے ہندوستان کی "عمیق گہرائیوں" میں اُترنے والے مشنریوں کی "رسّی" کے اس جھٹکے کو محسوس کیا اُس نے کمک پہنچانے میں

تاخیر نہ کی۔ یہ وُہ زمانہ تھا جبکہ انگلستان نپولین (NAPOLEAN) کی مسلسل جنگوں کی وجہ سے پریشان تھا۔ امریکہ بھی برطانیہ کا دُشمن بن رہا تھا اور جنگ کی وجہ سے ملک میں قحط کا سا عالم تھا۔ لیکن کلیسیاؤں نے کمال ایثار سے کام لیا اور تمام انگلستان، سکاٹلینڈ بپٹسٹ۔ فری چرچ۔ کلیسیائے انگلستان وغیرہ سب نے امداد کی۔ فُلر اس کے متعلق لکھتا ہے کہ:۔

"جب اس حادثہ کی خبر ہم کو ملی تو تمام ملک میں تمہارے لئے ہمدردی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اور محض ہماری کلیسیاؤں ہی نے نہیں بلکہ ہر فرقہ کے مسیحیوں نے تمہارے نُقصان کی تلافی کرنے کو ایک دُوسرے سے سبقت لے جانے کی ٹھان لی۔ ناریچ (NORWICH) نے ابھی سوسائٹی کے لئے دوسَو ۲۰۰ پونڈ جمع کئے ہی تھے کہ اُنہوں نے پانچ سو ۵۰۰ پونڈ اور فراہم کر دیئے۔ ۲۰ تاریخ کو مَیں کیمبرج (CAMBRIDGE) میں تھا وہاں مجھے ایک سو پینسٹھ پونڈ ملے۔ بائبل سوسائٹی (BIBLE SOCIETY) نے بھی دو ہزار ۲۰۰۰ ریم کاغذ دینے کا فیصلہ کیا ہے اور لندن مشنری سوسائٹی (LONDON MISSIONARY SOCIETY) نے ایک سوگنی کا وعدہ دیا ہے۔"

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل فہرست ناظرین کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگی:۔

		پنس	شلنگ	پونڈ
نارتھیمپٹن	(NORTHAMPTON)	۰	۔۔۔	۱۷۰
کیٹرنگ	(KETTERING)	۰	۔۔۔	۱۶۰
موُلٹن	(MOULTON)	۔۔۔	۔۔۔	۵
ایڈنبرگ	(SDINE[illegible]RGH)	۔۔۔	۰	۸۰۰
گرینوک	(GREENOCK)	۔۔۔	۰	۱۷۰
برسٹل	(BRISTOL)	۔۔۔	۰	۴۰
برمنگھم	(BIRMINGHAM)	۰	۔۔۔	۳۲۰
لیسٹر	(LIECESTER)	۔۔۔	۰	۳۰

اس ضمن میں فُلر رقمطراز ہے:۔

"یہ خُدا کا کام ہے اور مجھے کوئی تعجب نہ ہوگا اگر اڑھائی ۲۵ سو دن کے اندر تمام نُقصان کی

مکمل تلافی ہو کر مسیح کے دشمنوں کے دانت کھٹے نہ ہو جائیں۔"

لیکن انگلستان نے اڑھائی سو دن نہیں بلکہ ساٹھ دن کے اندر اس عظیم نقصان کی تلافی کر دی۔ ڈاکٹر کاکس (Dr. Cocks) کہتے ہیں کہ کمیٹی کا اجلاس فراہم کھا کہ فلر داخل ہوا۔ مسرت اور اطمینان اُس کے چہرہ پر عیاں تھے۔ آتے ہی اُس نے کہا "بھائیو! رقم حسب ضرورت جمع ہو چکی ہے لیکن لوگ اب بھی اس قدر جوش اور شوق سے امداد کر رہے ہیں کہ ہمارا فرض ہے کہ ایک اعلان کر دیں کہ ہماری ضرورت اب پوری ہو چکی ہے۔

مشنریوں کے کام کی وسعت کو روز روشن میں لانے کے لئے کسی ایسے ہی عجیب اور مہیب حادثہ کی ضرورت بھی تھی۔ لوگ یہ سُن کر حیرت زدہ رہ گئے کہ مشن کا کام اس قدر وسیع ہے کہ ایک ہی عمارت میں اُن کا دس ہزار پونڈ تک کا نقصان ہو گیا!!! مگر سب سے زیادہ حیرت انگیز امر اُن کے لئے یہ تھا کہ کیری اور اُس کے ساتھی بیک وقت اتنی زبانوں میں ترجمے کرتے اور کتابیں لکھتے تھے۔ ابھی تک لوگوں نے محض کانوں ہی سے سُنا تھا۔ اور اس کی نوعیت پر غور نہ کیا تھا۔ لیکن اس حادثہ نے سب پردوں کو اُٹھا دیا اور اُن کو خواب غفلت سے بیدار کر دیا۔ اس بھڑکتی ہوئی آگ کی روشنی میں اُنہوں نے کیری کے کام کی عظمت کو دیکھ لیا۔ اس سانحہ کی وجہ سے مشن کے مخالف بھی مشن کے ہمدرد اور خیر خواہ بن گئے، اور سیرامپور کی شہرت اس قدر بڑھ گئی کہ عوام نے فلر کو مجبور کر دیا کہ نوجوانوں کے نئے قائد ولیم کیری کی ایک تصویر تیار کروائی جائے۔ اس تصویر کا ذکر ہم چودھویں[۱۴] باب میں کر چکے ہیں۔

بیسواں باب

کیری کی خدمت النّاس

ہم کسی گذشتہ باب میں ظاہر کر چکے ہیں کہ اٹھارھویں صدی کے اختتام پر کیری نے ہندو مت کا جو نمونہ دیکھا تھا وُہ شاید اُس مذہب کا بدترین پہلو تھا۔ پُرانوں کے اصُولوں اور برہمنوں کے مظالم نے بتدریج ہندو سماج میں ایک کرم پیدا کر دیا تھا جو رفتہ رفتہ اُس کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہا تھا۔ اورنگ زیب کی وفات سے وارن ہیسٹنگز (WARREN HASTINGS) کے عہد اور کارنوالس (CORNWALLIS) کی اصلاحات تک تقریباً ۷۵ سال کا عرصہ ہوتا ہے۔ اس عرصہ میں ہندوستان میں جو صُورتِ حال رہی اُس کو ایک قسم کی مذہبی ابتری کہا جا سکتا ہے۔ مُسلمانوں کے درمیان اورنگ زیب کے زمانہ میں ہندوؤں کی بُت پرستی کے خلاف ایک نہایت قابلِ تحسین جذبہ پیدا ہو گیا تھا لیکن اس مُغل شہنشاہ کی وفات کے بعد یہ جذبہ بھی رفتہ رفتہ فرو ہو گیا اور حالات اس قدر خراب ہو گئے کہ بُت پرستی کی علانیہ ہمت افزائی ہونے لگی کیونکہ ایک طرف تو مرہٹوں کا بڑھتا ہُوا اقتدار تھا اور دُوسری طرف ایسٹ انڈیا کمپنی (EAST INDIA COMPANY) کے افسران کی ہندو نوازی۔ اگر ان تمام باتوں کا اثر سرزمینِ انگلستان تک نہ پہنچا اور ہندوستان سے واپس لوٹنے والے انگریز افسران کی علانیہ بُت پرستی۔ زناکاری۔ عیاشی۔ اُن کی داشتہ عورتیں۔ اُن کی نوابی شان اور اُن کی بے انتہا دولت وغیرہ انگلستان کی مجلسی زندگی پر اثر انداز نہ ہُوئیں تو اس کی خاص وجہ مختلف گورنر جنرلوں کے نافذ کردہ قوانین تھے۔ لیکن ان قوانین کے پسِ منظر میں کیری اور ڈف (DUFF) جیسے مشنریوں کی سرگرمیاں خوب کام کر رہی تھیں۔ جس وقت انگلستان اخلاقی تباہی اور رُوحانی موت کا مقابلہ کر رہا تھا اُس وقت اُس ملک کی امداد کے لئے ہندوستان میں تو تنہا ولیم کیری اور اپنے وطن میں گرانٹ (GRANT) اور ولبر فورس (WILBERFORCE) محافظ بن کر جم گئے اور جُرأت اور دلیری سے کام لے کر اپنے وطن کے

نام و ناموس کو اُجاگر کرنے لگے۔

باب ہذا میں ہمارا خاص مقصد اُن خدماتِ خلق کا ذکر کرنا ہے جو ولیم کیری نے اپنے چہل سالہ قیامِ ہند کے دوران میں اس ملک کے لاتعداد باشندوں کے حق میں کیں۔ یہ ہم بتا چکے ہیں کہ کیری اپنے مکان پہ اور لال بازار کی عبادت گاہ میں غریب مریضوں کو مُفت دوائیں تقسیم کرتا اور تکلیف زدہ اور غلاظت و تعفّن سے بھرے ہُوئے مردوں، عورتوں اور بچّوں کو جسمانی تکالیف سے آرام دینے کے لئے مدد و امداد کیا کرتا تھا۔ یاد رہے کہ یہ خدمت کیری نے اُس زمانہ میں کی جبکہ دریائے گنگا کے گھاٹوں پر قتل و خون کا بازار گرم تھا۔ "دیندار" ہندو اس وہم میں مبتلا تھے کہ گنگا مائی کے پانی میں تمام بیماریوں سے شفا بخشنے کی قوت ہے اس لئے ہزاروں قریب المرگ مریضوں کو گنگا کے کنارے لیجا کر اُن کا علاج کیا جاتا تھا۔ بیکس اور کمزور مریضوں کو اس طرح دریا کے کنارے پہنچا کر اپنے اوہام اور اپنی جہالت کی وجہ سے مضحکہ خیز طریق سے ان بیچاروں کا علاج کرنا اگر ان مظلوموں پر فتویٰ موت صادر کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟ بے شمار مریضوں کی موت محض اس وجہ سے واقع ہوتی تھی کیونکہ اُن کا خاطر خواہ علاج نہیں ہو سکتا تھا یہ کام عموماً اُن کے رشتہ دار اور "خیر خواہ" دوست ہی کیا کرتے تھے۔ اس ضمن میں کیری کے ہمخدمت وارڈ (WARD) کا اندازہ ہے کہ وہ مریض جن کی موت محض گنگا کنارے لے جانے سے واقع ہوتی ہے یا جن کی موت میں اس ایک وجہ سے عُجلت پیدا ہو جاتی ہے کم از کم پانچ سو (۵۰۰) فی سال تھی۔ اس تخمینہ کے ساتھ ساتھ وارڈ یہ بھی کہتا ہے کہ میں "وہم پرستی جیسی چیز کو بھی مکروہ ثابت کرنے کی غرض سے کوئی ناجائز طریقہ استعمال نہ کروں گا"۔ گویا کسی جھوٹ یا مبالغہ وغیرہ کو اپنے بیان میں جگہ نہ دوں گا۔ یہ امر سب پر عیاں ہے کہ توہم پرست والدین آج کل بھی اپنے معصوم بچّوں کے علاج کے لئے کیا کچھ کرتے ہیں۔ دواخانوں اور ہسپتالوں کی افراط کے باوجود گنڈے، تعویذ، ٹونے ٹوٹکے، جادو اور منتر وغیرہ کی وجہ سے اس زمانہ میں بھی کتنی معصوم جانیں ناحق تلف ہوتی ہیں۔ موجودہ زمانہ کے اعداد و شمار کے مقابلہ میں وارڈ کا تخمینہ یقیناً مبالغہ آمیز نہیں ہے، اور اُس زمانہ میں غرباء کو مُفت دوائیں تقسیم کرنا ولیم کیری ہی کا کام تھا۔

لیکن ایک خاص قسم کے مریض بھی تھے جن کے ساتھ مسیح نے خاص ہمدردی رکھی اور جن پر اُس کی خاص نظرِ عنایت بھی تھی یعنی وہ لوگ جنکو کوڑھی کہا جاتا ہے۔ اپنے ملک کے نقشِ قدم

پر چلتے ہوئے اُس کے خادم ولیم کیری نے بھی اُن کو اپنی توجّہ کا مرکز بنایا۔ اُس کے ایک فرزند کا نام بھی ولیم کیری ہی تھا۔ یہ کٹوا کے مقام پر مشنری تھے ستمبر ۱۸۱۲ء میں اُنھوں نے اپنے والد کو ایک خط لکھا جس کا مضمون مندرجہ ذیل ہے:۔

"ایک دس ہاتھ کے گہرے گڑھے میں آگ بھڑکی گئی اور وُہ غریب (یعنی ایک کوڑھی) بصد مُشکل لڑھکتا ہُوا اُس آگ کے اُوپر جا پڑا لیکن جب اُس کا جسم جلنے لگا تو اُس نے پاس کھڑے ہُوئے لوگوں سے منّت کی کہ اُس کو نکال لیں۔ جب کسی نے اُس کی نہ سُنی تو وُہ خُود ہی تڑپ کر گڑھے میں سے باہر نکل آیا۔ اُس کی ماں اور بہن قریب کھڑی تھیں۔ انہوں نے فوراً اُس کو واپس آگ میں دھکیل دیا اور اس طرح ایک ایسا شخص زندہ پھُونک دیا گیا جو بظاہر کئی سال اور زندہ رہ سکتا تھا۔ مُجھے یہ معلُوم ہُوا ہے کہ ان علاقوں میں یہ رواج بہُت عام ہے۔

کوڑھیوں کو یہ سمجھایا جاتا ہے کہ آگ کے ذریعہ اپنے آپ کو قُربان کر دینے سے اُن کا پلید بدن پاک ہو جاتا ہے اور اس لئے وُہ آیندہ زندگی میں ایک پاکیزہ جسم لیکر پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی کوڑھی اپنی بیماری کی حالت ہی میں مر جائے تو چار جسم بدلنے کے بعد اُس کو پانچویں مرتبہ پھر کوڑھی بن کر پیدا ہونا پڑتا ہے۔ لہٰذا یہ جاہل اور مُصیبت زدہ لوگ بیواؤں سے بھی زیادہ آسانی سے خود کُشی پر آمادہ ہو جاتے ہیں"۔

ولیم کیری نے اس بیان کو پڑھ کر اُس وقت تک چین نہ پایا جب تک کہ اُس نے کلکتہ میں ایک کوڑھی خانہ نہ کھول دیا۔ یہ ہندوستان کا سب سے پہلا کوڑھی خانہ تھا۔ اس کو جاری کرنے کے لئے کیری کے ایک دوست کالی شنکر گھوشال نے روپیہ اور زمین بطور عطیہ دیا تھا۔

ظاہر ہے کہ کوڑھیوں کو زندہ جلا دینے کی رسم سراسر اوہام اور جہالت پر مبنی تھی اور وُہ ایسا زمانہ تھا جبکہ اوہام اور جہالت کی بنا پر ہندوستان میں بیہُودہ اور دیوانہ وار حرکات پائی جاتی تھیں "مذہب" کے نام پر مضحکہ خیز رسُومات عام تھیں۔ ان میں سے ایک اور رسم بنام "چرڑک" کا ذکر کیری کے متعدّد خطُوط میں پایا جاتا ہے حالانکہ "چرڑک پُوجا" کہیں کہیں اب بھی ہوتی ہے لیکن جس زمانہ میں کیری کو اس رسم کے مشاہدہ کرنے کا اتّفاق ہُوا اُس زمانہ میں اس کا دستُور کچھ اور ہی تھا۔ ہم نے مندرجہ ذیل تفصیلی بیان کیری کے کسی خط سے اخذ نہیں کیا بلکہ آگسٹس سومرویل (AUGUSTUS SOMERVILLE) کی کتاب "کرائم اینڈ

ریلیجس بیلیفز ان انڈیا" (CRIME AND RELIGIOUS BELIEFS IN INDIA) سے نقل کیا ہے جو کلکتہ سے ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۱ء تک چار مرتبہ شائع ہوئی۔

سومرویل رقمطراز ہے کہ ہندوؤں کے مذہبی دیوانے جب یہ محسوس کرتے ہیں کہ دیوتاؤں کو خوش کرنے کے تمام ذرائع ختم ہو چکے ہیں تو وہ خود اپنے بدن کو قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں تاکہ اُن کی قربانی کے ثواب سے اگر وہ خود اپنی جان نہ بچا سکیں تو کم از کم اُن کے بیوی بچے ہی دیوتاؤں کے عتاب سے محفوظ رہیں۔ اس قربانی کی کئی صورتیں ہوتی ہیں جن میں سے ایک ساگر دیپ کے مقام پر برضاء و رغبت خود غرقاب ہو جاتا ہے (اس کے خلاف کیری نے جو جدّ و جہد کی اُس کا بیان ہم اس باب میں آگے چل کر کریں گے) "چرک" کی تفصیل یہ ہے کہ یہ رسم چیت کے مہینہ کے آخری دن ادا کی جاتی ہے۔ ان دنوں تمام ہندوستان میں چیت سنکرانت" کا میلہ ہوتا ہے لیکن بنگال میں ——— اور خصوصاً مشرقی بنگال میں ——— یہ میلہ بہت اہتمام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ میلے کے بعد ہی پجاری ان لوگوں کو حاضر ہونے کا حکم دیتے ہیں جو "چرک" کی قربانی کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہر خاص و عام اس قربانی کو ادا نہیں کر سکتے کیونکہ اس کے لئے کم از کم ایک ماہ کی تیاری کی ضرورت ہوتی ہے اور اس عرصہ میں قربان ہونے والوں کو نہایت پرہیزگاری اور راستبازی کی زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔

جو لوگ اس قربانی کے لئے تیار ہوتے ہیں ان کو مجمع کے رُوبرُو لا کر اُن کے کپڑے اُتار دیے جاتے ہیں اور پھولوں کے گجرے وغیرہ پہنا کر اُن کو آراستہ و پیراستہ کر دیا جاتا ہے۔ پھر وہ ایک قطار میں بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک پجاری سامنے آتا ہے اور پہلے شخص کی پُشت کے اُس پٹھے کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے جو کندھے کی ہڈّی کے نیچے واقع ہے۔ پھر پجاری اس گوشت میں لوہے کا ایک بڑا سا کانٹا چبھو کر بالکل اسی طرح مظلوم کو پھنسا دیتا ہے جیسے شکاری کے کانٹے میں مچھلی پھنس جاتی ہے۔ اسی طرح دُوسرے کندھے کے نیچے بھی ایک کانٹا پھنسایا جاتا ہے۔

یہ ابتدائی رسم ختم ہو جانے کے بعد مظلوم کو بڑی دُھوم دھام کے ساتھ بانسوں کے ایک چبوترے پر پہنچایا جاتا ہے۔ یہ چبوترہ تقریباً بیس[۲] فٹ اُونچا ہوتا ہے۔

یہاں مظلوم کے پَیروں میں گھنگھرو باندھے جاتے ہیں اور اُس کو دوبارہ ہار اور

گجرے پہنائے جاتے ہیں۔ پھر اُن کانٹوں میں جو اُس کی پیٹھ میں اٹکائے گئے تھے مضبوط رسیاں باندھ دی جاتی ہیں۔ ان رسیوں کے دوتوں سِرے لکڑی کے ایک شہتیر سے باندھے جاتے ہیں جو صلیب کی شکل میں ایک اور استادہ شہتیر کے ساتھ بندھا ہوتا ہے لیکن فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ صلیب کی وُہ لکڑی جس پر مقتول کے ہاتھ جڑے جاتے تھے بالکل متوازی اُفق ہوتی تھی جس حال کہ "چرک" کی ٹکٹکی کا یہ شہتیر پہلے اُس طرف جُھکا ہوتا ہے جدھر مظلوم کو کانٹوں کے ذریعہ باندھا گیا تھا اور پھر جب وُہ بندھ چکتا ہے تو دُوسری جانب سے ایک اور رسی کے ذریعہ شہتیر کے دُوسرے سِرے کو گھسیٹ لیا جاتا ہے۔ اس طرح شہتیر کا جُھکا ہوا سرا مع مظلوم کے اُٹھ جاتا ہے اور مظلوم ترازو کے ایک پلڑے کی طرح صلیب نما ٹکٹکی کے ایک طرف رسیوں میں بندھے ہوئے کانٹوں کے ذریعہ لٹک جاتا ہے

اب مظلوم کو پھر گجرے پہنائے جاتے ہیں۔ منتر اور شلوک کے ساتھ ساتھ ناچنے گانے اور ڈھول تاشے پیٹنے کی صدائیں بلند ہوتی ہیں اور اُن مہیب آوازوں کے ساتھ رسیوں کے ذریعہ ٹکٹکی کو چکّر دیئے جاتے ہیں۔

جب شہتیر کے ساتھ مظلوم ہوا میں جھولے کی مانند چکّر کاٹتا ہے تو وُہ ساتھ ساتھ تبرک تقسیم کرتا شلوک گنگناتا۔ دُعائیں پڑھتا اور پھول بکھیرتا جاتا ہے۔ تقریباً پانچ منٹ تک یہ خوفناک منظر جاری رہتا ہے اور اس عرصہ کے بعد اس مکرُوہ "جھولے" کو ٹھہرا کر مظلُوم کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

کیری کو کئی مرتبہ ایسے مناظر دیکھنے کا اتفاق ہُوا اور اُس نے اپنے خطوط میں ان کا ذکر کرتے وقت اس کے خلاف غم و غصّہ کا اظہار کیا۔ کیری جانتا تھا کہ ان مکرُوہات کا مطلب صرف یہی ہے کہ ان لوگوں کے دیوتا خُون کے پیاسے ہیں اور اشرف المخلوقات انسان کا خُون اُن کے نزدیک ایک نعمتِ عظمےٰ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ "چرک" اور اس سے بھی زیادہ خوفناک مظالم دیوی دیوتاؤں کو خُوش رکھنے کی غرض سے عمل میں لائے جاتے تھے۔

جہاں تک "چرک" کا تعلّق ہے اس میں مظلُوم کی موت واقعہ ہو جانے کا بہُت کم امکان تھا لہٰذا کیری جہاں ایسی حرکات کے خلاف احتجاج کرتا تھا وہاں اپنی اوّلین توجّہ اُن مظالم کی طرف مبذول کرتا تھا جن میں نہ صرف بالغ مردوں کی جانیں تباہ ہوتی تھیں بلکہ معصوم بچّوں اور بےکس عورتوں کا خُون گنگا مائی کی بھینٹ چڑھایا جاتا تھا۔

ہم ایک ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں جس میں کیری جیسے اشخاص کی کوششوں سے ستی اور دختر کشی وغیرہ رسوم ناپید ہو چکی ہیں۔ اور اگر ہم ان رسوم کے متعلق کچھ علم رکھتے ہیں تو وہ عام تاریخ کی کتابوں کے چند جملوں سے زیادہ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ مندرجہ بالا بیانات کو پڑھ کر ہم حیران ہوتے ہیں کہ کیا کبھی کوئی ایسا زمانہ بھی تھا کہ مذہب اور تہذیب کے اس گہوارہ یعنی ہندوستان "جنت نشان" میں عوام ان لرزہ خیز مناظر کو دیکھتے تھے اور ان کے بطلان کو نہ پہچانتے تھے۔ لیکن ان بیانات کو پڑھتے وقت ہم کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ ایک ایسے زمانہ کا ذکر ہے جبکہ ہندوستان میں مذہب کی اجارہ داری برہمنوں کے ہاتھ میں تھی اور مذہب کے یہ ٹھیکہ دار جو چاہتے سادہ لوح انسانوں سے کرواتے تھے۔ مذہب کے نام پر جو مظالم یہاں ہوتے تھے اُن میں سے محض دو کا ہی ذکر ہوا ہے لیکن اُسی زمانہ میں جگن ناتھ کی رتھ کا جلوس بھی اپنی جگہ ایک ہولناک منظر ہوا کرتا تھا اور اس کے ساتھ جو مظالم وابستہ تھے وہ اس قدر ہیبت ناک تھے کہ "جگن ناتھ" کی رتھ ایک ضرب المثل بن کر رہ گئی ہے۔ چونکہ ہمارے کیری کو بھی ان مناظر کے دیکھنے کا اتفاق ہوا لہٰذا مناسب ہے کہ ہم اُن کی طرف بھی توجہ دیں۔

اُڑیسہ کے شہر پوری کے بعد جگن ناتھ کی پرستش کا خاص مرکز سیرامپور رہی ہے۔ لہٰذا کیری اور اُس کے ہم خدمتوں کو اکثر موقعہ ملا کہ اس پوجا کے مظالم اور ان تکالیف کا مشاہدہ کریں جو اس پوجا کے ساتھ وابستہ ہیں ۱۸۱۳ء میں ڈاکٹر کلاڈیئس بکانن (Dr. CLAUDIUS BUCHANAN) نے فرمایا کہ جگن ناتھ کی رتھ کے تلے بہت سے لوگ تو برضا و رغبت خود دب کر اپنی جان دے دیتے تھے لیکن ان کے علاوہ کئی ایک کو بیہوش کر کے بھی اس رتھ کے نیچے قربان کیا جاتا تھا۔ اس بیان کی تصدیق میں اُنہوں نے کیری ہی کی گواہی پیش کی ہے جس نے ایسے واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ ڈاکٹر بکانن نے اپنی تحریر میں یہ بھی کہا ہے کہ "ڈاکٹر کیری ایک قطعی قابل اعتماد ہستی ہے جس کی بنگال کے تمام شرفا عزت کرتے ہیں۔ جو مواقع ڈاکٹر کیری کو ان واقعات کو دیکھنے کے ملے وہ کسی اور کو نہیں ملے۔" اس کے بعد بکانن صاحب کا بیان ہے کہ "تلوار کے ذریعہ اتنی جانیں تلف نہیں ہوتیں جتنی بت پرستی کی وجہ سے ہو جاتی ہیں، لیکن کسی کو اس امر کا احساس نہیں ہوتا۔ اگر اندازہ لگایا جائے کہ کتنے لوگ تیرتھ یاترا کے وقت مفلسی۔ تنگدستی اور تھکان کی وجہ سے راستوں پر اور سڑک کے کنارے دم توڑ دیتے ہیں

یا موسم کی خرابی کی وجہ سے ہیضہ اور بخار جیسے موذی امراض میں مبتلا ہو کر مر جاتے ہیں، یا خاطر خواہ جائے قیام نہ ملنے پر سردی اور گرمی کی صعوبتیں سہتے ہوئے ہلاک ہو جاتے ہیں تو یہ اعداد و شمار یقین کی حد سے تجاوز کر جائیں گے۔ میں صرف ایک ہی بت کا بیان کروں گا یعنی اوڑیسہ کا جگن ناتھ۔ سال بھر میں اس ایک تیرتھ پر بارہ[12] یا تیرہ[13] یاترے ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ خاص خاص موقعوں پر اس مقام پر چھ چھ لاکھ یاتری جمع ہوتے ہیں اور ایک لاکھ سے کم تو کبھی ہوتے ہی نہیں۔ لہٰذا ہر سال کم از کم بارہ لاکھ یاتری ضرور اس بت کی زیارت کو پہنچتے ہیں۔ اگر ان یاتریوں میں شرح اموات دس فی صدی بھی مان لی جائے تو کل اموات کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار فی سال ہوئی[120000]۔ لیکن اس کے باوجود اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ دس فی صدی اموات نہیں ہوتی بلکہ اس کے برعکس بمشکل دس میں سے ایک یاتری زندہ گھر کو لوٹتا ہے۔ اس کے علاوہ میرا ذاتی اندازہ ہے کہ کم از کم دس ہزار[10000] جانیں ستی بھی ہوتی ہیں۔ اب اگر ان میں وہ تمام لوگ بھی شامل کر دئے جائیں جو توہمات میں مبتلا ہو کر مختلف بہانوں سے موت کے گھاٹ اترتے ہیں تو یہ سیاہ فہرست ناقابلِ یقین ہو جائے گی۔"

جب انگریزوں نے اوڑیسہ کو مرہٹوں کے ہاتھ سے فتح کر لیا تو جگن ناتھ کے پجاریوں نے افسران کے سامنے بیان دیا کہ ایک دن پیشتر دیوتا نے ان سے کہا تھا کہ وہ انگریزوں کی پناہ میں رہنا چاہتا ہے۔ انگریز کمشنر نے اس کو ایک خوشی کی خبر تصوّر کیا اور اس امر کی رپورٹ لارڈ ویلزلی (LORD WELLESLEY) تک پہنچا دی۔ ادنے افسران نے فوراً ایک قانون بھی مرتّب کر لیا جس کی رُو سے جگن ناتھ کا تیرتھ اور اس بت کی زیارت کا محصول مسیحی حکومت کی ملکیّت قرار دے دیا گیا۔ لیکن جب منظوری کے واسطے یہ مجوزہ قانون لارڈ ویلزلی کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ بہت غضب ناک ہوئے اور اس ننگِ مسیحیت کے قانون پر دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد لارڈ ویلزلی کا انتقال ہو گیا اور سر جارج بارلو (SIR GEORGE BARLOW) قائم مقام گورنر جنرل مقرر ہوئے۔ کیری کے دوست اوڈنی (UDNY) صاحب ان کی کونسل کے رُکن تھے۔ اوڈنی کے سخت احتجاج کے باوجود سر جارج بارلو نے لارڈ ویلزلی کے رد کردہ قانون کو منظور کر کے اپنے چند روزہ عہدِ حکومت پر ایک اور بدنما داغ لگا لیا۔

مگر سر جارج بارلو کے اس قانون کی ایک اور نظیر ہندوستان کی تاریخ میں ملتی ہے۔ کیونکہ ۱۷۹۹ء میں کانچی ورم کے ایک برہمن نما انگریز بنام پرائس (PRYCE) کی کوششوں سے سرکار نے مندروں کے پجاریوں اور اُن کی داشتہ رنڈیوں کی تنخواہوں کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا تھا اور اُن کو "مہتمم کلیسا (CHURCH WARDENS) کے نام سے منسوب کر کے اس انتظام کو "کلیسیائی خزانہ کا بندوبست" (MANAGEMENT OF CHURCH FONDS) بتایا تھا۔ اس شرمناک اور قابلِ صد نفرین حرکت سے پہلے ۱۷۹۰ء سے ہی گیا کے تیرتھ پر جانے والے یاتری محصول ادا کر کے سرکاری مُہر اور انگریز [مسیحی] کلکٹر کے دستخط سے اجازت نامے حاصل کرتے تھے تاکہ اپنے مرحوم آبا و اجداد کا شرادھ اس تیرتھ پر کریں۔ حالانکہ ۱۸۳۱ء میں ہی چارلس گرانٹ (CHALES GRANT) کے فرزند لارڈ گلے نیلگ (LORD GLENELG) نے بحیثیت صدر بورڈ آف کنٹرول (BOARD OF CONTROL) ایک حکمنامہ جاری کیا تھا کہ "ان کے مندروں سے متعلق تمام معاملات میں اُن کی پُوجا پاٹ، اُن کے تیوہار، اُن کے مذہبی دستور، اُن کے رسم و رواج میں ہماری دیسی رعایا کو بالکل اور قطعی اُن کے حال پر چھوڑ دیا جائے"۔ لیکن سرکارِ انگلشیہ اس کے بہت عرصہ بعد تک ہندوؤں کی بُت پرستی میں عملی طور پر ان ذرائع سے حصّہ لیتی رہی جن کی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔

جب کیری فورٹ ولیم کالج میں پروفیسر مقرر ہو چکا تھا اور مارکوئس ویلزلی بھی ٹیپو سلطان کی جنگ سے فارغ ہو کر کلکتہ واپس آ گئے تھے تو کیری نے محسوس کیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ان مذکورہ رسوم اور بیگناہوں کے قتل و خون کو روکنے کے لئے جدّوجہد شروع کی جائے۔ اُن دنوں والدین اپنی بچیوں کو مختلف طریقوں سے قتل کر دیا کرتے تھے یا لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے برضا و رغبت خود غرقابِ آب ہو جاتے تھے یا بیواؤں کو چتا پر پھونک دیتے تھے یا اُنھیں زندہ دفنا دیتے تھے۔ لہٰذا کیری نے ان تینوں جرائم کے متعلق علیحدہ علیحدہ تین ۳ عرضداشتیں تیار کیں۔ اُس کے قدیمی دوست اُڈنی صاحب کونسل کے رُکن اور گورنر جنرل کے ہمخدمت تھے۔ اُس نے کچھ عرصہ بعد اس نیک کام میں کلاڈیئس بکانن صاحب کی امداد بھی حاصل کی۔ کیری نے قابلِ اعتماد ہندوستانیوں کو مقرر کیا کہ وُہ درست اعداد و شمار فراہم کر کے اُس تک پہنچائیں۔ ان اعداد و شمار کے ذریعہ جو معلومات فراہم ہوئیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ صرف شہر کلکتہ اور اُس کے گرد و نواح میں ۱۸۰۳ء کے چھ ۶ ماہ میں کُل پونے تین سو ۲۷۵

بیوائیں اس طرح قتل ہوئیں۔ لیکن کیری نے حسبِ معمول اپنی ان کوششوں کا بیان کسی سے نہ کیا اور نہ ہی اُس نے اپنے ذاتی خطوط میں ان کا ذکر کیا مگر جب ڈاکٹر رائیلینڈ DR. RYLAND نے اس کو ہدایت کی کہ اصل واقعات بیان کرے تو اُس نے مندرجہ ذیل خط لکھ بھیجا:۔

۲۷- اپریل ۱۸۰۸ء - دیگر امور کے علاوہ بیواؤں کو جلانے کے خلاف مَیں نے خود شکایت کی تھی۔ مَیں نے تفتیش و تحقیقات کر کے تمام معلومات فراہم کیں اور اپنی عرضداشت مُرتّب کی۔ اس عرضداشت میں جو بیانات دئے گئے ہیں اُن کے متعلق مجھے یقین ہے کہ اُن میں اصل سے تخفیف تو ضرور ہو سکتی ہے لیکن مبالغہ نہیں ہے۔

جب سے مَیں یہاں آیا ہُوں مَیں نے کسی اور ذریعہ سے بھی گورنمنٹ کے پاس تین درخواستیں یا بیانات اس مضمون کے پہنچائے ہیں کہ بیواؤں کا قتل اور خُون ریزی کو کسی دیگر طریق سے قانوناً ممنُوع قرار دیا جائے۔ ان میں سے مَیں بچّوں کے قتل اور بیگناہوں کو غرقابِ آب کرنے کے رواجوں کو بند کرانے میں کامیاب ہو چکا ہُوں۔ ان کو ممنُوع قرار دینے والے قوانین منظُور ہو کر کارآمد ثابت ہو رہے ہیں۔

مندرجہ بالا خط کے آخری جُملہ کے پسِ منظر میں جو واقعات تھے اُن کا بیان بھی سُنیئے۔ شیر خوار بچّیوں کو اُن کی ماں کی چھاتی سے چھُڑا کر زندہ دریا میں پھینک دینا یا خُود گنگا مائی کی آغوش میں غرق ہو جانے کا جُرم اُسی دریا میں کیا جاتا تھا جو کیری کے دروازے کے سامنے سے گذرتا ہے۔ اور خاص کر ساگر دیپ کے مقام پر جہاں گنگا اور ساگر ملتے ہیں۔ یہاں ہر سال ہندوؤں کے گروہ کے گروہ سردی کی صعُوبتوں کے باوجُود آتے تھے۔ ان میں سے اکثر بچّوں والی مائیں یا مُصیبت زدہ بیوائیں ہوتی تھیں۔ یہ لوگ اپنے گُناہوں کو دھونے کی غرض سے آتے تھے اور اپنی رُوح کی نجاست کو پاک کرنے کے لئے اپنے جسم کے پھل یعنی اپنی اولاد کو قُربان کرتے تھے۔ نویں باب میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ ۱۷۹۴ء میں کیری اور ٹامس (THOMAS) نے کسی درخت کی شاخ پر ایک ٹوکری میں کسی معصُوم بچّہ کی چند ہڈیاں پائی تھیں جس کو اُس کی ماں نے اُس جگہ اس لئے قُربان کیا تھا کہ وُہ ساگر دیپ کے ہیبت ناک تیرتھ تک جانے کی استطاعت نہ رکھتی تھی۔ کیری نے اُس وقت محسُوس کیا تھا کہ اس بیگناہ بےزبان نے اُس ٹوکری میں لٹکتے ہُوئے کس طرح تڑپ تڑپ کر جان دی ہوگی۔ آج اُس کی ننّھی سی لاش کو بھی دیمک کھا چکی تھی اور ماں کی جہالت اور وہم پرستی کی حسرت ناک نشانی چند چھوٹی

چھوٹی ہڈیاں باقی رہ گئی تھیں۔

ساگر دیپ کے مکروہ اور گھناؤنے تیرتھ پر جاکر جو لوگ اپنی اور اپنی اولاد کی جانیں تلف کرتے تھے اُن کی جہالت کو مٹانے کی غرض سے کبیر جی نے اُسی وقت فیصلہ کر لیا تھا جب اُس نے وُہ عبرت ناک ٹھوکری یعنی ایک بیگناہ کی موت کا نظارہ دیکھا تھا۔ ساگر دیپ وُہ مقام تھا جہاں خود غرض برہمنوں کے بہکانے میں آکر مائیں اپنی گود کا لال کسی منّت کو پورا کرنے کے لئے ہلاک کر دیتی تھیں۔ اور بیوائیں اپنی مُصیبتوں سے آزاد ہونے کے لئے اپنی جان دے دیتی تھیں۔ مرد بھی نہایت اطمینان اور خُوشی کے ساتھ گنگا مائی کے پانیوں میں گر کر ڈُوب مرتے تھے کیونکہ اُن سب کو یہ باور کرا دیا جاتا تھا کہ اس سے زیادہ ثواب حاصل کرنے کا طریقہ اور کوئی نہیں ہے۔ ان کو یقین دلا دیا جاتا تھا کہ گنگا جل پر تیرتے ہُوئے وُہ بلا روک ٹوک بہشت میں داخل ہو جائیں گے۔

یہ عجیب و غریب "مُقدّس" مقام بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے لہٰذا ہم اپنے قارئین سے مؤدبانہ معافی چاہتے ہیں کیونکہ ہمارا ارادہ ہے کہ چند لمحوں کے لئے کبیر جی سے علیحدہ ہو کر اس تیرتھ کی حقیقت کا ملاحظہ کریں۔ گنگا ساگر کا میلہ ہر سال ماگھ سنکرانت [ماگھ مہینہ کی آخری تاریخ] کو ساگر دیپ کے مقام پر ہوتا ہے۔ اس میلے کے موقعہ پر ہزاروں یاتری گنگا جل کے اشنان کی غرض سے جمع ہوتے ہیں۔ ساگر دیپ کی پاکیزگی کی وجہ مندرجہ ذیل روایت سے بخُوبی واضح ہو جائے گی۔

راجہ سگر اودھ کے حکمران تھے۔ اُن کی تیرھویں پُشت میں ہندؤوں کے مشہور اوتار رام چندر جی پیدا ہُوئے۔ راجہ سگر نے ننانوے 99 مرتبہ "اسومیدھ یگیہ" کیا تھا۔ یہ یگیہ اس طرح کیا جاتا تھا کہ راجہ ایک کوتل گھوڑے کو آراستہ پیراستہ کر کے آزاد چھوڑ دیتا تھا اور اعلان کر دیتا تھا کہ جو شخص جُرأت اور ہمّت رکھتا ہو وُہ اس گھوڑے کو پکڑ لے۔ لیکن اگر کوئی اس گھوڑے کو پکڑنے کی کوشش کرتا تھا تو راجہ کی فوجیں جو گھوڑے کے ہمراہ رہتی تھیں گھوڑے کو چُھڑوا کر پھر آزاد کر دیتی تھیں۔ اگر یہ فوجیں گھوڑے کو آزاد کرانے میں ناکامیاب ہو جاتی تھیں تو یگیہ بھی ناکامیاب مانا جاتا تھا۔ اگر ایک سال تک گھوڑا بخیر و عافیت واپس آجاتا تو اس سے راجہ صاحب کا دبدبہ اور اقتدار سب پر چھا جاتا تھا۔ راجہ اس گھوڑے کو نہایت تزک و احتشام کے ساتھ قُربان کرتا تھا۔

چنانچہ جب راجہ سگر نے سویں بار "اسومیدھ یگیہ" کرنے کا انتظام کیا تو دیوتاؤں کا راجہ اندر اس بات پر بہت برہم ہُوا کیونکہ وُہ خود ایک سَو مرتبہ یہ یگیہ کر چکا تھا اور اُس کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر راجہ سگر اس یگیہ میں کامیاب ہو گیا تو وُہ دیوتاؤں کے راجہ کی برابری کرنے لگے گا۔

لہٰذا اندر نے راجہ سگر کے قربانی کے گھوڑے کو اُس غار میں چھپا دیا جس میں کپل مُنی تپسیہ میں بیٹھے تھے۔

راجہ سگر کے ساٹھ ہزار (۶۰۰۰۰) بیٹے تھے۔ اُنھوں نے گھوڑے کی تلاش شروع کی۔ اُنھوں نے کپل مُنی کی گپھا میں اُس کا سُراغ نکال لیا۔ چُونکہ گھوڑا دراصل اسی غار میں سے برآمد بھی ہو گیا لہٰذا اُنھوں نے کپل مُنی کو چور سمجھ کر اُس پر حملہ کر دیا۔ کپل مُنی کی عبادت اور تپسیہ میں اس طرح مخل ہونے کی سزا کپل مُنی نے اُن کو یہ دی کہ اپنے سراپ (بد دُعا) سے اُن سب کو ہلاک کر کے اُن کی ارواح کو نرک (جہنم) میں ڈال دیا۔

جب راجہ سگر کے ایک پوتے کو اس امر کا علم ہُوا تو اُس نے جا کر کپل مُنی سے منت سماجت کی کہ وُہ مرحُومین کو ابدی عذاب سے نجات دلوائیں۔ چنانچہ کپل مُنی اس شرط پر اپنی بد دُعا واپس لینے پر رضامند ہو گئے کہ گنگا کو اُن کے قدموں تک پہنچایا جائے۔

گنگا اُس وقت زمین پر نہیں تھی بلکہ آکاش میں برہما کی حفاظت میں بہتی تھی۔ راجہ سگر کے اس پوتے نے کائنات کے خالق (برہما) سے دُعائیں کیں کہ وُہ سگر کی اولاد کی مُکتی کے واسطے گنگا کو زمین پر بھیج دے۔ لیکن اس سے پہلے کہ اُس کی یہ دُعا سُنی جاتی اُس کا انتقال ہو گیا۔ اُس کی موت کے بعد اُس کی بیوہ کے بطن سے معجزانہ طور پر بھاگیرت پیدا ہُوا۔ بھاگیرت نے بھی برہما سے وُہی درخواست کی اور اُس کی دُعا قبول ہو گئی چنانچہ بھاگیرت گنگا مائی کو آکاش پر سے اُتار لایا اور راستہ دکھاتا ہُوا کپل مُنی کے غار کی طرف چل نکلا لیکن چوبیس پرگنہ کے علاقہ میں مقام ہتھیا گڑھ پر پہنچ کر بھاگیرت نے گنگا کو راستہ بتانے سے انکار کر دیا۔

اب سوال یہ تھا کہ جس مقصد کو پُورا کرنے کی غرض سے گنگا مائی آکاش سے اُتری تھیں اُس کو کیونکر کیا جائے؟ کپل مُنی کی گپھا کا راستہ گنگا کو معلوم نہ تھا لہٰذا قہراً و جبراً وُہ خود بخود ایک سَو مختلف شاخوں میں منقسم ہو گئی اور ہر شاخ علیحدہ علیحدہ کپل مُنی

کے غار کی تلاش میں نکلی (ہندوؤں کے نزدیک یہی وجہ ہے کہ ساگر (یعنی سمندر) سے ملنے سے پہلے گنگا کی اس قدر شاخیں ہو گئی ہیں) ۔

چنانچہ ان شاخوں میں سے ایک شاخ منزل مقصود پر پہنچ گئی اور اس طرح راجہ سگر کے ساٹھ ہزار فرزند مُنی کے سراپ سے آزاد ہو کر دوبارہ زندہ ہو گئے ۔

یہی وُہ "مقدس" مقام ہے جہاں گنگا اور ساگر ملتے ہیں اور یہی وُہ مکروہ جگہ ہے جہاں ہر سال ہزاروں بیگناہوں کا خُون "گنگا مائی" کے "متبرک" پانیوں میں ملایا جاتا ہے تاکہ گنگا مائی جی اُن کی بھی نجات بخشی کریں!!!

اس سفاکی کے خلاف کیری نے جو عرضداشت گورنر جنرل کو بھیجی تھی اُس کا نتیجہ مندرجہ ذیل قانُون کی صُورت میں ظاہر ہُوا :-

گورنر جنرل باجلاس کونسل کو اس حقیقت سے آگاہ کرا دیا گیا ہے کہ بچّوں کو غرقاب کرنے اور شارک مچھلیوں سے لُقمۂ اجل بنا کر قربانی دیئے جانے کی ایک ظالمانہ اور وحشیانہ مہم جاری ہے .... جو بچّے ساگر دیپ کے مقام پر پانی میں پھینکے جاتے ہیں اُن کو بچانے کی بھی مطلق کوشش نہیں کی جاتی بلکہ بعض صُورتوں میں اس رسم کی ادائیگی انتہائی بیدردانہ طریقہ پر عمل میں لائی جاتی ہے ۔

اس رسم کا جواز نہ تو ہندو قوانین ہی سے ملتا ہے اور نہ ہندوؤں کے مذہبی احکامات سے ۔

بدیں وجہ اس رسم کو جُرمِ قتل سے تعبیر کیا گیا اور اس کے ارتکاب کے لئے سزائے موت تجویز ہُوئی ۔

اس کے علاوہ ہر تیرتھ یاترہ کی جگہ پر سپاہی تعیّنات کر دیئے گئے تاکہ برہمن پجاریوں کی حرکات کی نگرانی کریں اور پولیس کی کارروائی پر بھی نظر رکھیں تاکہ وُہ رشوت لے کر اس جُرم سے چشم پوشی نہ کرنے پائے ۔

بچّوں کو قتل کرنے کی رسم کی اصل بُنیاد "ستی" کی مذہبی تلقین پر رکھی گئی تھی ۔ اس لفظ کے لغوی معنی ہیں "پاکیزگی اختیار کرنا" ہندو شاستر بیوہ کو اس امر کی ہدایت کرتے ہیں کہ وُہ "پاکیزگی اختیار کرے" یا "ستی ہو جائے" یعنی مرحُوم شوہر کی لاش کے ساتھ ہی جل کر خاک ہو جائے اس نرالے اصُول کی بنا پر راجپُوتوں نے یہ دلیل پیش کی کہ اگر خاندان کی عزّت اور اُس کے

نام و ناموس کے مطابق ہماری لڑکیوں کی شادی ہونے کی کوئی امّید نہ ہو تو ہم اُن کو اسقاطِ حمل - فاقہ - دم روکنے - گلا گھونٹنے یا کسی اور طریقہ پر اُسی طرح ہلاک کر سکتے ہیں جس طرح بیوائیں آگ کے ذریعہ ہلاک کی جاتی ہیں - اور چونکہ ساگر دیپ میں بچّوں اور بالغوں کا قتل زیادہ ثواب کا حامل تھا اس لئے وُہی اس جُرم کے ارتکاب کے لئے سب سے زیادہ ہر دلعزیز مقام ثابت ہُوا۔

لیکن برہمنوں کی رائج کردہ ہزاروں رسُوم میں سب سے زیادہ ہولناک، جابرانہ، ظالمانہ اور وحشیانہ رسم مُردہ شوہروں کی لاشوں کے ساتھ اُن کی بیواؤں کو جلانا یا زندہ دفن کر دینا تھی۔ عام طور پر اس رسم کو "ستی"، کہا جاتا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ستی کی رسم پنجاب سے راس کماری تک ہر طرف پھیلی ہُوئی تھی۔ کیری کو یہ بیدردانہ مظالم مکمل تیس [۳۰] سال تک انتہائی بے بسی سے دیکھنے پڑے کیونکہ وُہ اس کے خلاف کوئی قدم نہ اُٹھا سکتا تھا۔ ۱۷۹۹ء میں کیری کلکتّہ گیا تاکہ بائبل چھاپنے کے لئے بنگالی ٹائپ تیاّر کروائے۔ اُس وقت اُس نے پہلی مرتبہ بیواؤں کو پھُونکنے کی یہ رسم اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ یہ ایک ایسی رسم تھی جو کہ ہندُو مذہب اور کمپنی کی گورنمنٹ کے لئے ایک بدنما داغ بن کر ۱۸۲۹ء تک رہی۔ اس آخری سال میں ولیم کیری و دیگر روشن دماغ لوگوں کی اصلاحی تحریک اور مُسلسل کوششوں سے سرکارِ انگلشیہ نے اس ننگِ انسانیت کی رسم کو قانُوناً ممنُوع قرار دے کر ہمیشہ کے لئے بند کروایا۔ اس اوّلین ہیبت ناک منظّر کا بیان کیری ہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو :-

مدن باٹی - یکم اپریل ۱۷۹۹ء - جب مَیں کلکتّہ سے واپس آ رہا تھا مَیں نے ایک "ستی مرن" یعنی ایک بیوہ کو اپنے مرحُوم خاوند کی لاش کے ساتھ جلتے دیکھا۔ یہ میری زندگی میں پہلا اتّفاق تھا۔ ہم اُس وقت نوساری نامی گاؤں کے نزدیک تھے۔ شام ہو چکی تھی لہٰذا ہم اپنی ناؤ پر سے اُتر پڑے تاکہ دریا کے کنارے کنارے کچھ دُور پیدل چلیں۔ ہم نے دریا کے کنارے ہُٹ سے لوگوں کا ایک اجتماع دیکھا۔ جب ہم نے دریافت کیا کہ وُہ کیوں جمع ہُوئے ہیں تو ہم کو بتایا گیا کہ وُہ ایک مُردے کو جلانے کے لئے آئے ہیں۔ مَیں نے پُوچھا کہ کیا اُس کی بیوی بھی اُس کے ساتھ مرے گی۔ تو اُنھوں نے جواب دیا 'ہاں' اور اُس عورت کی طرف اشارہ بھی کر دیا۔ وُہ چِتا کے قریب کھڑی تھی۔ چِتا لکڑی کے بڑے بڑے کُندوں سے بنائی گئی تھی اور تقریباً

اڑھائی فٹ اُونچی ، چار فٹ لمبی اور دو فٹ چوڑی تھی۔ اس لکڑیوں کے انبار پر لاش پڑی تھی۔ بیوہ کا سب سے قریبی رشتہ دار اُس کے ہمراہ تھا اور پاس ہی ایک ٹوکری میں کچھ مٹھائی بھی رکھی ہوئی تھی۔ مَیں نے دریافت کیا کہ کیا اس عورت نے خود اپنی مرضی سے ستی ہونے کا فیصلہ کیا ہے یا اُس پر ناجائز دباؤ ڈالا گیا ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ یہ سب کچھ اُس کی رضا و رغبت سے ہے۔

مَیں اُس وقت تک اُن سے بحث کرتا رہا جب تک کہ مجھے یقین نہ ہو گیا کہ اب سب دلائل بیکار ہیں۔ اس کے بعد مَیں نے اپنی پوری طاقت سے اُن کے اس فعل کے خلاف احتجاج کیا اور اُن سے کہہ دیا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو وُہ ایک سفاکانہ قتل ہے۔ اس پر اُنہوں نے جواب دیا کہ یہ ایک نہایت سعادت مندی کا فعل ہے اور پھر انتہائی بدتہذیبی سے مجھے کہنے لگے کہ اگر تم اس کو دیکھنا نہیں چاہتے تو آگے بڑھو۔ مَیں نے جواب دیا کہ مَیں ہرگز نہ جاؤں گا بلکہ وہیں کھڑا رہُوں گا تاکہ اس قتل کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں اور خدا کی عدالت میں تمہارے خلاف گواہی دے سکوں۔

مَیں نے اُس عورت سے بھی کہا کہ اپنی جان بیکار ضائع نہ کرے اور کسی بات سے نہ ڈرے کیونکہ اگر وُہ بھسم ہونے سے انکار کر دے گی تو اُس پر کوئی مُصیبت نہیں آسکتی۔ لیکن وُہ نہایت متانت سے چِتا پر چڑھ گئی اور اپنے ہاتھ پھیلا کر اُس پر ناچنے لگی گویا کہ وُہ اس فعل سے بہُت مسرور ہے۔

اس سے پہلے کہ وُہ چِتا پر چڑھے اُس کے ایک رشتہ دار نے (جس کا کام یہ تھا کہ چِتا کو آگ لگائے) اُس کا ہاتھ پکڑ کر چِتا کے چاروں طرف ۶ مرتبہ چکر لگائے ۳ تین مرتبہ ایک بار اور ۳ تین مرتبہ کچھ وقفہ کے بعد۔ جب وُہ چِتا کے چوگرد گھُوم رہی تھی تو اُس ٹوکری میں سے شیرینی زمین پر بکھرتی جاتی تھی جس کو لوگ تبرّک کے طور پر اُٹھا کر کھاتے تھے۔

جب یہ سب کچھ ختم ہو گیا اور وُہ چِتا پر چڑھ کر رقص بھی کر چکی تو وُہ لاش کے ساتھ لیٹ گئی اور اپنا ایک ہاتھ لاش کے گلے میں اور دُوسرا اُس کے اُوپر رکھ دیا۔ (بیوہ سے یہ رقص محض اس لئے کروایا گیا تھا کہ ہم پر ظاہر کیا جائے کہ وُہ موت سے نہیں ڈرتی بلکہ اپنے عزیز شوہر کے ہمراہ خوشی کے ساتھ مرنے کو تیار ہے)۔

اس کے بعد کھجور کے پتوں کا ایک بڑا انبار اُن دونوں کے اُوپر لگا کر چھوڑ دیا گیا۔ پھر مُردہ شوہر کی لاش اور زندہ بیوی کے بدن کو دو مضبوط بانسوں سے دبا کر آگ لگا دی گئی۔ چونکہ چتا میں جلد جل جانے والی چیزیں کثرت سے لگی ہوئی تھیں اس لئے آگ آن کی آن میں بھڑک اُٹھی۔ جیسے ہی شعلے بلند ہونے شروع ہوئے تھے تمام حاضرین 'ہری بول'۔ 'ہری بول' چلّانے لگے۔ یہ الفاظ اکثر خوشی کے وقت بول کر ہری یعنی شِو کو پکارا جاتا ہے۔

اگر اُس عورت نے آہ وبُکا کی ہو تو اُس کی آواز سُننا ناممکن تھا کیونکہ لوگ شور مچا رہے تھے۔ پھر اُس کے لئے ہلنا جُلنا بھی ناممکن تھا کیونکہ اُس کے اُوپر دونوں بانسوں کو طاقت سے دبایا جارہا تھا اور اس طرح وُہ ایک شکنجہ میں جکڑی ہُوئی تھی۔

ہم نے ان بانسوں کے استعمال کے خلاف سخت احتجاج کیا اور کہا کہ ان کے ذریعہ سے اُس عورت کو دبا کر اُس کو آگ سے بچنے کا موقع نہیں دیا جاتا لیکن اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ بانس تو محض چِتا کو گرنے سے روکنے کے لئے لگائے گئے ہیں۔

ہم اور زیادہ دیکھنے کی تاب نہ لا سکے لہٰذا ہم وہاں سے چلے آئے اور آتے وقت اُن کے اس وحشیانہ قتل کے خلاف شدید احتجاج کرتے رہے۔ اس ہیبت ناک منظر کو دیکھ کر ہم نہایت غضب ناک ہو گئے۔"

مندرجہ بالا واقعہ کی یاد کیری کے دل سے کبھی نہ گئی۔ وُہ یُوں تو بہت خوش مزاج اور حلیم الطبع تھا لیکن جب بھی اس واقعہ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی تو اُس کا چہرہ غُصّہ سے تمتما اُٹھتا تھا۔ اُس نے ہرگز آرام نہ لیا جب تک کہ اُس سفّاکی کو روکنے میں وُہ اپنی طویل اور اَن تھک کوششوں میں کامیاب نہ ہو گیا۔

ساتویں باب میں ہم نے وارڈ کے خط کا ایک طویل اقتباس دیا تھا جس میں اُس نے ہندوستان کی اُس زمانہ کی تصویر کھینچی ہے جس زمانہ میں کیری نے اپنی خدمات شروع کیں۔ اُس خط کا ایک حِصّہ ہم نے موجودہ باب کے لئے رکھ چھوڑا تھا جس کو اب ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ وارڈ اُس خط میں عورتوں کی ناگفتہ بہ حالت کا ذکر کرتے ہُوئے ستی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ:۔

"عورتوں کی قابلِ رحم حالت کا منظر اس ملک میں اس رسم کی ادائیگی کے وقت ہوتا ہے جس کی رُو سے بیوہ کو مجبور کر دیا جاتا ہے کہ اپنے متوفّی شوہر کی متعفّن لاش کے ساتھ زندہ جل کر مر جائے۔ ہندو قانون سازوں نے بیوہ کے لئے اس طرح بھسم ہو جانے کی مکروہ رسم کو جائز قرار دے کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ وُہ بھی عورتوں کی توہین اور اس صنف پر جبر و تشدّد کرنے پر تُلے ہُوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے ان بدبختوں کو برہمنوں کی تصانیف کے ذریعہ ورغلایا جاتا ہے۔ ان کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اگر وُہ اپنے شوہر کی خاطر اپنے جسم کو قُربان کر دیں گی تو اُن کو اس قدر ثواب حاصل ہوگا کہ اس ثواب کے ذریعہ نہ صرف اُن کے شوہروں ہی کو نجات ملیگی بلکہ خود اُن کی اور اُن کے شوہروں کی چودہ[۱۴] پُشتیں بھی اُن کے ساتھ جنّت میں پُہنچ جائیں گی جہاں وُہ اُس وقت تک فردوس کی راحت سے لُطف اندوز ہوں گے جب تک کہ دیوتاؤں کے چودہ[۱۴] راجہ یکے بعد دیگرے حکومت نہ کرلیں (یہ کُل میعاد کروڑوں برس ہوتی ہے!!!)

ایسی چکنی چپڑی باتیں سُن سُن کر یہ معصوم اور سادہ لوح عورتیں اپنے آپکو اس بیدردی سے قُربان کئے جانے پر تیّار ہو جاتی ہیں۔ مَیں نے اپنی آنکھوں سے مختلف موقعوں پر تین بیواؤں کو اس طرح زندہ جلتے دیکھا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اتفاقات ہُوئے کہ مَیں ان مناظر کو دیکھوں لیکن مَیں تاب نہ لاسکا۔

لیکن بیواؤں کو جلانے سے زیادہ گھناؤنی حرکت اُن کو زندہ دفنا دینے کی ہے۔ تانتی یعنی جُلاہے اپنے مُردوں کو دفن کرتے ہیں لہٰذا جب اس ذات کی عورتوں کو اس بات پر راضی کر لیا جاتا ہے کہ وُہ اپنے شوہر کے مرنے کے بعد زندہ نہ رہیں تو اُن کو مرحُوم شوہر کی لاش کے ساتھ زندہ دفن کر دیا جاتا ہے۔ سَتی کی اس رسم میں قُربان ہونے والی عورتوں کے بچّے اور دیگر قریبی رشتہ دار ہی اُس کی قبر کھودتے ہیں۔ چند ابتدائی رسُومات کے ادا ہو جانے کے بعد مصیبت زدہ بیوہ کو قبر میں اُتارا جاتا ہے۔ وُہ لاش کو گود میں لے کر قبر میں اس طرح بیٹھ جاتی ہے کہ اُس کی باہیں لاش کے گلے میں ہوں۔ اُوپر سے اُس کے رشتہ دار قبر میں مٹّی ڈالنی شروع کرتے ہیں۔ جب قبر تقریبًا نصف پُر ہو جاتی ہے تو دو آدمی اُس میں اُتر کر اپنے پیروں سے بولی مٹّی کو خوب اچھی طرح دبا دیتے ہیں۔ اس وحشت ناک منظر کو وُہ بیچاری کامل سکوت اور انتہائی بے کسی سے

دیکھتی ہے۔ وُہ مٹی کو آہستہ آہستہ اپنے اُوپر آتے دیکھتی ہے لیکن اپنے قاتلوں کو ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکتی اور نہ ہی اپنی جان چُھڑا کر بھاگ سکتی ہے۔ آخر کار خاک اُس کے لبوں تک آتی ہے اور ـــــ اور پھر اُس کا سر بھی دب جاتا ہے۔ اس کے بعد باقی مٹی کو نہایت سُرعت کے ساتھ اُوپر ڈال کر تمام رشتہ دار اُس خاک کے تودے کو خُوب اچھی طرح پیروں سے روند کر دبا دیتے ہیں جس کے نیچے وُہ بے بس بیوہ جان توڑ رہی ہوتی ہے۔

ہم نے قلمبند کیا ہے کہ کیری نے تین عرضداشتیں ان مظالم کے خلاف سرکارِ ہند کے حضُور پیش کی تھیں۔ چُنانچہ اس کی تیسری عرضداشت ستی کے خلاف ہی تھی۔ اس کے جواب میں لارڈ ویلزلی نے ۵ فروری ۱۸۰۵ء کو پہلا قدم اُٹھایا۔ یاد رکھنے کا مقام ہے کہ یہ ملکۂ ایلزبتھ (QUEEN ELIZABETH) کے ہاتھوں ایسٹ انڈیا کمپنی کو پہلی سند چارٹر (CHARTER) ملنے کے دو صدی بعد اور پلاسی کے مقام پر کمپنی کو سیاسی اقتدار حاصل ہونے کے نصف صدی بعد کا واقعہ ہے جیسا کہ تحریر کیا جا چکا ہے اُس وقت لارڈ ویلزلی کی کونسل کے رکن کیری کے دوست اوڈنی صاحب تھے۔ اُن کے علاوہ مشہُور سپاہی لارڈ لیک (LORD LAKE) اور ہمارے قدیمی کرم فرما سر جارج بارلو (SIR GEORGE BARLOW) کونسل کے دیگر اراکین تھے۔

اس سے پہلے کہ سرکارِ ہند کا قانُون عمل میں آئے صُوبہ بہار کے ایک مجسٹریٹ نے اپنی شخصی ذمّہ داری پر ایک ایسی معصُوم بچی کو جلائے جانے سے روک دیا تھا جو بیوہ ہو گئی تھی اور جس کو ستی کرنے کی غرض سے ظالم برہمنوں نے کوئی دوا پلا کر بیہوش کر دیا تھا۔ اس واقعہ کے متعلق مجسٹریٹ مذکور نے بیان دیا کہ "وُہ لڑکی اور اُس کے رشتہ دار میری دست اندازی کی وجہ سے میرے شکر گزار ہُوئے"۔

اس بیان اور کیری کی عرضداشت سے فائدہ اُٹھا کر سرکارِ ہند نے عدالتِ عالیہ کو حکم دیا کہ "معلُوم کریں کہ اس رسم کی بُنیاد کہاں تک ہندوؤں کے مذہبی عقائد پر مبنی ہے۔ اگر یہ رسم ہندوؤں کے کسی مذہبی قانُون پر مبنی نہ ہو تو گورنر جنرل باجلاس کونسل اُمید کرتے ہیں کہ اگر فوراً نہیں تو رفتہ رفتہ یہ رسم ضرور بند کرائی جائے گی۔ لیکن اگر عدالت عالیہ کی رائے یہ ہو کہ اس کو قطعی بند کرنا ناممکن ہے یا عدالتِ مذکور یہ خیال کرتی ہو کہ ہندوؤں کے رائج مذہبی

عقیدہ کو ضرر پہنچانے کے اندیشہ سے اس رسم کو بند کرنا مناسب ہے" چنانچہ سرکارِ عالیہ سے عدالتِ عالیہ کو حکم ہُوا کہ ایسی تجاویز اور سفارشات پیش کرے جن سے کم از کم ناجائز اور بے جا حرکتیں بند ہو جائیں مثلاً مظلُوم کو دوا پلا کر بیہوش کرنا اور نو عمر یا نابالغ بچیوں کو جلانا۔

اس ظُلم کے خلاف نہ صرف کیری ہی نے آواز بلند کی بلکہ اوڈنی نے بھی اپنا اثر و رسُوخ استعمال کیا۔ لارڈ ویلزلی تک نے اس جدوجہد کی حمایت کی۔ لیکن ابھی پچیس (۲۵) سال اور مُردوں کی چتاؤں پر زندہ عورتوں کو جلایا جاتا تھا، اور ابھی ایک چوتھائی صدی تک اور گنگا مائی کو برہمنوں کی وساطت سے انسانی خُون کی بھینٹ لینی تھی کیونکہ عدالتِ عالیہ نے سرکارِ ہند اور سرکارِ برطانیہ کے تمام قوانین سے اعلیٰ اور افضل قانُونِ الٰہی یعنی انسانی ضمیر کو نظر انداز کر دیا۔ اُنھوں نے "پالیسی" کی خاطر "انسانیت" کا خُون کیا اور وقتی ضرورت اور مصلحت کی بنا پر منشائے الٰہی اور خدمتِ خلق کے اہم فرائض سے چشم پوشی برتی۔

فاضل ججوں نے پنڈتوں سے سوال کیا کہ آیا شاستروں نے عورت کو "تاکید" کی ہے کہ اپنے مرحُوم شوہر کی چتا پر برضا و رغبت خُود جل جائے۔ پنڈتوں نے اس کا جواب یہ دیا کہ ماسوائے چند ذاتوں کے چاروں ذاتوں کی عورتوں کو "اجازت" ہے کہ ستی ہوں۔ اس جواب کے ثبوت میں پنڈتوں نے منُو کے احکام بھی پیش کیے۔ لیکن اس سلسلہ میں ہم یہ امر واضح کر دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ منُو نے بیوہ کو جلا کر ہلاک کر دینے کی تلقین نہیں کی ہے بلکہ اُس کا کہنا ہے کہ "اگر شوہر کی وفات کے بعد بیوہ اپنی باقی ماندہ زندگی زُہد اور نفس کُشی میں بسر کرے گی تو وُہ بہشت کی حقدار ہو گی۔"

یہ بھی ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہو گا اگر ہم پنڈتوں کے جوابات اور منُو کی تعلیم کے ساتھ ساتھ کیری کے خاص پنڈت کی رائے بھی درج کر دیں۔ کیری اس کے ساتھ روزانہ کئی گھنٹے کام کیا کرتا تھا۔ پنڈت مرتونجے ودّیا النکار فورٹ ولیم کالج کا خاص پنڈت اور سپریم کورٹ (SUPREME COURT) کا "مفتیٔ اعظم" (HEAD JURIST) تھا۔ اس کی رائے یہ تھی کہ ہندو بیواؤں کے واسطے نفس کُشی کی زندگی بسر کرنا فرض ہے لیکن اُن کو اختیار ہے کہ وُہ اپنی زندگی کو "ستی" کے ذریعہ ختم کر دیں اگر وُہ یہ محسُوس کریں کہ وُہ اپنی عمر زُہد و پاکیزگی سے نہیں گذار سکتیں۔ گویا بحث دراصل "حکم" یا "فرض" اور "اختیار"

کے موضوعات پر ہے۔ اور پنڈت مرتونجے کا فیصلہ ہے کہ کوئی اختیاری امر کسی صریح قانون
حکم یا فرض پر ہرگز ترجیح نہیں پا سکتا۔ اس کے علاوہ پنڈت مرتونجے نے یہ بیان بھی دیا کہ
قدیم زمانہ میں ستی کو کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ یہ ایک بعد کے بگڑے ہوئے زمانہ کی اختراع تھی
لہٰذا اس مہا پنڈت کی رائے کے مطابق ایک بیوہ کا آیندہ زندگی میں ازدواجی خوشی حاصل
کرنے کے ایما سے اپنے آپ کو قربان کرنے کا خیال مکروہ اور حقیر ہے اور اس قابلِ نفرین
خیال کی مخالفت کرنی چاہیئے"۔

لیکن اس سے قبل کہ رائے عامہ پنڈت مرتونجے کی اس نہایت معقول اور بیش
قیمت رائے کے موافق ہوتی ہزاروں بے گناہ بیوائیں اپنے شوہروں کے ساتھ پھونکی گئیں
مائیں اپنے بیٹوں کی چتاؤں پر قربان ہوتی تھیں اور کبھی کبھی ایک ایک خاوند کی چالیس
چالیس بیاہتا بیویاں اس واحد شخص کی موت پر اپنی جان دے دیتی تھیں۔ ان کے علاوہ
"تانتی (یعنی جلاہے) اور سنیاسی ذاتوں کی بیواؤں کو زندہ دفنایا جاتا تھا اور کوڑھیوں کو
بیدردی سے ہلاک کیا جاتا تھا۔

سرکار اگر چاہتی تو پنڈتوں کے مندرجہ بالا بیان کی بنا پر ہی ستی کو ناجائز قرار دے
سکتی تھی، لیکن نظامتِ عدالت کے "فاضل" ججوں نے اپنی طرف سے یہ "اصول" بھی پیش
کر دیا کہ "ہر ممکن طریقہ سے لوگوں کے مذہبی خیالات اور عقاید کا لحاظ اور احترام کرنا
چاہیئے"۔ نظامتِ عدالت کی اس سفارش کا مفہوم گویا یہ ہوا کہ خواہ شرافت کا خون ہو
جائے اور انصاف کے گلے پر کُند چھری پھر جائے اور تہذیب اور اخلاق قربان ہو جائیں
بلکہ انسانیت ہی کو ذبح کیوں نہ کرنا پڑے لیکن جاہل اور نااہل اقوام کے مذہبی تعصبات
اور توہمات کا پاس ضروری ہے اور عوام کی دلجوئی لازمی ہے۔

نظامتِ عدالت کی یہ سفارش اپنی جگہ مانع تھی لیکن اس کے علاوہ اور بھی کئی وجوہات
تھیں جن کی بنا پر ستی کی رسم فوراً ممنوع قرار نہیں دی جا سکتی تھی۔ لارڈ ویلزلی کی آٹھ سالہ
کامیاب عملداری قریب الاختتام تھی اور سات دن کے بعد وہ انگلستان واپس جانے والے
تھے۔ لہٰذا معصوم بچیوں کو ساگر دیپ کے خونخوار بحری درندوں کے منہ سے چھڑانے اور
بیکس بیواؤں اور ان کے ننھے ننھے بچوں کو موت کے منہ میں سے بچانے کا کام ان اشخاص
کی مدد سے ہوا جو فورٹ ولیم میں ڈاکٹر کیری کے شاگرد تھے۔ یعنی چارلس مٹکاف

(CHARLES METCALFE) اور بیٹر ورتھ بیلی (BUTTERWORTH BAILEY)

بالآخر یہ رسم لارڈ ولیم بینٹک (LORD WILLIAM BENTICK) کے حکم سے جبراً بند کرائی گئی۔ اُس وقت ڈاکٹر کیری کے یہ شاگرد گورنر جنرل کی کونسل کے رُکن تھے۔

لیکن اگر لارڈ ویلزلی ستی کو ممنوع قرار نہ دے سکے تو انہوں نے یہ غلطی بھی نہ کی کہ عدالت کے تجویز کردہ "احکامات امتناعی" (PROHIBITORY REGULATIONS) کو منظور کر دیں۔ ان احکامات کا مفہوم یہ تھا کہ سرکار کی طرف سے ستی کی "اجازت" ہو گی کیونکہ ہندو مذہب اس رسم کو تسلیم کرتا ہے لیکن بیوہ پر ناجائز دباؤ، اُس کی بے ہوشی۔ اُس کے نابالغ یا حاملہ ہونے کی حالتوں میں سرکار دست اندازی کرے گی۔ لارڈ ویلزلی نے نہایت حقارت سے ایسے قوانین منظور کرنے سے انکار کر کے جس تدبر اور دُور اندیشی کا ثبوت دیا اُس کی مثال خود اُن کے دَور میں ملنی مُشکل ہے۔ اس امر میں لارڈ ویلزلی کی معاملہ شناسی قابل تعریف ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کے تشریف لے جانے کے بعد ایسے احکامات ۱۸۱۲ء میں نافذ ہوئے۔ کیونکہ جب سرکارِ ہند خود ایک جُرم کو تسلیم کر کے چشم پوشی کرنے کو تیار ہو گئی تو برہمنوں کے مزے ہو گئے اور ستی کی تعداد میں فوراً اضافہ ہوتا گیا۔ ان قوانین کا اثر یہ ہوا کہ اس کے بعد سے جتنی بیوائیں جلائی گئیں اُن کی تمام ذمہ واری سرکارِ ہند پر عائد ہو گئی۔

یہ وُہی سال تھا جبکہ برطانیہ کی پارلیمنٹ نے کمپنی کی سند (یعنی چارٹر) پر بحث کے دوران میں اپنے مشرقی مقبوضات میں مسیحیت کی تبلیغ کو ناجائز قرار دے کر اس مذہب کے مبلّغوں مثلاً کیری۔ مارشمین اور وارڈ کی سرگرمیوں کو "خلافِ قانون" بنا دیا تھا۔ اسی سال سرکارِ ہند نے بیواؤں کو جلانے اور زندہ دفنانے کی وحشیانہ رسُوم کو اپنے "احکاماتِ امتناعی" کی رُو سے تسلیم کر کے بیگناہوں کے اس قتلِ عام کی ذمہ واری اپنے اُوپر لے لی۔ لہٰذا ان احکامات کی عملداری کے نو (۹) سال کے درمیان کم از کم چھ ہزار (۶۰۰۰) بیواؤں کا خون سابقہ انگریزی سلطنتِ ہند کی گردن پر ہے۔

اس ضمن میں کیری کے اخبار "سماچار درپن" کے پُرانے پرچوں میں مندرجہ ذیل خبریں اپنی کہانی خود بیان کرتی ہیں:۔

۷ مارچ ۱۸۱۹ء۔ ایک برہمن مر گیا۔ لیکن اُس کی لاش کو تین (۳) دن بعد پھُونکا گیا

اور اُس کی بیوہ اُس کے ساتھ ستی ہوئی۔ اس تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ سرکاری قانون حاملہ عورتوں اور ۱۵ سال سے کم عمر کی لڑکیوں کو ستی ہونے کی اجازت نہیں دیتا اور چونکہ یہ بیوہ تین۳ دن بعد پندرہ۱۵ سال کی ہونے والی تھی لہٰذا اُس کے مرحوم خاوند کا کریا کرم بیوہ کی سالگرہ کے دن تک ملتوی رکھا گیا۔"

اُسی تاریخ کی ایک اور خبر ہے کہ:۔

"چند دن ہوئے ایک راجپوت راجہ کا انتقال ہُوا اور اُس کی تیس۳۰ بیویاں اُس کی لاش کے ساتھ جل کر خاک ہو گئیں۔"

اور پھر یہ ملاحظہ ہو:۔

"۹ اجون ۱۸۱۹ء۔ چونکہ مرحوم رام چندر کے گاؤں میں اُس کی بیوہ کو ستی ہونے کی اجازت نہ تھی لہٰذا رام چندر کی لاش کو سیرامپور لاکر جلایا گیا تاکہ ستی کی رسم ادا ہو سکے۔"

(مندرجہ بالا خبر کے سلسلہ میں یہ یاد رکھیئے کہ سیرامپور حکومتِ ڈنمارک (DENMARK) میں شامل تھا جہاں "احکاماتِ امتناعی" رائج نہ تھے) اس کے علاوہ ایک اور خبر پڑھیئے:۔

۲۰ ستمبر ۱۸۲۰ء۔ دو ہفتے ہوئے کہ گنگا گنتھ چٹو پادھیہ ۴۰ سال کی عمر میں مر گیا۔ اُس کی بیوہ نے اُس کی چتا پر جل کر خودکشی کر لی اور اس طرح دو۲ بچے یعنی ایک پانچ سال کی لڑکی اور ایک ڈیڑھ برس کا لڑکا ایک ہی دن بے ماں باپ رہ گئے۔

ایک اور خبر پڑھیئے اور سرکارِ ہند کے "احکاماتِ امتناعی" کی داد دیجئے:۔

۱۷ - اکتوبر ۱۸۲۰ء۔ ایک مرہٹہ برہمن مر گیا۔ اُس کے رشتہ داروں کا دعویٰ تھا کہ اُس کی بیوہ پندرہ۱۵ سال کی ہو چکی ہے لہٰذا وہ ستی ہوگی۔ لیکن پنڈت نے جنم پتری سے پتہ چلایا کہ لڑکی ابھی گیارہ۱۱ سال کی ہے۔ مرحوم کے رشتہ دار بیوہ کی جائداد کے مالک بننا چاہتے تھے۔"

یہ باتیں ہندوستان میں اُس وقت عام تھیں اور انگریز مسیحی افسران روزمرّہ اُنہیں دیکھتے تھے لیکن ان کے خلاف وہ ایک اُنگلی بھی ہلانے کو تیار نہ تھے۔ پلاسی کے مقام پر انگریزوں کو ہندوستان میں سیاسی اقتدار ملنا شروع ہُوا۔ وہ ۱۷۵۲ء کا

واقعہ تھا۔ دسمبر ۱۸۲۹ء میں انھوں نے ستی کو ناجائز قرار دے کر دینے کا۔ اس پون صدی کے دوران میں یہ "مسیحی" حکومت کم از کم ستر ہزار عورتوں کی جانیں ضائع ہونے کی ذمہ وار ٹھہری۔ اس ہیبت ناک صورتِ احوال کے خلاف سب سے پہلے صدائے احتجاج بلند کرنے والا ولیم کیری تھا۔ اوڈنی اور ویلزلی نے پہلے قدم اُٹھائے۔ مختلف گورنر جنرل اور اراکینِ کونسل آئے اور چلے گئے۔ لیکن کیری کی سرگرمیاں بدستور جاری رہیں۔ اُس نے ہندوستان میں رائے عامہ کی رہبری اور قیادت کی اور انگلستان میں ولیم ولبر فورس (WILLIAM WILBERFORCE) جیسے مدبّر اور دانا لیڈروں کی ہمدردی حاصل کی جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ آخرکار فتح نصیب ہُوئی۔

"۴ دسمبر ۱۸۲۹ء۔ ہندوستان کی تاریخ میں یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ اُس دن سے "گنگا جل میں انسانی خُون کی آمیزش نہیں ہُوئی"۔"

اتوار کا دن تھا اور کیری عبادت کے لئے وعظ تیار کر رہا تھا کہ اُس کو لارڈ ولیم بینٹنک کا منظور کردہ وُہ قانُون دیا گیا جس کی رُو سے ستی کو ممنُوع قرار دیا گیا تھا۔ کیری اُس وقت سرکاری مُترجم تھا اور اُس کو یہ قانُون اس لئے دیا گیا تھا کہ اُس کا سرکاری ترجمہ تیار کیا جائے۔ کیری نے وعظ کسی اَور کے سپُرد کیا اور خُود فوراً قانُون کا ترجمہ کرنے بیٹھ گیا۔ اُسی شام کو اُس نے یہ ترجمہ "بنگال گزٹ" (BENGAL GAZETTE) میں شائع بھی کروا دیا۔ جب اُس سے اس عُجلت کا سبب دریافت کیا گیا تو اُس نے جواب دیا کہ یہ عُجلت اس وجہ سے تھی کہ "صدیوں کے قتل و خُون ریزی کی اس طویل سیاہ فہرست میں ایک دن کا بھی اضافہ نہ ہونے پائے۔"

لیکن اس تنازعہ نے کچھ دن اَور بھی طُول کھینچا۔ کلکتہ کے کٹّر ہندوؤں نے اپنی بیواؤں کو قتل کرنے کے "حق" کو واپس لینے کی غرض سے ایک انجمن قائم کی اور انگلستان میں اُن کو ایسے ضمیر فروش "مسیحی" وکیل بھی مل گئے جنہوں نے چاندی کے چند ٹکڑوں کے عوض پریوی کونسل (PRIVY COUNCIL) میں اُن کی اپیل دائر کر کے پیروی کی۔ اُس وقت پریوی کونسل میں لارڈ ویلزلی اور چارلس گرانٹ صاحبان اراکین تھے۔ ۲ دو دن تک اُنہوں نے مقدمہ کی سماعت کر کے ۲۴ جُون ۱۸۳۲ء کو اپیل خارج کر دی اور اس طرح مادرِ ہند کے چہرہ سے یہ بدنما داغ ہمیشہ کے لئے صاف کر دیا گیا۔

آفرین ہے اُس رُوحِ عظیم پر جس کی بے لاگ اور بے غرضانہ خدمتِ خلق کے جذبہ نے آخر کار اپنی مُسلسل کوششوں کا ثمر خود اپنی آنکھ سے پروان چڑھتے دیکھا اور آج بھی جس کی خدمات اور انسانیت نواز سرگرمیوں کو یاد کرکے ہر مُنصف مزاج انسان اور درد مند ہندوستانی کا سر تشکّر و احسان مندی کے جذبات کے ساتھ

ولیم کیری

کے نام پر رضاکارانہ طور پر جُھک جاتا ہے۔

اکیسواں باب

علُومِ طبیعیات کے لئے کیری کی خدمات

موجُودہ باب میں ہم صرف اس امر پر روشنی ڈالیں گے کہ ولیم کیری نے ورودِ ہندوستان کے بعد سائنس کی کیا خدمات کیں۔ لیکن اس سے پہلے ہی ہم ناظرین کو یہ یاد دلا دینا چاہتے ہیں کہ جس زمانہ میں کیری شمالی بنگال کے ایک دیہاتی علاقہ میں سکونت پذیر ہُوا تو اُس وقت دُنیا کو ہندوستان کی نباتات۔ حیوانات و معدنیات کے متعلق معلُومات کا علم تو درکنار اس وسیع برّاعظم کے انسانوں تک کا بھی صحیح علم نہ تھا۔

کیری کو جیسا کہ اُس نے خُود کہا ہے "بچپن ہی سے سائنس۔ تاریخ و سیر وغیرہ کے مطالعہ کا بہت شوق تھا" اور یہ بھی ہم کو معلُوم ہے کہ باغبانی کے اصُولوں کی ابتدائی تعلیم بھی وُہ اپنے چچا سے حاصل کر چُکا تھا۔ اس کے علاوہ مشاہدۂ قُدرت کا شوق اور ہر نئی چیز کی نسبت معلُومات حاصل کرنے کی عادت بھی اُس کی فطرت کا ایک جُزو تھی۔ اس شوق کو اُس نے عُمر بھر نبھایا اور اس کو پُورا کرنے کی کوشش میں ہندوستان میں وُہ نام چھوڑ گیا جو سائنس کے حلقوں سے کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔

مشاہدۂ قُدرت کی نسبت اُس نے اپنے دوست موریس (MORRIS) اور فُلر (FULLER) کو جو خطُوط لکھے ہیں اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مضمون کا شوق اُس کے دل میں کس حد تک موجُود تھا۔ چُنانچہ اُس نے جلد ہی کلکتہ کے مشہُور کِڈ گارڈن (KYD

مہاگنی کا ایک درخت جسے ولیم کیری نے
سیرام پور میں بویا تھا۔

(GARDEN) کے نگران ڈاکٹر راکسبرگ (DR. ROXBURGH) سے دوستانہ تعلقات قائم کر لئے جو ۱۸۱۵ء تک جاری رہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کو کیری کی ذات سے بہت دلچسپی اور وہ کیری سے اس قدر محبت کرنے لگے تھے کہ اپنی تحقیقات کے نتائج کو بھی اُس کے نام سے منسوب کرنے کو تیار ہو گئے۔ چنانچہ ۱۷۹۸ء ہی میں کیری کے ایک خط میں مندرجہ ذیل الفاظ پائے جاتے ہیں:۔

"سال کے درخت کی حیثیت ابھی تک تحقیق نہ ہوسکی تھی۔ لہٰذا ڈاکٹر راکسبرگ نے یہ دریافت کر کے مجھے خوش کرنے کی غرض سے میرے نام سے منسوب کر کے اس درخت کا نام CAREYA SAVLEA رکھ دیا۔"

یہ الفاظ کیری کے ایک نجی خط میں لکھے گئے تھے، لیکن جب اُس کا یہ خط شائع کر دیا گیا تو اُس نے اس پر افسوس کیا کیونکہ اپنی حلیم مزاجی اور انکساری کی وجہ سے وُہ اپنی شہرت بالکل پسند نہ کرتا تھا۔ چنانچہ اُس نے ڈاکٹر راکسبرگ سے بھی اس کے متعلق کہا اور ڈاکٹر صاحب نے کیری کی درخواست پر سال کے درخت کا وُہ نام رکھا جو اب سائنس کے حلقوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی SHOREA ROBUSTA۔

مگر مندرجہ بالا واقعہ کے باوجود کیری کا نام سائنس کے حلقوں میں فراموش نہ ہوگا۔ کیونکہ ڈاکٹر راکسبرگ نے "CAREYA" کا نام "MYRTACEAE" جنس کے ایک اور درخت کو دیا ہے۔ اس کے علاوہ مشہور عالم سائنس دان ایم۔ بنجمن ڈی لیبزرٹ (M. BENJAMIN DELESSERT) نے اپنی تصنیف "عجائباتِ علمِ نباتات" "MUSÉE BOTANIQUE" میں ڈاکٹر ولیم کیری کے علم و حکمت اور اُن کی تحقیقات و تجربات کا ذکر کیا ہے۔

کیری سخت محنت کا عادی تھا اور خاص کر دماغی مشقت اُس کو بہت کرنی پڑتی تھی لہٰذا اُس نے تفریح کے واسطے سیرامپور میں ایک باغ لگایا۔ یہ باغ پانچ ایکڑ زمین پر لگایا گیا تھا اور اس کی حد بندی دیواروں سے کی گئی تھی۔ اس باغ میں کیری نے وُہ تمام پودے لگائے تھے جو بنگال میں اُن دنوں ناپید تھے مثلاً مہاگنی۔ دیودار۔ ساگوان۔ املی۔ سدا بہار اور یوکلپٹس (EUCALYPTUS) وغیرہ۔ امریکہ سے جو مہاگنی کے پودے منگوا کر لگائے گئے تھے وُہ اس قدر کامیاب ثابت ہوئے کہ کیری کی وفات کے ستر سال بعد جب سرکارِ ہند کو

بھی اس خاص قسم کے درخت کے تخم کی ضرورت ہوئی تو کیری ہی کے باغ سے ان کو بیج کافی مقدار میں مل گیا۔ ان تمام شاندار درختوں کو کیری نے اس عمدگی کے ساتھ ترتیب وار دورویہ لگایا تھا کہ اُن کے درمیان کی روش بہت خوبصورت معلوم ہوتی تھی جب تک یہ روش قائم رہی اور درخت نہ کاٹے گئے تب تک اس کا نام "کیری کی روش" ہی مشہور رہا۔

کیری نے جو اِملی کا درخت لگایا تھا وُہ اس قدر پھلا پھُولا کہ اُس کے سائے میں نہ صرف ہندوستان کے لوگوں نے آرام کیا بلکہ امریکہ۔ انگلستان اور دیگر ممالک کے لوگوں نے بھی آکر استراحت حاصل کی اور اُس مقام کی زیارت کا فیض حاصل کیا جو کیری کی صُبح شام کی دُعاؤں کی وجہ سے متبرک ہو گیا تھا۔ سر ڈی۔ برنیڈس (SIR D. BRANDIS) اور ڈاکٹر کلیگھورن (DR. CLEGHORN) جیسے بلند پایہ سائنسدانوں نے کیری ہی کے باغ میں آکر اپنی تحقیقات کے کام میں مدد لی کیونکہ کیری کے ہاتھ سے لگائے ہوئے ہر ایک درخت کی تاریخ اور دیگر ضروری معلُومات کیری کے قلم سے لکھی ہوئی موجود تھیں جن کے ذریعہ ہر درخت کے متعلّق عام ضروری معلُومات بآسانی مل سکتی تھیں۔

کیری نے اپنے اس باغ میں کام کرنے کے لئے خُود مالیوں کو تعلیم دی۔ یہ بنگالی مالی کیری کی بتائی ہوئی باتوں کو اس طرح مانتے تھے جیسے کہ برہمنوں کے بتلائے ہوئے مذہبی مسائل کو۔ حتیٰ کہ اُنہوں نے ہر درخت کا صحیح لاطینی نام بھی کیری سے سیکھ لیا تھا اور کیری کی وفات کے بعد بھی وُہ صحیح تلفّظ کے ساتھ ان درختوں کا لاطینی نام ہی لیتے رہے۔

ہندوستان جیسے زرخیز مُلک میں جس قدر بھی انواع و اقسام کی نباتات ہوتی تھی اُن تمام کے نمُونے کیری کے باغ میں موجُود تھے۔ کیری کی خود نوشت فہرست سے اس امر کا پتہ چلتا ہے۔ اس میں اُس نے ترتیب وار اپنے تمام پودوں کے نام لکھے ہیں۔ اس وسیع باغ کی ہر ایک جھاڑی۔ ہر ایک پودا اور ہر ایک درخت اُس کا رفیق تھا اور ہر ایک کی مکمّل تاریخ اُس کو گویا ازبر تھی۔

مگر یہ باغ محض کیری کی تفریح کا مقام نہ تھا بلکہ اُس کی عبادت گاہ کا کام بھی دیتا تھا اور اُس کی تنہائی کی دُعا کا حُجرہ بھی یہی تھا۔ اسی جگہ وُہ اپنے ہر روز کے کام کو دُعا کے ساتھ

شروع کرنا تھا اور تمام دن کی محنت و مشقت کے بعد شب میں شکریہ کے ساتھ اپنی "محبت کی کاوشوں" سے دست کش ہوتا تھا۔

کیری کے فرزند جونتھن (JONATHAN) نے اپنے والد کے اس شوق کی نسبت مندرجہ ذیل الفاظ لکھے ہیں :-

"میرے والد کو مطالعۂ قدرت کا بہت شوق تھا۔ انھوں نے معدنیات کے نمونوں اور مشاہدۂ قدرت کی دیگر اشیاء کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر لیا تھا جس کا وہ اپنی فرصت اور تفریح کے وقت بڑے غور سے مطالعہ کیا کرتے تھے۔

علم النباتات کے مطالعہ سے بھی اُن کو دلی مسرت ہوتی تھی، اور اپنے باغبانی کے شوق کو اُنھوں نے آخر تک ترک نہ کیا۔ یہ اُن کی تنہائی کا عزیز ترین مشغلہ تھا۔ اپنے باغ میں وہ کسی کی دست اندازی کو گوارا کرنے کو ہرگز تیار نہ تھے۔ اسی باغ میں وہ شخصی عبادت اور غور و فکر کیا کرتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس باغ کی کسی کیاری کو چھیڑنا یا اُس کی کسی منڈیر کو بھی ہاتھ لگانا گویا اُن کی آنکھ کی پتلی کو ضرب پہنچانے کے برابر تھا۔

یہ باغ مشرق میں پودوں کا بہترین اور نایاب ترین ذخیرہ مانا گیا تھا اور دنیا بھر کے ماہرین نباتات سے معلومات وغیرہ حاصل کر کے میرے والد اس کو ہمیشہ فروغ دینے کی کوشش میں لگے رہے۔ ان معلومات کے سلسلہ میں اُنھوں نے مشرق کے پودوں کے نمونے تمام دنیا کے عالموں کے پاس بھیجے۔

اپنی آخری بیماری میں وہ اس قدر کمزور اور ناتوان ہو گئے تھے کہ چلنے پھرنے سے قطعی معذور تھے۔ اس وقت سب کو یہ دیکھ کر رنج ہوتا تھا کہ کس قدر قلبی تکلیف کے ساتھ اُنھوں نے اپنی دلبستگی کے اس واحد ذریعہ اور فرصت کا وقت صرف کرنے کے مشغلہ کو خیرباد کہا۔ جب اُن میں بالکل اُٹھنے کی طاقت نہ رہی تو اُنھوں نے اکثر اپنے باغ میں جانے کی خواہش ظاہر کی تو ہم اُن کو ایک کرسی پر بٹھا دیتے تھے۔ پھر اُس کرسی کو ایک پہیئے دار تختہ پر رکھ کر ہم باغ میں پہنچا دیتے تھے۔

آخری دنوں میں اُنھوں نے اپنے باغبانوں کی تنخواہیں اپنے ہاتھ سے تقسیم کرنی شروع کر دی تھیں تاکہ وہ زیادہ ناغہ نہ کیا کریں۔ جب اُنھوں نے آخری مرتبہ اُن

لوگوں کی تنخواہیں تقسیم کیں تو اس خیال سے اُن کو از حد صدمہ ہُوا کہ وُہ اس قدر کمزور ہو گئے ہیں کہ گھر سے باہر بھی نہیں نکل سکتے۔

والد صاحب چُونکہ خُود باغ میں جانے کے قابل نہ رہے تھے اس لئے وُہ اپنے مالیوں کو اکثر اپنے کمرے میں بُلا لیا کرتے تھے اور اپنے پودوں کی نسبت اُن سے گُفت و شُنید کیا کرتے تھے۔ اُن کی چارپائی کے سامنے دیوار پر ایک خوبصورت جھاڑی کی تصویر آویزاں تھی جس کو وُہ اکثر خُوشی سے دیکھا کرتے تھے۔

علم النباتات پر وُہ اکثر تقاریر بھی کیا کرتے تھے جن کو سُننے کے لئے عوام جوق در جوق آتے اور اُن کی تقاریر پسند کیا کرتے تھے"۔

ڈاکٹر راکسبرگ کی کتاب FLORA INDICA جو اُنہوں نے شائع کی تھی، اس علم کی ایک مستند کتاب مانی گئی ہے......"

کیری کو اگر ایک طرف دہلی تک سے پودے اور مشاہدۂ قُدرت کے لئے بہت سے نادر نمونے ملے تو دُوسری طرف امبوئینا (AMBOYNA) یعنی جزائر شرق الہند سے بھی اُس نے تخم اور مختلف اقسام کے جانور وغیرہ حاصل کئے۔ وُہ چھوٹے چھوٹے بچے جن کو اُس نے انگلستان کے دیہات میں تعلیم دی تھی اور وُہ نوجوان سرکاری افسران جنہوں نے فورٹ ولیم کالج میں اُس سے درس لئے تھے، سب نے مل کر اُس کے اس مطالعۂ قُدرت کے شوق کو پُورا کرنے کے لئے اُس کے ذخیرہ کو فروغ دیا۔

۱۸۱۴ء میں ڈاکٹر راکسبرگ صاحب بتقاضائے عمر قریب المرگ حالت میں ولایت واپس بھیجے گئے۔ اس لئے کیری نے اپنے اس دوست کی کتاب (HORTUS BENGALENSIS) ترتیب دے کر اپنی زیرِ نگرانی سیرامپور پریس میں چھاپ کر شائع کی۔ اس کتاب کی جلدیں اب بہت کمیاب ہیں۔ کیری نے اس کتاب کے شرُوع میں بارہ ۱۲ صفحے کا جو دیباچہ قلمبند کیا ہے وُہ سائنٹفک موضُوع پر اپنی طرز کا ایک انوکھا مضمُون ہے۔ اس دیباچہ میں کیری نے اُس عالم سائنسدان کی قابلیت۔ جوش اور کامیابی کی تعریف کی ہے جس نے بیس ۲۰ سال میں تین ہزار دو سَو ۳۲۰۰ مختلف اقسام کے پودوں کا ذخیرہ جمع کیا۔ ان میں سے تقریباً تین ہزار اُن یورپین اصحاب نے دیئے تھے جو ہندوستان میں رہتے تھے۔ اگرچہ کیری نے بنظرِ انکساری اس حقیقت کو واضح نہیں کیا لیکن یہ واقع

ہے کہ ان عطا کنندگان یورپین اصحاب میں سب سے پہلا اور سب سے گراں قدر حصہ اُسی کا عطا کردہ تھا۔ اس کتاب کے دیباچہ میں کیری نے اوّل تو "بوٹانیکل گارڈن BOTANICAL GARDEN) قائم کرنے کی ضرورت اور اس کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ ابھی ایشیائی نباتات کی تحقیقات ابتدائی مدارج میں ہے اُس نے چند ضروری ہدایات اور عملی تجاویز بھی پیش کی ہیں۔ پھر اُس نے ہردوار۔ دہلی۔ ڈھاکہ اور سلہٹ جیسے مقامات پر اس قسم کے باغات لگانے کی سفارش کی ہے جہاں ان پودوں اور درختوں کی نشو و نما کا مطالعہ بخوبی ہو سکتا ہے جو کلکتہ میں سرسبز نہیں رہ سکتے۔

۱۸۱۵ء میں ڈاکٹر راکسبرگ صاحب کا انتقال ہو گیا۔ آپ نے تیس ۳۰ سال تک متواتر اس مضمون کا مطالعہ کیا تھا اور مشرقی ایشیا کے دو ہزار سے زیادہ اقسام کے پودوں کی تحقیقات کر کے معلومات فراہم کر لی تھیں۔ کیری نے ایک عرصہ تک انتظار کیا کہ یورپ کا کوئی دوسرا عالم اور مشہور سائنس دان ڈاکٹر صاحب مرحوم کے ان نادر تجربات اور معلومات کو ترتیب دے کر کتابی شکل میں شائع کرے۔ لیکن جب اُس نے دیکھا کہ کوئی اس عظیم کام کو ہاتھ لگانے کی بھی جرأت نہیں کرتا تو ۱۸۲۰ء میں اُس نے اپنی ذمہ داری پر کتاب موسومہ "فلورا انڈیکا (FLORA INDICA) تیار کر کے شائع کرنی شروع کر دی۔ کتاب مذکور کی پہلی جلد کے صفحۂ اوّل پر یہ الفاظ لکھے گئے۔ "اے خداوند تیری ساری دستکاریاں تیری حمد بیان کرتی ہیں ——— داؤد"۔ جب یہ کام ختم کر کے راکسبرگ صاحب کا قلمی نسخہ کلکتہ کے بوٹانیکل گارڈن کو واپس دیا گیا اُس وقت کتاب کی چوتھی اور آخری جلد کی تمہید میں یہ جملے بھی شامل کئے گئے:۔

"یہ کتاب اُن قلمی نسخوں سے ترتیب دی گئی ہے جو بزرگ ڈاکٹر کیری صاحب کے قبضہ میں ہیں۔ یہ کتاب اُس زمانہ میں تیار کی گئی ہے جبکہ آپ نہایت ضعیف العمر ہو چکے ہیں . . . . . . اور آپ کی علالت کی وجہ سے اس کی اشاعت میں کسی قدر عجلت کے ساتھ کام لیا گیا ہے۔"

کیری نے ۱۸۱۱ء میں "بنگال ایشیاٹک سوسائٹی (BENGAL ASIATIC SOCIETY) کے رسالہ "ٹرانزیکشنز (TRANSACTIONS) میں جو مضمون شائع کیا وہ کاشت کاری کی اصلاح کے لئے اس کا پہلا مضمون تھا۔ ایک رسالہ کے مضمون کی حدود

ہیں اُس نے " داناپور میں کاشت کاری کی حالت " کے موضوع پر جو کچھ لکھا ہے وہ گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دینے کا صحیح مصداق ہے۔ اس ایک ہی مضمون میں اُس نے اُن اصلاحات کا بیان کیا ہے جو افسران نافذ کر سکتے ہیں جن پر تو آبادیات کے باشندے خود عمل کر سکتے ہیں، اور جن کو حکومت قانوناً رائج کر سکتی ہے۔ زمین کی حالت کاشت کاروں کے ماحول۔ جانور۔ مویشی۔ آبپاشی۔ ہل جوتنے کے طریقے۔ فصل کاٹنے کے طریقے۔ زراعت کے اوزار وغیرہ زیر بحث آئے ہیں اور لبنقو کی تصاویر اور نقشے بھی پیش کئے گئے ہیں۔ فصلوں کی حالت پر جامع بحث کی گئی ہے۔ دھان کی مختلف اقسام اور متعدّد فصلوں کا بیان نہایت واضح طور پر کیا گیا ہے۔ نیل پر جو بحث کی ہے وہ انتہائی معنی خیز ہے اور اُس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مُصنّف نے تمام عمر سوائے نیل کی کاشت کے اور کوئی کام ہی نہیں کیا ہے۔ بھنگ اور سنّ کے پودوں کا ذکر کرتے ہوئے اُس زمانہ کا خیالی نقشہ پہلے ہی سے کھینچ کر رکھ دیا ہے، جبکہ سنّ کی تجارت کی اجارہ داری بنگال کو حاصل ہوگی۔ روغنی تُخم اور تیل نکالنے کے طریقوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور وجُوہات پیش کی گئی ہیں کہ ہندوستانی السی کا تیل مصوّری اور دیگر رنگ کے کام میں کیوں استعمال نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد گندم کو بحث کا موضوع بنا کر اس امر کا اظہارِ تاسّف کیا ہے کہ باوجُود یکہ اس علاقہ کی زمین گندم کی کاشت کے لئے نہایت موزوں ہے لیکن یہاں کے لوگ ایک سیاہ قسم کے گیہوں بوتے ہیں۔ الغرض نہ صرف یہ بلکہ دالیں۔ تمباکو۔ بینگن۔ مرچ کھیرا۔ ہلدی۔ ادرک اور نیشکر وغیرہ تمام اجناس پر بحث کی گئی ہے اور طرزِ بیان ایسا رکھا گیا ہے کہ عوام بآسانی سمجھ سکیں اور ماہرین اُس سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ ان کے علاوہ ایسی تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں جو " کاشت کاروں کے افلاس۔ اُن کے توہّمات اور اُن کی کاہلی اور سُستی کے باوجُود " اُن کے لئے قابلِ عمل اور مُفید ہیں۔

یہ مضمون اس وجہ سے بھی ایک خاص اہمیّت رکھتا ہے کہ اس کا مُصنّف ہی پہلا شخص تھا جس نے جنگلات کی حفاظت کی طرف عوام اور سرکار کی توجّہ مبذول کرائی۔ اگر ہم یہ واضح کر دیں کہ سرکارِ ہند نے ۱۸۴۶ء میں مالابار کے جنگلات کی لکڑی کو بمبئی میں جہاز بنانے کے کام کے واسطے محفوظ رکھنے کا انتظام کیا اور ۱۸۵۵ء کے

بعد لارڈ ڈلہوزی (LORD DALHOUSIE) نے کیری کے اخبار "فرینڈ آف انڈیا" (FRIEND OF INDIA) کے مشورہ پر برما اور جنوبی ہند کے جنگلات کے تحفظ کے لئے افسران مقرر کئے تو ناظرین اس امر کا اندازہ لگا سکیں گے کہ ہمارے کیری نے جنگلات کی طرف ۱۸۱۱ء میں توجہ دلانے کی کوشش کر کے کس قدر دانائی اور دُور اندیشی سے کام لیا ہے۔ کیری لکھتا ہے کہ:-

"لکڑی کو حاصل کرنے کی غرض سے جنگلات کی کاشت کی طرف اب تک کوئی خیال نہیں کیا گیا ہے ...... شیشم۔ انڈمان کی سُرخ لکڑی۔ ساگوان۔ جھاگنی۔ ساٹن لکڑی۔ چکراسی۔ تُونا۔ اور سیرس کو خاص طور پر منتخب کرنا چاہیئے۔ اگر یہ درخت الگ الگ ایک ایک فرلانگ کے فاصلہ سے بوئے جائیں تو ان سے اناج کی فصل کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا بلکہ یہ آب و ہوا کو سرد کر کے اناج کے لئے مُفید ثابت ہوں گے۔ بہُت سے ایسے مقامات ہیں جہاں زمین اس وقت کاشت کے قابل نہیں ہے، لیکن اگر اس زمین میں بڑے درختوں کے جُھنڈ لگا دئے جائیں اور پھر ان درختوں کے سائے میں ادرک اور ہلدی کی کاشت کی جائے تو بہُت فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہے۔ کہیں کہیں سال کا درخت بھی بہُت آسانی سے نشو و نما پا سکتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہو گا کہ اس مُلک میں شہتیر کی حصُولی کے لئے درخت بونے سے جو فوائد پیدا ہو سکتے ہیں وُہ بیان سے باہر ہیں۔ آجکل تمام ساگوان کی لکڑی برما سے آتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ"

دس سال گذر گئے۔ کیری بدستُور کاشتکاری اور باغبانی کے تجربات میں مشغول رہا۔ اُس نے تمام دُنیا کے ماہرین علمُ النباتات سے خط و کتابت جاری رکھی۔ لیکن ہندوستان میں سرکاری طور پر کوئی کارروائی عمل میں نہ لائی گئی۔ آخر کار اُس نے محسُوس کیا کہ ایک فردِ واحد کی کوششوں سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا لہٰذا ۱۵ اپریل ۱۸۲۰ء کو وُہ مبارک دن آیا جب یہ امر طے پایا کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے متعدد اشخاص کا اپنی کوششوں کو یکجا کر دینا بہتر ہو گا۔ اسی تاریخ کو اس نے "ہندوستان کی زراعت اور فنِ باغبانی کی انجمن کا قواعد نامہ" مشن ہاؤس سیرامپور سے شائع کیا جس کے اختتامی الفاظ یُوں قلمبند تھے:-

"مُصنّف اور اُس کے ساتھی یہ یقین کرتے ہیں کہ اس مُلک کے سُود و بہبُود کے لئے

ایسی سوسائٹی کے قیام کی اشد ضرورت ہے، اس لئے وہ اس سوسائٹی کے قیام اور اُس کے اغراض و مقاصد کی حصولی میں حتّی الامکان کوشش کریں گے۔"

کلکتّہ کے ٹاؤن ہال میں اس مجوّزہ سوسائٹی کو قائم کرنے کے لئے افتتاحی اجلاس کی دعوت دی گئی تھی لیکن کیری اور مارشمین کے علاوہ صرف تین یورپین حضرات تشریف لائے۔ مگر کیری کبھی ہار ماننے والا نہ تھا اُس نے ہمّت نہ ہاری اور حاضرین نے فیصلہ کیا کہ کام جاری کر دیا جائے۔ دو ماہ کے اندر ہی پچاس ممبران شامل کر لئے گئے جن میں سے کئی ہندوستانی تھے۔ نئی سوسائٹی کا پہلا باقاعدہ جلسہ ۱۴ ستمبر کو منعقد ہوا جس میں کیری کے تیار کردہ مجوّزہ قوانین کے مسودہ پر سوسائٹی کے قوانین مرتّب کئے گئے۔

آئندہ اجلاس میں ڈاکٹر کیری سے درخواست کی گئی کہ ایک "سوال نامہ" تیار کریں تاکہ "ہندوستان کے مختلف صُوبوں میں زراعت اور باغبانی کے حالات کی نسبت صحیح معلومات حاصل ہو سکیں"۔ چنانچہ کیری نے بیس سوالات پر مشتمل ایک سوال نامہ تیار کیا۔ ان سوالات سے معلوم ہوتا ہے کہ مُصنّف بُنیادی اصُولوں کو پہچانتا ہے۔ معاملات کو سمجھتا ہے اور خلوصِ دل سے کام کرتا ہے۔ ان سوالات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کیری کے مضامین محض کتابی معلومات پر ہی مبنی نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ اس کے عملی تجربات کا نچوڑ ہوا کرتے تھے اور اُس کی مشاہدہ کی قوّت اور اصلاح کی اہلیّت بھی سوالوں کی فہرست سے ظاہر ہوتی ہے۔

مارکوئس ہیسٹنگز (MARQUIS HASTINGS) بخوشی اس سوسائٹی کے مُربّی بن گئے اور یہی سبب ہے کہ اُس زمانہ سے اب تک سرکار کی طرف سے اس سوسائٹی کو مالی امداد ملتی ہے۔ اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ انگلستان کی مشہور "رائل ایگریکلچرل سوسائٹی" (ROYAL AGRICULTURAL SOCIETY) ۱۸۳۸ء میں قائم کی گئی اور اس سوسائٹی نے کیری ہی کی سوسائٹی کے نمونہ پر اپنا دستور العمل مرتّب کیا۔

۱۸۳۲ء میں تھامسن (THOMPSON) صاحب ڈپٹی سیکرٹری (DEPUTY SECRETARY) تھے۔ (آپ بعد میں لفٹننٹ گورنر (LIETENANT GOVERNOR) کے عُہدہ پر مامُور کئے گئے) اُنھوں نے کاغذ کی ساخت کے متعلق سوسائٹی سے چند

ضروری معلومات بہم پہنچانے کی درخواست کی۔ سوسائٹی نے یہ کام ڈاکٹر کبری اندر رام کمل سین کے سپرد کردیا۔ ان دونوں کی تحقیقاتی رپورٹ کا وہ اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے جو کبری کے قلم سے لکھا گیا تھا اور اُس کے شخصی تجربات کا لبِ لباب ہے:۔

"کئی سال ہوئے ہم نے کاغذ بنانے کا کام شروع کیا تھا۔ اُس وقت کوئی مشین نہیں تھی، اس لئے ہم نے دیسی کاغذ بنانے والوں کو ملازم رکھا تھا تاکہ وہ دیسی طریق سے کاغذ بنائیں۔ لیکن اس میں ہم نے یہ جدّت ضرور کی تھی کہ گودے میں "کانجی" (یعنی اُبلے ہوئے چاولوں کا پانی) ملاکر کاغذ پر کلف دینے کے تجربات کئے۔ ہمارا مقصد یہ تھا کہ ایسا کاغذ تیار ہو جائے جس کو کیڑا نہ کھا سکے۔ ابتدا میں ہم کو کامیابی نہ ہوئی تاہم جو طریقہ ہم نے اختیار کیا تھا وہ یہ ہے:۔

سن (یعنی CROTOLARIA JUNEEA کے ریشے) کی ایک مقدار کئی مرتبہ چُونے کے پانی میں بھگوئی جاتی تھی اور بار بار اس کو گھاس پر پھیلا کر سُکھا دیا جاتا تھا اور ہر مرتبہ اس کو ڈھینکی میں کُوٹا بھی جاتا تھا۔ جب اس طرح گودا کافی ملائم ہو جاتا تو اُس کو ایک گملے کے اندر پانی میں گھول دیا جاتا تھا، اور اس طرح گاڑھے شوربے کی مانند گودا تیار ہو جاتا تھا۔

جن چوکھٹوں پر یہ گودا اُٹھایا جاتا تھا وہ اس کاغذ کے برابر ہی ہوتے تھے جو ہمیں بنانا مقصود ہوتا تھا اور یہ چوکھٹے چٹائی سے بنائے جاتے تھے۔ کام کرنے والا گملے کے کنارے بیٹھ کر چوکھٹے کو گودے میں غوطہ دے کر نکال لیتا تھا۔ جب اس میں سے پانی نکل جاتا تھا تو ایک مددگار کو دے دیتا تھا جو اُس کو سُوکھنے کے لئے گھاس پر رکھ دیتا تھا۔ اس جگہ ہمارا کام ختم ہو جاتا تھا۔ لیکن بازار میں فروخت کرنے کے لئے اس کاغذ پر کلف چڑھانا ضروری تھا اس لئے ان کاغذوں کو کنارے سے پکڑ کر کانجی میں غوطہ دیا جاتا تھا۔ اس میں یہ خاص احتیاط رکھنی پڑتی تھی کہ کاغذ ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ رہیں۔ جب کاغذ خشک ہو جاتے تو ان کو تہ کر دیا جاتا تھا اور دو تختوں کے درمیان رکھ کر اوپر سے وزنی پتھر رکھ دیئے جاتے تھے۔

انگریزی طریقہ یہ ہے کہ گودا مشین سے تیار کر کے حوض میں جمع کیا جاتا ہے چوکھٹے

پر بھی مہین تار کی جالی لگائی جاتی ہے اور کاریگر حوض کے کنارے کھڑا ہو کر گودے کو چوکھٹے پر اُٹھاتا ہے۔ جب کاغذ کافی ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو اُس کو رسیوں پر لٹکا دیا جاتا ہے تاکہ بالکل سوکھ جائے۔ اس کے بعد اگر کلف کی ضرورت ہوتی ہے تو کلف بھی دے دیا جاتا ہے۔

اب ہم اپنا کاغذ مشین سے بناتے ہیں۔ اس میں گودا تاروں کے ایک جال پر ڈالا جاتا ہے جو کئی بیلنوں پر سے گذرتا ہے۔ آخری بیلن بھاپ کے ذریعہ گرم کیا جاتا ہے اور اس طرح گودے کی حالت سے استعمال کے لائق کاغذ دو منٹ میں تیار ہو جاتا ہے۔

جہاں تک کاغذ کی ساخت کا تعلق ہے یہ واضح کر دینا بہتر ہوگا کہ کیری ہی وہ پہلا شخص تھا جس نے پہلے پہل کیلے اور دیگر ریشے دار پودوں سے کاغذ تیار کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اُس کا یہ مشورہ اُس کی وفات کے ایک سو برس بعد عملی طور پر رائج ہوا۔

۱۸۳۳ء میں لندن کی "ہارٹی کلچرل سوسائٹی (HORTICULTURAL SOCIETY) اور "جیولاجیکل سوسائٹی" (GEOLOGICAL SOCIETY) نے کیری کو اپنا ممبر منتخب کیا اور "لنین سوسائٹی" (LINNAEAN SOCIETY) نے بھی اُس کو "فیلو" (FELLOW) کا اعزاز عطا فرمایا۔

لیکن کیری کے لئے یہ سال جہاں اعزازی ڈگریاں ملنے کی وجہ سے مبارک تھا، وہاں یہی سال اس وجہ سے سخت منحوس بھی ثابت ہوا کہ دامودر ندی میں طغیانی آگئی اور سیلاب کا پانی دریا کے کناروں سے نکل کر دریائے ہگلی سے جا ملا۔ اس سیلاب میں کیری کا باغ ڈوب گیا اور "مشن ہاؤس" کے احاطہ میں تین فٹ پانی جمع ہو گیا، جس کے باعث کیری کے تمام نباتاتی خزانے پانی میں غرق ہو کر تلف ہو گئے۔

ان ہی دنوں کیری کی کولھے کی ہڈی بھی اُتر گئی تھی جس کی وجہ سے اُس کو اس قدر تیز بخار چڑھا کہ بظاہر اُس کے جانبر ہونے کی کوئی اُمید نہ تھی۔ ایسی حالت میں اُس کے مکان کی بنیادوں میں پانی بھر گیا اور مکان کی حالت خطرناک ہو گئی۔ خیر ہوئی کہ بروقت کیری کو کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا تھا کیونکہ چند ہی گھنٹوں بعد اُس کے مکان کی تمام عمارت منہدم ہو گئی تھی۔

ان تمام مصائب کے باوجود وہ اپنے باغ کو نہ بھولا۔ کولھے کی ہڈی کا اُتر جانا کوئی معمولی تکلیف نہیں ہوتی اور ایسی ضرب کھا کر انسان نقل و حرکت تو کُجا خفیف سی جُنبش کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ مگر کیری جیسے کہ بحالی صحت کے زمانہ میں اپنے باغ کی بہاریں دیکھنے جایا کرتا تھا ویسے ہی اب بیساکھیوں کی مدد سے وہاں جاکر اُس کی تباہ حالی دیکھ دیکھ کر آنسو بہایا کرتا تھا۔ یہ بیساکھیاں اب تک سیرامپور کالج میں موجود ہیں جن کو دیکھنے کے لئے اکثر لوگ آتے رہتے ہیں۔

کیری کے باغ میں پودوں کے جو نمونے تھے وہ ایشیا کے کسی اور باغ میں نہ ملتے تھے، سوائے کلکتہ کے کمپنی باغ کے۔ اور یہاں بھی کیری ہی نے یہ تمام پودے اُن کو بطور عطیہ دئے تھے۔ یہ سب کے سب سیلاب میں تباہ ہو گئے۔ پودوں کی مختلف اقسام اور جنس کے مطابق اُس نے کیاریوں کا جو انتظام کیا تھا وہ سب درہم برہم ہو گیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سیلاب نے جو ریت باغ میں لاکر پھیلادی تھی اُس کی وجہ سے یہ باغ ایک ریگستان میں تبدیل ہو جائیگا خیال یہ تھا کہ یہ صدمہ کیری کے لئے ناقابل برداشت ثابت ہوگا لیکن اُس نے اس حادثہ کو نہ صرف کمال صبر و تحمّل سے برداشت ہی کیا بلکہ اُس نے نئے پودے اور تخم وغیرہ منگوا کر بہت جلد اپنے باغ کو دوبارہ ویسا ہی بنا دیا جیسا کہ وہ پیشتر تھا۔

کیری نے ہندوستان میں سائنس کے لئے جو خدمات کی ہیں اُن کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے ہم اسی باب میں اُن دو قراردادوں کو نقل کرتے ہیں جو اس مُلک کی علمی انجمنوں نے کیری کی وفات کے بعد منظور کیں۔

کلکتہ کے لارڈ بشپ (LORD BISHOP) کی تحریک اور کرنل سر جرمی بینٹ (COLONEL SIR JEREMY BYANT) کی تائید پر "بنگال ایشیاٹک سوسائٹی" نے حسب ذیل تجویز منظور کر کے اپنے "جرنل" ("JOURNAL") میں شائع کیا۔

"ریورینڈ ولیم کیری ڈی۔ ڈی۔ کی وفاتِ حسرت آیات کا ذکر ہم اپنی کارروائیوں میں بغیر اظہارِ تاسف اور دلی ملال و رنج کے نہیں کر سکتے۔ اُن کے اُٹھ جانے سے دُنیائے علم و ادب و دانش کو سخت نُقصان پہنچا ہے۔ مرحُوم ہمارے ادارہ کے نہایت سرگرم رُکن اور اس بزم کی زینت تھے۔ اُنھوں نے نہ صرف مشرقی علوم اور زبانوں میں مہارتِ تامّہ حاصل کر کے اپنے لئے ایک بے مثال امتیاز حاصل کر لیا تھا بلکہ اُنہیں کی

یہ کوشش قابلِ صد تحسین شمار کی جائے گی کہ آپ نے ہندوستانی ادب کے ذخیروں کو اہل یورپ کے تحصیل علم و فوائد کے لئے عام کر دیا۔ سائنس۔ اس ملک کی تاریخ۔ مطالعۂ قدرت اور علم النباتات کے میدانوں میں آپ کی سرگرمیاں مدت العمر یاد رہیں گی۔ علاوہ ازیں دیگر معاشری امور میں اصلاح اور ترقی کے مسلک کی پیروی اُن کی زندگی کے خاص کام تھے۔ ہماری سوسائٹی اس زبردست عالم ممتاز زباندانی اور دینیاتی مبلّغ کی بلند پایہ خوبیوں کو یاد کرکے انتہائی ملال کا اظہار ضروری سمجھتی ہے۔ مرحوم کے پُرخلوص مذہبی شغف اور اخلاقی محاسن کو جس قدر بھی یاد کیا جائے کم ہے اور اس موقعہ پر ہم اُن کے کردار کی خوبیوں اور اُن کی وفات سے اپنے ناقابلِ تلافی نقصان پر انتہائی قلبی رنج کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے"۔

اس کے علاوہ "ایگریکلچرل اینڈ ہارٹی کلچرل سوسائٹی آف انڈیا" کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر والچ (DR. WALLICH) نے فرمایا کہ :-

سوسائٹی کے بزرگ بانی (ڈاکٹر کیری) نے ہندوستان کی خدمت ہر طریقہ پر انجام دی ہے اور اپنے اخلاقِ حمیدہ کی وجہ سے ہمیشہ ہر دلعزیز رہے۔ اور یہ سوسائٹی خاص طور پر اُن کی مرہونِ منّت ہے"۔

چنانچہ ڈاکٹر والچ کی تحریک پر بالاتفاق رائے مندرجہ ذیل قرارداد منظور ہوئی :-

"ایگریکلچرل اینڈ ہارٹی کلچرل سوسائٹی آف انڈیا" اپنے بانی مرحوم ریورینڈ ڈاکٹر ولیم کیری کی وفاتِ حسرت آیات پہ انتہائی رنج و ملال کے جذبات کا اظہار کرتی ہے برطانوی ہند کے مفاد کے لئے ان کی بیش بہا خدمات اور زبردست تعاونِ کار کی یاد ہمیشہ یہاں کے لوگوں کے دلوں میں موجزن رہے گی۔ اُن کی ہستی محض اس کام میں انتھک کوششوں میں لگی رہی کہ ہندوستان کے بہترین مفاد کو فروغ حاصل ہو۔ اُنہوں نے اپنی خداداد قابلیت۔ استعدادِ علمی اور ذاتی اثر و رسوخ کو خلقِ خدا کی خدمت اور باشندگانِ ہند کی بہبود و مسرت کے لئے مدت العمر تک وقف رکھا بالخصوص علم النباتات و باغبانی اور زراعت کے سلسلہ میں اُن کے کارنامے زرّیں حروف میں لکھے جائیں گے۔ ان خدمات کے ایک ادنےٰ اظہارِ تشکر کے لئے یہ سوسائٹی فیصلہ کرتی ہے کہ اپنے بانی اور اس مربیِّ علوم کی ایک مستقل یادگار قائم

کرے۔ چنانچہ سوسائٹی کے نئے ایوان واقع "مٹکاف ہال" (METCALFE HALL) میں مرحوم کیری کا ایک مرمرین نیم قد مجسمہ رکھنے کی تجویز منظور کی جاتی ہے۔ یہ مجسمہ مرحوم کے پرخلوص کردار بے لاگ انسیت علمی جوش اور خدمات جلیلہ کی ایک پائیدار یادگار ہوگا۔ اس مقصد جمیل کے لئے سوسائٹی کے ارکان سے درخواست ہے کہ عطیات فوراً جمع کر کے اس کو عملی جامہ پہنائیں۔

مندرجہ بالا قرارداد میں جس مجسمہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ آج بھی کلکتہ کے کمپنی باغ میں اُس سڑک پر رکھا ہوا ہے جس کو "کیری کی روش" (CAREY AVENUE) کہتے ہیں۔

بائیسواں باب
کیری کی تعلیمی خدمات

ہندوستان کے لوگوں کے درمیان شمع علم کی روشنی پھیلانے میں جو خدمت کیری نے کی ہے وہ غالباً یہ ہے کہ اُس نے اہل ہند کے لئے ایک پاکیزہ اور مقدس ادب فراہم کیا ہے۔ ۱۷۹۲ء ہی میں اُس نے اپنے صرف سے مدن باٹی میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ یہ ہندوستان کا پہلا مدرسہ تھا جس کو صحیح معنوں میں ایک عام تعلیمی ادارہ کہا جا سکتا ہے۔ اس سے پہلے ہندوستان میں پاٹھ شالائیں اور مدارس تو ضرور تھے لیکن اُن میں صرف مخصوص قوموں کے لڑکوں کو ہی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ تعلیم بھی بہی کھاتے کا حساب رکھنے تک ہی محدود تھی۔ اس کے علاوہ بنگال کے "ٹول" تھے لیکن اُن کی یہ حالت تھی کہ اُن میں برہمن گرو اپنے چیلوں کو چھ مہینے تعلیم دیتے تھے اور چھ مہینے کے لئے اُن بچوں کو بھیک مانگنے کے لئے بھیج دیا جاتا تھا۔

جب کیری سیرامپور آیا تو اُس کو دو نہایت قابل اور مستعد مدرس یعنی مارشمین (MARSHMAN) اور اُس کی بیوی مل گئے اس لئے "تعلیم" نے بھی اس جدید صلیبی جنگ میں اپنی مناسب جگہ لے لی۔ جس طرح سیرامپور میں ایک مدرسہ کھولا گیا اُسی طرح اُس

نئے مقام پر ایک ایک مدرسہ کی بُنیاد رکھی گئی جہاں مشن نے اپنا تعلیمی کام جاری کیا تھا ہم اس سے پیشتر پیتمبر سنگھ کا ذکر کر چکے ہیں۔ یہ پہلا تعلیم یافتہ ہندوستانی مسیحی تھا۔ اس کو مدرسہ کا مدرّس بنایا گیا۔ کیری نے اپنے اکتوبر سنہ ۱۸۰۲ء کے خط میں تعلیم کا ذکر کرتے ہُوئے یہ الفاظ لکھے ہیں :-

"ہمارے بنگالی سکول میں تقریباً پچاس لڑکے تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور ان میں سے زیادہ تر نوعمر ہی ہیں۔ لیکن ان کی فہم کی ترقی کے ساتھ ساتھ ہم اُن کے خیالات میں حقائقِ خُداوندی بھی نقش کرتے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے چند لوگوں نے شکایت کی ہے کہ ہم ان بچّوں کے دماغ میں زہریلے اثرات پیدا کرتے ہیں۔ جب ان بچّوں سے پہلی مرتبہ کہا گیا کہ "دینی سوال و جواب" کو بنگالی زبان میں نقل کریں تو لوگوں نے احتجاج کیا کہ اس سے ہمارا مذہب خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اس سے تیس سال بعد جب ڈف (DUFF) نے بھی اپنے طالب علموں کو "پہاڑی وعظ" بآوازِ بلند پڑھنے کے لئے کہا تو تب بھی ایک ہنگامہ برپا ہوگیا لیکن ضابطہ کے اصُول فوراً حسب ذیل الفاظ میں سمجھا دیئے گئے۔

"بچّوں پر کوئی ایسا کام کرنے کے لئے ناجائز دباؤ نہ ڈالا جائے گا جس سے اُن کی ذات پلید ہو جانے کا احتمال ہو۔ ہم ذات پات کے ڈھکوسلے کو بے شک نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ کسی شخص کی ذات اُس کی مرضی کے خلاف برباد کی جائے۔ اس حقیقت کی وضاحت کے بعد ہم اصرار کریں گے کہ بچّے ہمارا حکم مانیں۔"

اس پر چند بڑے لڑکے مدرسہ چھوڑ کر چلے گئے کیونکہ وُہ یہ ظن کرتے تھے کہ اُن کو جہاز پر بٹھا کر ولایت بھیج دیا جائے گا۔ علاوہ ازیں ہر بپتسمہ کے موقعہ پر بھی ایک ہنگامہ برپا ہو جایا کرتا تھا لیکن نیک نیتی کے ساتھ سمجھانے بجھانے پر یہ فرو بھی ہو جاتا تھا۔ چنانچہ دو سال کے بعد جو صُورتِ حال تھی اُس کا بیان یُوں قلمبند کیا گیا ہے :-

"مُتندیوں کی جماعت اب بنگالی زبان میں دینِ عیسوی کے بُنیادی اصُولوں کی تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ اس کے بعد ان کو تاریخ۔ جغرافیہ اور علمِ نجوم کے ابتدائی اصُولوں کی تعلیم بھی دی جائے گی۔ دُوسری جماعت دو اور مدرّسوں

کی زیرنگرانی ہے - یہ بنگالی اور انگریزی پڑھنا اور لکھنا سیکھ رہے ہیں -
تیسری جماعت میں صرف وہ ہندوستانی بچے ہیں جن کی ذات پات کا خیال ابھی تک ہے - یہ صرف بنگالی سیکھتے ہیں - اس مدرسہ کا مستقبل نہایت شاندار ہے، اور اس کی امداد یہاں کے رہنے والے یورپین لوگوں کے عطیات سے ہوتی ہے۔"

کیری نے شروع ہی سے ہر قوم و ملّت سے تو مُرید حاصل کئے تھے - ان میں آرمینین (ARMENIAN) - پُرتگالی - یوریشین (EURASIAN) اور ہندوستانی سب ہی شامل تھے - کیری نے مسٹر اور مسز مارشمین کی زیرنگرانی ان تمام نو مریدوں کے بچّوں کی تعلیم کے لئے خاطر خواہ مدارس قائم کر دیئے تھے - اس امر کی ضرورت خاص طور پر اس وجہ سے بھی پیش آئی کہ شروع میں خود ان ہی کی برادری میں نو بچّے تھے - ان کے علاوہ اگر دُوسرے بچّوں کے لئے بھی بورڈنگ ہاؤس قائم کر دیئے جاتے تو یہ مشن کے لئے آمدنی کا ذریعہ بھی بن سکتے تھے - چنانچہ مارچ ۱۸۰۰ء میں مندرجہ ذیل اشتہار شائع کیا گیا۔

"مشن ہاؤس - سیرامپور - جمعرات مؤرخہ یکم مئی ۱۸۰۰ء سے اس مقام پر ایک مدرسہ جاری کیا جائے گا - یہ ایک نہایت خوشگوار اور صحت افزا مقام ہے - اگر اس کے متعلق مسٹر کیری سے خط و کتابت کی جائے تو وہ اس کا جواب جلد دیں گے۔"

بورڈنگ ہاؤس کی فیس ۳۵ پونڈ سے ۴۰ پونڈ تک مقرر ہوئی - یہ اس نصاب پر منحصر تھی جو طالب علم اپنے لئے منتخب کرتے تھے - یعنی لاطینی - یونانی - عبرانی - فارسی اور سنسکرت - اور چونکہ یہ خیال تھا کہ لڑکے مختلف اقوام کے ہوں گے اس لئے یہ ظاہر کر دیا گیا تھا کہ "انگریزی زبان کے صحیح تلفظ کی ادائیگی پر خاص زور دیا جائے گا۔"

یہ ان یوریشین لڑکوں کی تعلیم کی ابتدا تھی جن کے والدین کمپنی کے فوجی ملازم نہ تھے بلکہ سول سروس میں کام کرتے تھے - یہ درسگاہ مارشمین اور میک (MACK) کی کوششوں کا نتیجہ تھی جس نے بالآخر ۱۸۳۳ء میں ڈوٹن کالج (DOVETON COLLEGE) کی شکل اختیار کرنی شروع کر دی۔

لڑکوں کے مدرسہ کے بعد ہی لڑکیوں کا مدرسہ بھی جاری کیا گیا جس سے مسیحیت کا جلال پوری شان و شوکت کے ساتھ ظاہر ہوا اور کئی لڑکیاں مسیحی مشنری بن کر تبلیغی خدمت میں مصروف ہوئیں۔

جس زمانہ میں کیری ہندوستان میں آیا اُس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی مسیحیت سے بہت زیادہ خائف تھی۔ اُن دنوں ہندوستان میں رہنے والے یورپین لوگوں کی حالت کا جو نقشہ کیری نے کھینچا ہے وُہ پڑھنے سے تعلّق رکھتا ہے:-

"ہندوستانی اور یورپین دونوں کی نظروں میں پُرتگالی لوگ غیر اقوام سے بھی کم توقیر کے مالک ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ان کی یہ کم قدری حق بجانب نہیں ہے۔ یہ لوگ زیادہ تر اُن پرتگالیوں کے غلاموں کی اولاد ہیں جو پہلے پہل ہندوستان میں آئے تھے یا اُن پُرتگالیوں کی غلام عورتوں کی ایسی اولاد ہیں جو اُن کے مالکوں سے پیدا ہوئی۔ چونکہ یہ پُرتگالی خاندانوں میں پیدا ہوئے تھے لہٰذا ان کو بچپن ہی میں اُس رسم کے ذریعہ مسیحی بنا دیا گیا جس کو یہ لوگ بپتسمہ سمجھتے ہیں اور ان کو پُرتگالی نام بھی دے دیئے گئے۔ ان لوگوں کو یورپین نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

* * * * * * *

* * * * * * *

لیکن ان میں سے اکثر انگریزی سیکھنا اور پڑھنا اچھی طرح جانتے ہیں اور وُہ سب پُرتگالی زبان سے بخوبی واقف ہیں . . . . اس کے علاوہ کئی ایک ایسے بھی ہیں جو داشتہ ہندوستانی عورتوں سے یورپین لوگوں کی اولاد ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر اچھے تعلیم یافتہ ہیں اور تقریباً سب ہی پروٹسٹنٹ (PROTESTANT) ہیں۔ ایسے لوگ، خواہ وُہ فرانسیسی۔ ڈچ (DUTCH) ڈین (DANE) یا انگریز قوم کے لوگوں کی اولاد ہوں سب پُرتگالی ہی کہلاتے ہیں۔

کیری نے ان یورپین لڑکوں کی اعلےٰ تعلیم کے لئے جو بورڈنگ ہاؤس سنہ ۱۸۰۰ء میں قائم کر دیئے تھے اُن کی نگرانی مسٹر اور مسز مارشمین صبح سات بجے سے شام کے تین بجے تک روزانہ کرتے تھے اور کیری اس انتظام سے مطمئن تھا۔ لہٰذا اُس نے اپنی توجہ کلکتہ کے غریبوں کی جانب مبذول کی۔ اُسی کی کوششوں سے وُہ ادارہ قائم ہوا

جس کو لوشنگ ٹن (LOSHINGTON) نے اپنی "تاریخ" میں "سیرامپور والوں کی عملی کوششوں کا نتیجہ اور انتھک محنت اور نیک کاموں کی بہترین یادگار" قرار دیا ہے۔ اس ادارہ کا نام (BENEVOLENT INSTITUTION FOR THE INSTRUCTION OF INDIGENT CHILDREN) ہے۔ اس ادارہ کی نگرانی خود کیری کے ہاتھ میں تھی جس کی امداد مسٹر اور مسز پینی (PENNEY) کیا کرتے تھے۔ اس ادارہ میں تین سو لڑکے اور ایک سو لڑکیاں مسیحی تعلیم پاتے تھے اور ان میں یورپین۔ دیسی۔ پرتگالی۔ آرمینین۔ مگ۔ چینی۔ ہندو۔ مسلمان۔ سماٹرا (SUMATRA) کے باشندے۔ موزمبیق (MOZAMBIQUE) کے رہنے والے اور اہل حبش تک شامل تھے!!! سرکاری مورخ کا بیان ہے کہ اس ادارہ کے ذریعہ ہزارہا لڑکے بُری صحبتوں سے بچ گئے اور جہالت میں سے نکل آئے۔ بیشک یہ ادارہ کیری کی ایک عظیم خدمت تھا اور اس کے متعلق اُس نے ڈاکٹر رائیلینڈ (DR. RYLAND) کو خط کے دوران میں یوں لکھا ہے:-

۲۴۔ مئی ۱۸۱۱ء۔ ایک سال ہُوا ہم نے کلکتہ میں مُفت تعلیم دینے کے لئے ایک ادارہ قائم کیا تھا۔ اس سال ہم نے اس کے ساتھ ایک لڑکیوں کا مدرسہ بھی ملحق کر دیا ہے۔ اب ان میں تقریباً ۱۴۰ لڑکے اور ۴۰ لڑکیاں ہیں۔ ہماری کلیسا کے ایک رُکن مسٹر لیونارڈ (LEONARD) ایک قابل قدر اور جفاکش ہستی ہیں یہ لڑکوں کی نگرانی کرتے ہیں اور لڑکیوں پر ایک نہایت پارسا خاتون ہیں جو کلیسیا کی شریک ہیں۔ اس ادارہ کی بہت ہمت افزائی کی جاتی ہے۔ یہ لینکاسٹر (LANCASTER) کے اصولوں پر قائم کیا گیا ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ہندو بچوں کی تعلیم کے لئے بھی ایک ادارہ قائم کریں جس میں سنسکرت کی تعلیم دی جائے گی اور نصاب میں سنسکرت کی بائبل شامل ہو گی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ یہ ادارہ تقریباً وجود میں آ ہی چکا ہے۔ یہ کلکتہ میں واقع ہے۔ بھائی مارشمین اور ان کی اہلیہ کی ہمت اور کوشش سے اب سیرامپور میں بھی ہمارے گھر پر دو مدرسے قائم ہو گئے ہیں۔ ان میں لڑکوں اور لڑکیوں کو مُفت تعلیم دی جاتی ہے۔ ان مدارس کا تمام خرچ اور انتظام ہمارے سکول کے لڑکوں اور لڑکیوں ہی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ نوجوان طالب علم بڑی خوشی سے اس انتظام میں شریک ہوتے ہیں۔

اور اس سلسلہ کو جاری رکھنے کے لئے مالی امداد بھی دیتے ہیں اور باری باری ان سکولوں کے بچوں کو پڑھاتے بھی ہیں۔ اس لئے مجھے قوی اُمید ہے کہ رفتہ رفتہ یہ سلسلہ تمام مُلک میں پھیل جائے گا اور کامیاب ثابت ہوگا۔

کیری کو سیرامپور آئے ابھی چھ ماہ بھی نہیں ہُوئے تھے کہ اُس نے محسوس کر لیا کہ انگریزی زبان کو کس طرح مشنری کاموں میں استعمال کیا جاسکتا ہے اور اُس نے اس امر کا ذکر اینڈریو فُلر (ANDREW FULLER) سے بھی کر دیا۔ لیکن چونکہ وُہ پہلا مشنری تھا لہٰذا کام کی بُنیاد ڈالنے میں اُس کو اس قدر وقت صرف کرنا پڑتا تھا کہ اُس نے اس تجویز کو کچھ عرصہ کے لئے ملتوی رکھا۔ لیکن رفتہ رفتہ وُہ وقت بھی آگیا کہ اُس کے ورنیکلر سکول ہی سَو سے زیادہ ہو چکے تھے اور ان کو ایک عام ہردلعزیزی حاصل ہوگئی تھی۔ اس کے علاوہ ہندوستانی کلیسیا کے ابتدائی دنوں میں یہ مدارس اُس کے لئے نہایت مُفید ثابت ہُوئے۔ بلکہ اس کے متعلق مشنریوں نے سوسائٹی کو یہ لکھا کہ "اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو تمام محنت بیکار جاتی کیونکہ اگر ہندوستانی ان میں اپنے بچّوں کو خُوشی سے نہ بھیجتے تو سب کام لاحاصل تھا۔ لیکن جس شوق کے ساتھ اُنہوں نے ان مدارس کا خیر مقدم کیا ہے وُہ ہماری بہترین اُمّیدوں سے کہیں زیادہ ہے۔ ہم سے روز روز نئے مدرسے کھولنے کی درخواستیں کی جاتی ہیں حالانکہ ہم اب بھی اپنی مالی گنجائش سے تجاوز کر چکے ہیں۔" لیکن اب یہ امر عیاں ہوگیا کہ تبلیغی کام کی رکاوٹوں کو دُور کرنے کے لئے یہ ضرُوری ہے کہ برہمنوں کے اقتدار اور اُن کی زیادتیوں کے خلاف عوام میں نفرت اور حقارت کے جذبات پیدا ہوں۔ جب تک رائے عامّہ ان مذہب کے ٹھیکہ داروں کی اجارہ داری کے مخالف نہ ہو جائے تب تک بنگالیوں کے درمیان مسیح کو پیش کرنا ناممکن ہے۔ چُنانچہ جب تک کیری نیل کی کاشت کے ساتھ ساتھ مشنری خدمت کرتا رہا اُس وقت تک اُس کو نہ کوئی قابلِ ذکر کامیابی ہی ہُوئی اور نہ ہی کسی خاص مخالفت کا سامنا ہُوا لیکن جُونہی اُس نے سیرامپور کے مرکز سے تقریر و تحریر کے ذریعہ، بیماروں کے علاج مُعالجہ اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کے ذریعہ اپنی مُقدّس جنگ کو شروع کیا ویسے ہی چاروں طرف ایک شور برپا ہوگیا۔ پھر جب کرشنا پال کے بپتسمہ سے ذات پات کے بندھن ٹوٹنے شرُوع ہُوئے اور اُس کی بیٹی گوکل کو اُس کے بیاہتا شوہر

سے علیحدہ کر لینے میں بھی یہ لوگ کامیاب ہو گئے اور برہمن فرقہ نے محسوس کر لیا کہ نہ صرف اُن کی ریاکاری اور مکّاری کا پول کھلنے والا ہے بلکہ ہندو مجلسی زندگی کی جڑوں پر ایک زبردست ضرب لگنے کا امکان پیدا ہو گیا ہے تو اُنہوں نے اپنی صدا کو اور بھی زیادہ بلند کیا حتّٰی کہ عدالت تک کے دروازے کھٹکھٹانے کی نوبت آ گئی۔

ابتدا میں تو بازاری لڑکوں نے راستہ چلتے مشنریوں پر مسیح یسوع کے نام سے آوازہ کشی شروع کی۔ اور جب کرشنا کا بپتسمہ ہو گیا تو اُنہوں نے اُس پر حملہ کر دیا۔ اور پکڑ کر ڈینش (DANISH) عدالت میں پیش کر دیا۔ مجسٹریٹ نے ایک مسیحی لڑکی کو ایک ہندو شوہر کے سپرد کر دینے سے انکار کر دیا اور کرشنا کی حفاظت کے لئے پہرہ کی چوکی بٹھا دی تاکہ عوام میں سے کوئی اُس کو قتل نہ کر دے۔ لیکن جب معاملہ کلکتّہ کے انگریز مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا تو اُس نے فیصلہ دیا کہ لڑکی کو اپنے بیاہتا شوہر کے ساتھ رہنا ہی پڑے گا مگر اُس کو اپنے نئے مذہب کی پیروی کرنے کی اجازت ہو گی اور اُس کے لئے اُس کی حفاظت بھی کی جائے گی۔ رفتہ رفتہ یہ ہنگامہ اس گنجان آبادی میں چاروں طرف پھیل گیا۔

مندرجہ بالا واقعات کے باوجود تمام لوگ برہمنوں ہی کی طرف نہیں تھے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس شور و شغب ہی کی وجہ سے کئی دینِ حق کے متلاشی دُور دراز سے سیرامپور آئے۔ چنانچہ مارچ ۱۸۰۱ء میں کیری نے رائیلینڈ (RYLAND) کو لکھا تھا کہ "وہ آگ اب روشن ہو گئی ہے جس کی خواہش ہمارے نجات دہندہ نے کی تھی" اور اس تحریر کے ایک سال بعد وہ اپنے کسی اور دوست کو لکھتا ہے کہ:۔

"تھوڑے سے خمیر سے بنگال میں اس قدر اثر ہوا ہے کہ جلد ہی تمام آٹے میں خمیر ہو جانے کی اُمید ہے۔ خدا اپنے کام کو جاری رکھتا ہے اور حالانکہ وہ کام روز افزوں ترقّی پر ہے لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ ترقّی کس چیز کے ذریعہ سے ہے۔ بہت سی باتوں کے ذریعہ سے امداد مل سکتی ہے لیکن ان دنوں تک تو نئے عہد نامہ اور دیگر پرچوں کی چھپائی اور اشاعت ہی کا اثر زیادہ معلوم ہوتا ہے اور ۱۸۰۱ء کے اختتام پر تمام مشنریوں نے مندرجہ ذیل متحدہ رپورٹ انگلستان کو روانہ کی۔

"ہم سب ابھی تک بہت خوش اور تندرست ہیں اور خدا کی عنایت اور مہربانی ہمارے شامل حال ہے۔ اگرچہ الٰہی نعمتوں کے لئے ہم شکر گذار ہیں لیکن تاوقتیکہ نبتوہ توبہ نہ کرے ہم مطمئن نہیں ہو سکتے۔ ہم اس ملک میں اس لئے نہیں آئے کہ دنیوی راحت اور آرام حاصل کریں لہٰذا ہم کو یقین ہے کہ جب تک روحیں نجات نہ پالیں ہم کو چین نصیب نہیں ہو سکتا۔ یہ صحیح ہے کہ روانگی کے وقت ہم یہی سوچتے تھے کہ موجودہ کامیابی کا نصف حصہ حاصل کر لینے پر بھی ہم اطمینان کے ساتھ موت کو لبیک کہیں گے لیکن آج ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہم اپنے مشنری نصب العین سے اُتنے ہی دور ہیں جتنے پہلے تھے۔ اگر تین ۳ کروڑ نفوس ڈوبے جا رہے ہوں تو اُن میں سے محض ایک کی جان بچا کر مطمئن ہو جانے والا انسان انسان نہیں جانور سے بھی بدتر ہے حالانکہ یہ ضرور ہے کہ جس ایک شخص کی جان بچے گی وہ تمام عمر احسان مند رہیگا۔"

۱۸۱۰ء تک سیرامپور کی مرکزی مشن اس درجہ ترقی کر چکی تھی کہ کئی نئے مقامات پر کام جاری ہو گیا تھا اور ایک نئے دستور العمل کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اس وقت تین سو ۳۰۰ سے زائد ممبر تھے جن میں سے ایک سو پانچ ۱۰۵ کا بپتسمہ اُسی سال کے دوران میں ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں مارشمین سوسائٹی کو خط لکھتے وقت رقمطراز ہیں کہ:۔

"آج سے اٹھارہ سال پیشتر کیا آپ اس کی توقع کر سکتے تھے؟ لیکن اگر خدا کی رحمت شامل حال ہو تو ہم کو کس چیز کی کمی ہو سکتی ہے؟"

مندرجہ بالا خط کو لکھتے وقت شاید مارشمین بھول گیا تھا کہ ولیم کیری نے ۱۷۹۲ء ہی میں کہہ دیا تھا کہ:۔

"خدا سے عظیم الشان چیزوں کی اُمید رکھو[1]"

دراصل اس کامیابی کا راز یہ تھا کہ کیری نے اپنی مشن کو محض دینی تعلیم تک ہی محدود نہ رکھا تھا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو وہ عوام کی ہمدردی حاصل نہ کر سکتا۔ اُس نے درسی تعلیم جاری کر کے اور جہالت کی تاریکی کو علم کے نور سے روشن کر کے خود عوام کو اس امر

[1] "EXFECT GREAT THINGS FROM GOD"

پر تیار کر دیا تھا کہ وہ اس کی مجوّزہ اصلاحات کی اصلیت کو خود پہچان کر اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائیں۔ چنانچہ اس کی اس دور اندیشی اور معاملہ شناسی کا مجموعی اثر جو کچھ ہوا اس کا بیان ہم پہلے کر چکے ہیں اور یہ موجودہ باب کے مضمون سے الگ ہے۔ اس باب میں ہمارا مقصد کیری کی صرف تعلیمی خدمات کا ذکر کرنا ہے۔

کیری نے ۱۷۹۳ء میں اپنی مشن کو ہمہ گیر بنانے کی غرض سے اس کی بنیاد تین اصولوں پر قائم کی تھی یعنی (۱) عوام کی زبان میں کلام کی منادی کرنا (۲) جنوبی اور مشرقی ایشیا کی تمام زبانوں میں بائبل کے تراجم کرنا اور (۳) ہر مذہب اور ملّت کے بچّوں کی تعلیم۔ لیکن سیرامپور پہنچنے کے ایک سال کے اندر ہی اس کو معلوم ہو گیا کہ اس مشن کی بنیادوں کو مستقل اور پائیدار بنانے کی غرض سے ایک اور اصول کا اضافہ کرنا پڑے گا یعنی (۴) ایک کالج کا قیام۔ ۱۸۱۸ء تک اس نے اپنے ہم خدمتوں کی امداد سے کُل ۱۲۶ مدرسے جاری کر دیئے تھے جن میں کم از کم دس ہزار طلبا و طالبات زیر تعلیم تھے۔ ان میں سے سات ہزار سیرامپور اور اس کے گرد و نواح کے رہنے والے تھے۔ رفتہ رفتہ مشن کے کام کی شاخیں جس قدر ترقی پاتی گئیں اور مشن کے رہبروں کا تجربہ بڑھتا گیا وہ یہ محسوس کرتے گئے کہ ایک موزوں عمارت اور عمدہ کالج کا قیام کس قدر ضروری ہے۔ کیونکہ یہی ایک طریقہ تھا جس کے ذریعہ وہ تعلیم یافتہ طبقہ تک رسائی حاصل کر سکتے تھے۔ اور خاص کر عالم برہمنوں پر اثر انداز ہو سکتے تھے اور یہی ایک طریقہ تھا جس کے ذریعہ ترقی پذیر ہندوستانی کلیسیا کے لئے علم الٰہی کے تعلیم یافتہ اور مستند رہبران پیدا کئے جا سکتے تھے۔

چنانچہ "سیرامپور کالج" کے آغاز کی داستان یہ ہے کہ نومبر ۱۸۱۸ء میں کیری نے فلر کو ایک خط میں لکھا کہ:۔

"میں عرصہ سے سوچ رہا ہوں کہ کیا ہندوستانیوں کو انگریزی زبان کی تعلیم دینے کے لئے ایک درس گاہ قائم کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اس امر کا مجھے یقین ہے کہ اگر ایسی درس گاہ قائم ہو جاتی تو تقریباً ایک ہزار طلبا ضرور آ جائیں گے۔ میں یہ اس واسطے نہیں کہتا کہ میری نظر میں ان کو انگریزی پڑھانا ہی ایک مقصد ہے، بلکہ میں یہ دیکھتا ہوں کہ بنگالی لوگ انگریزی پڑھنے کے بہت مشتاق ہیں تو

پھر کیا ہم اُن کے اس شوق کو اعلیٰ مقاصد کے لئے استعمال نہیں کر سکتے؟ میں صرف خرچ کی وجہ سے متفکر ہوں"

پھر ۲۵ جون ۱۸۱۲ء کو اُس نے "بورڈ آف دی امریکن بپٹسٹ کنوینشن ...
(BOARD OF THE AMERICAN BAPTIST CONVENTION)
کو ایک خط لکھا جس میں ہم دیکھتے ہیں کہ اُس کے خیالات نے کوئی اور صورت اختیار کر لی تھی۔ خیال رہے کہ بالآخر اُس کے یہی خیالات نہ صرف ہندوستان بلکہ ملکِ چین۔ جاپان اور کُل مشرقِ بعید میں ایک انقلاب پیدا کرنے والے ثابت ہوئے۔ خط مذکور کا نفسِ مضمون ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:۔

"ہم نہیں جانتے کہ برما کے متعلق آپ لوگ کیا خیالات رکھتے ہیں لیکن ہم اُمید کرتے ہیں کہ آپ کا واحد مقصد محض یہ نہیں ہے کہ کلام کی منادی کر کے لوگوں کو مسیحی بنا دیا جائے۔ اگر دیسیوں کی ایک کلیسیا رنگون میں قائم ہو بھی جائے تو وہ تھوڑا ہی عرصہ زندہ رہ کر یا تو فوت ہو جائے گی یا بالکل معدوم ہو جائے گی جب تک اُس کی ترقی اور فروغ کے لئے معقول انتظامات نہ کئے جائیں۔ جو کچھ اب تک میرے مشاہدہ میں آیا ہے اس کی بنا پر ہم یقین کرنے کو تیار ہیں کہ خدا کی یہی مرضی ہے کہ ہم ایسی مشقت میں مصروف رہیں جس کا اثر دیرپا ہو تو ہو گر مستحکم اور دائمی ہو۔ علم ایک ایسی روشنی ہے جو صرف اُسی مقام پر اثر انداز نہیں ہوتی جہاں اُس کا نور پھیلا ہو بلکہ اُس کا پرتو کسی نہ کسی وقت چاروں طرف پھیل جاتا ہے۔ اگر ہم درسی تعلیم کے ذریعہ دیسیوں کو مسیحیت کی طرف راغب کرنے کی کوشش کریں گے تو اس کے فوری نتائج ضرور ہمت شکن ہوں گے۔ اسی لئے اس طریق کار میں ایمان، صبر و تحمل کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہی صورتِ تحریک زمانۂ اصلاح (REFORMATION) میں بھی بروئے کار تھی۔ یہی ہنری (HENRY) ۔ ایڈورڈ (EDWARD) ایلزبتھ (ELIZABETH) جیمس (JAMES) اور چارلس (CHARLES) جیسے حکمرانوں کے عہد میں اثر انداز رہی۔ ہندوستان کو مسیحی بنانے کے کام میں ترقی کی رفتار اگر یہی رہی تو بھی اس کا انجام اس قدر شاندار ہو گا کہ ہماری

تمام محنت اور مشقت کا خاطر خواہ اجر مل جائے گا۔ نیز اگر ہم نے اس قلعہ کے محاصرہ کو ثابت قدمی سے جاری رکھا تو ہم ضرور اس کو سر کر لیں گے۔ دوسرے الفاظ میں "اگر ہم ہمت نہ ہاریں تو فصل ضرور کاٹیں گے۔"

پیارے بھائیو۔ ہم جس مقام پر محنت کرتے ہیں اگر اُس کے متعلق ہم یہ کہنے کے لائق ہو جائیں کہ اب یہاں پھانسی کی ٹکٹکی پر انسانوں کو قربان نہیں کیا جاتا، مُردوں کی چتا پر زندہ بیوائیں نہیں پھونکی جاتیں، گھناؤنے رقص دیکھنے میں نہیں آتے، فحش گانے نہیں سُنائی دیتے، بتوں کی کس مپرسی کا یہ عالم ہے کہ اُن کو دیمک چاٹ گئی ہے یا چمگادڑوں نے اُن پر اپنا نشیمن بنا لیا ہے اور اب تمام مُلک کا معبود مسیح ہے۔ اب ہندو اپنے گناہوں کی نجاست سے پاک ہونے کے لئے گنگا کنارے نہیں جاتے بلکہ اُس چشمے کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ "آؤ ہم خداوند کے گھر چلیں"۔ اب متفکر ہندو اپنی جائداد۔ اپنی طاقت اور اپنا زندگی کا وقت تیرتھوں کی زیارت میں برباد نہیں کرتے بلکہ اُس کے پاس آتے ہیں جو 'انتہا تک' اُن کو بچا سکتا ہے۔ اب مریضوں اور قریب المرگ انسانوں کو گنگا کنارے گھسیٹ کر نہیں لیجایا جاتا بلکہ لوگ خدا کے برّے پر نظر کر کے اپنی رُوح کو اطمینان سے اُس کے سپرد کرتے ہیں۔ اب بچّوں کو بتوں کے سامنے قربان نہیں کیا جاتا بلکہ یہ معصوم خدا کے ظہورِ جلال کا باعث بن گئے ہیں۔ عوام کے اخلاق سُدھر گئے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ رفاہِ عام کی انجمنیں قائم ہو گئی ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ریگستان میں پھول کھلتے ہیں۔ زمین اپنا حاصل پیدا کرتی ہے۔ ہندوستان کی سرزمین پر فرشتے اور قدسیوں کی رُوحیں مسرّت سے پرواز کرتی ہیں اور اُس برّے کی محبّت کے پیغام پہنچاتی ہیں جو تخت پر بیٹھا ہے۔ اب دیہات۔ قصبہ جات اور شہروں سے نجات یافتہ رُوحیں روز بروز آ کر قدسیوں کی جماعت کو بڑھاتیں اور اُن کے ساتھ مل کر گاتی ہیں کہ "جو ہم سے محبّت رکھتا ہے اور جس نے اپنے خون کے وسیلہ سے ہم کو گناہوں سے خلاصی بخشی اُس کا جلال اور سلطنت ابدالآباد رہے"[1]۔ جب یہ اعلےٰ مقصد حاصل ہو جائے گا تب کیا ہم یہ خیال

[1] مکاشفہ ۱ باب ۵، ۶ آیت۔

کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ ہماری محنت بیکار ہوگئی اور ہماری مشقت کا کوئی نتیجہ نہ نکلا؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔"

جہاں تک علم و ادب کا تعلق ہے کیری اس خدمت میں عرصہ سے مصروف تھا۔ علم و ادب کے متعلق رائے عامہ نے ۱۷۹۳ء میں جو اصول منظور کرنے سے انکار کر دیا تھا وہ ۱۸۱۳ء کی سند (چارٹر CHARTER) میں شامل کر دیا گیا۔ آخری لمحہ پر ایک جملہ اس مضمون کا اضافہ کر دیا گیا کہ سالانہ بجٹ میں سے ایک لاکھ روپیہ فی سال اس غرض سے دیا جائے گا کہ ادب کو ازسرِ نو ترقی دی جائے اور عام ہندوستانیوں کی ہمت افزائی کی جائے نیز مملکتِ برطانیہ میں رہنے والے لوگوں کے درمیان سائنس کی تعلیم شروع کر کے سائنس کو ترقی دی جائے۔ اس جملہ کا اضافہ منظور کروانے والے ایک ایسے انگریز شخص تھے جو ہندوستان میں رہ چکے تھے لیکن مشن کے کام سے قطعی ہمدردی نہ رکھتے تھے۔ اُن کی اصل نیت یہ تھی کہ اس طرح برہمنوں کا وقار اور اُن کے ویدوں کی وقعت بڑھ جائے گی اور پھر مسیحیت اُس کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے گی۔ ڈائرکٹران اس نکتہ کو فوراً سمجھ گئے۔ علاوہ بریں اس ایک لاکھ روپے کی ادائیگی صرف بجٹ ہی کی صورت میں فرض تھی، اس لئے ڈائرکٹران نے بھی اس ترمیم کی کوئی مخالفت نہ کی۔

۱۸۱۳ء کے چارٹر کی اس "سخاوت" کی وجہ سے اور گورنر جنرل لارڈ ہیسٹنگز (LORD HASTINGS) کی دریا دلی اور علم دوستی کے نتیجہ کے طور پر کلکتہ میں ہندوؤں نے خود ایک کالج قائم کیا جو آج تک پریزیڈنسی کالج (PRESIDENCY COLLEGE) کے نام سے مشہور ہے۔ کیری اور مارشمین نے اپنے کالج کے افتتاح کا اعلان ۱۵ جولائی ۱۸۱۸ء کو کیا اور اپنے اشتہار میں اعلان کیا کہ اس کالج میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی مستند علمی زبانیں یعنی سنسکرت اور عربی پڑھائی جائیں گی۔ انگریزی زبان اور ادب کی تعلیم دی جائے گی تاکہ "مشرق کے طلبا یورپ کی سائنس کی خوبیوں کو سمجھ سکیں۔" پھر یہ بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ کالج "سائنس۔ فلسفہ اور تاریخ کی درسی کتابیں مشرق کی زبانوں میں" تیار کرے گا۔ ایک فنِ تعلیم کا شعبہ بھی قائم کیا گیا تاکہ ہندوستان کے باشندوں کو فنِ تعلیم کے بہترین طریقوں اور جدید اصولوں سے رُوشناس کرائے اور اس کے

علاوہ علم الٰہی کا بھی ایک شعبہ قائم کیا گیا تاکہ یورپین اور ہندوستانی مسیحیوں کو موازنۂ مذاہب، تفسیر اور بائبل کی زبانوں (یونانی اور عبرانی) کی تعلیم دے کر ان کو غیر مسیحیوں کے درمیان مبلغ بنا کر روانہ کرے۔

لارڈ ہیسٹنگز نے اس کالج سے اس قدر دلچسپی ظاہر کی کہ آپ نے اپنی دیگر ضروری مصروفیات کے باوجود اس کالج کی عمارت کے نقشہ جات کا خود مطالعہ فرمایا۔ بلکہ کالج کی پہلی رپورٹ کے شائع ہونے سے پہلے آپ نے رپورٹ کے مسودہ کی نظر ثانی اور ترمیم خود اپنے قلم سے کی۔

کالج کی عمارت جس کا فوٹو ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ یونانی عمارات کے نمونہ پر بنائی گئی تھی۔ اس کے نقشہ جات میجر وکڈی (MAJOR WICKEDIE) صاحب نے تیار کئے تھے۔ آپ ڈینش گورنر کے منشیر تھے۔ کہا جاتا ہے کہ برطانوی ہند میں یہ اپنے طرز کی واحد عمارت ہے۔ اس کالج کی ....

"وسطی عمارت کا طول ایک سو تیس ۱۳۰ فٹ اور عرض ایک سو بیس ۱۲۰ فٹ تھا پہلی منزل میں ہال کا طول پچانوے ۹۵ فٹ اور عرض چھیاسٹھ ٦٦ فٹ تھا۔ اس ہال کی چھت محرابوں پر قائم تھی جو جنوب کی جانب ایک کمان کی صورت میں آکر مل جاتی تھیں۔ پہلے ارادہ تھا کہ اس ہال میں ایک لائبریری بنائی جائے لیکن بالآخر اس میں جماعتوں کے کمرے ہی بنائے گئے۔ دوسری منزل میں بھی ایک وسیع ہال تھا، جس کا طول و عرض پہلے ہال کے برابر اور اونچائی چھبیس ٢٦ فٹ تھی۔ اس کی چھت یونانی طرز کے ستونوں کی دو قطاروں پر قائم تھی۔ اس ہال میں امتحانات کا انتظام تھا۔

دونوں منزلوں میں بارہ ۱۲ کمرے ہال کے ہر دو طرف بنائے گئے تھے ان میں سے آٹھ بڑے تھے جن میں سے ہر ایک کا عرض ستائیس ۲۷ فٹ اور طول پینتیس ۳۵ فٹ تھا عمارت کی ڈیوڑھی دریا کی جانب تھی۔ اس ڈیوڑھی میں چھ ٦ ستون تھے جن میں سے ہر ایک کا محیط چار ٤ فٹ سے زیادہ تھا۔ سامنے کی سیڑھیوں کے کمرہ کا طول نوے ۹۰ فٹ عرض ستائیس ۲۷ فٹ اور بلندی سینتالیس ٤٧ فٹ تھی۔ اس کمرہ میں ایک جوڑا نہایت خوبصورت سیڑھیاں ڈھلے ہوئے لوہے کی نصب

تھیں جو برمنگھم (BIRMINGHAM) میں تیار کی گئی تھیں۔ کالج کے وسیع احاطہ کے گرد لوہے کا جنگلہ لگا ہوا تھا اور صدر دروازہ پر ایک عالیشان پھاٹک برمنگھم کا تیار کردہ بنا ہوا تھا۔

اس عمارت کی وسعت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کیری اور اُس کے ہمخدمت اس کالج کو کس شان سے چلانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہ اُن کے ہر کام کی وسعت کے مطابق ہی تھا۔"

پادری امرت لال سرکار۔ ایم۔ اے۔ بی۔ ڈی نے اپنی بنگالی کتاب "بھارت بندھو ڈاکٹر ولیم کیری" کے دسویں باب میں ایک روایت بیان کی ہے جس کو اس جگہ نقل کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ آپ فرماتے ہیں کہ :۔

"سیر امپور کالج کے وسیع کھیل کے میدان کے شمال میں ایک چوکور پتھر کا چبوترہ ہے۔ کچھ دن ہوئے کہ رات کے وقت دو لڑکے اس چبوترے پر بیٹھے تھے۔ چاندنی کھلی ہوئی تھی۔ ماہتاب کی کرنیں کالج کی عمارت کو منور کر رہی تھیں اور ایک نہایت خوبصورت منظر پیدا ہو گیا تھا۔ دونوں لڑکے اس نورانی نظارہ کو محو ہو کر دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد اُن میں سے ایک بولا کہ اگر عبرانیوں کے نام خط لکھنے والا آج زندہ ہوتا تو اپنے خط کے گیارھویں باب میں ایک اور آیت کا اضافہ کرتا یعنی "ایمان ہی سے ولیم کیری نے اپنے وطن کو چھوڑا اور ہندوستان میں آکر اس مُلک کی بہبودی کے لئے ایک کالج بنایا۔"

اور اس لڑکے کا کہنا ایک حد تک صحیح بھی ہے کیونکہ جس نے بھی ایک مرتبہ اس کالج کی عمارت پر نگاہ کی ہے وُہ اس امر کی تصدیق کر سکتا ہے کہ یہ دراصل ایک عظیم ہستی کے بلند ترین مقاصد کی ایک شاندار یادگار ہے۔

سیر امپور کالج سینتیس ۳۷ طلبا سے شروع کیا گیا جن میں سے انیس ۱۹ مسیحی اور باقی تمام ہندو تھے۔ جب کالج کی عمارت کا افتتاح ہوا تو کیری نے اپنے لڑکے کو لکھا کہ "میں دُعا کرتا ہوں کہ خُدا کی برکت اس کے شامل حال رہے اور کہ اس کے ذریعہ بہت سے لوگ خُدا کی کلیسیا کے ذمّہ وار عہدوں پر مامور ہونے کے لئے تیار ہوں ....۔ شاہِ ڈنمارک (DENMARK) نے

اپنے دستخط سے وارڈ (WARD) اور مارشمین کو اور مجھے خطوط روانہ کئے ہیں اور اُنھوں نے ہم تینوں کو طلائی تمغہ جات بھی عطا فرما کر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا ہے۔ اُنھوں نے وُہ مکان بھی کالج کے نام وقف کر دیا ہے جس میں میجر وکلڈی رہتے ہیں۔ اس طرح خداوند کی مہربانی بھی ہم پر ہو رہی ہے اور ہماری مُرادیں بھی بر آ رہی ہیں۔"

شاہِ ڈنمارک نے سیرامپور کے مشنریوں کو خطابات بھی عطا کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن مشنریوں نے خطابات لینے سے انکار کر دیا۔ ۱۸۲۶ء میں جب ڈاکٹر مارشمین انگلینڈ گئے تو اُنھوں نے شاہِ ڈنمارک کی عنایات کا شکریہ ادا کیا اور ڈنمارک کے سفیر مقیم لندن (LONDON) کے ذریعہ کالج کو ایک شاہی سند (چارٹر) دیئے جانے کی درخواست کی۔ چُنانچہ یہ سند بھی کالج کو مِل گئی۔ اس کی رُو سے کالج کونسل کو اختیار بخشا گیا کہ کوپن ہیگن (COPENHAGEN) اور کیل (KIEL) کی یُونیورسٹیوں کی طرح فارغ التحصیل طلبا کو ڈگریاں دے۔ شاہِ ڈنمارک نے ڈاکٹر مارشمین کو شرف باریابی بھی بخشا اور دَورانِ گفتگو میں یہ عُقدہ حل ہُوا کہ شاہِ موصُوف نے ۱۸۰۱ء میں جو وعدہ کیا تھا کہ مشن کو پناہ دی جائے گی اُسی کی بِنا پر سیرامپور کا علاقہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالہ نہیں کیا گیا۔ اگر ایسا کر دیا جاتا تو مذکورہ بالا وعدہ کا ایفا غیر ممکن ہو جاتا۔ اس سے شاہِ موصُوف کی ہمدردی اور دُور اندیشی کا ثبوت ملتا ہے۔

آگے چل کر ۱۸۴۵ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ڈنمارک سے ٹرانکوبار (TRANQUEBAR) اور سیرامپور کے علاقہ جات خرید لئے۔ اگرچہ اُس زمانہ کے حالات کے پیشِ نظر کمپنی کے ہاتھوں مشن کو کوئی گزند پہنچنے کا احتمال نہ تھا تاہم شاہِ ڈنمارک نے انتقال جائداد کی دستاویز میں یہ شرط برقرار رکھی کہ جو چارٹر اُنھوں نے سیرامپور کالج کو بخشا ہے وُہ بدستُور قائم رہے گا۔ چُنانچہ آج کی تاریخ تک کالج کو وُہ تمام حقُوق حاصل ہیں جو ۲۳ فروری ۱۸۲۷ء کی سند میں اُن کو ملے تھے۔ اس طرح سیرامپور کالج ایشیا کا سب سے پہلا کالج ہے جس کو یُونیورسٹیوں کی طرح ڈگریاں دینے کا حق حاصل ہُوا۔

رفتہ رفتہ اس کالج ہی کی آمدنی سے مشن کے دس مراکز کے تمام اخراجات

پُورے ہونے لگے۔ لیکن کیری کی اعلیٰ حوصلگی اور بُلند ہمتی کی وجہ سے اس کالج میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی ہوتی گئی تھی کہ اُس کی وفات کے وقت اٹھارہ ۱۸ مرکزوں کے اخراجات اس اکیلے ذریعہ سے پُورے ہونے لگے تھے۔ ان میں گیارہ ۱۱ یورپین تیرہ ۱۳ اینگلو انڈین۔ سترہ ۱۷ بنگالی۔ دو ہندوستانی۔ ایک تلنگو اور چھ ۶ ارکانی یعنی کُل پچاس ۵۰ مشنری کام کر رہے تھے۔

تیئیسواں باب

افتراق

ہم ناظرین کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ اس باب کو تحریر کرتے وقت ہم انتہائی قلبی تکلیف محسُوس کرتے ہیں لیکن ہم اس کو کیری کی خاطر برداشت کرنے کو تیار ہیں کیونکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ناظرین صحیح واقعات سے رُوشناس ہو کر کیری۔ مارشمین (MARSHMAN) اور وارڈ (WARD) کے بلند و بالا کردار کا خُود بخُود جائزہ لیں۔

اصل کشیدگی کا بیان کرنے سے پہلے ہم ناظرین کو ۱۸۱۳ء کی طرف لے جاتے ہیں جبکہ کمپنی کی سند (یعنی چارٹر CHARTER) پر پارلیمنٹ (PARLIAMENT) کی منظوری کے بعد شاہی دستخط ثبت ہو چکے تھے۔ اس سند کی رُو سے انگریز مبلّغین کو اجازت مل گئی تھی کہ ہندوستان آ کر تبلیغی سرگرمیوں میں مصرُوف رہیں۔ اس اجازت نامہ کے بعد سیرامپور میں کئی مشنری وارد ہوئے جو موجُودہ باب کے واقعات میں پیش پیش رہیں گے۔ آیئے ہم ان سے بھی آپ کا تعارف کرائیں۔

ان نئے مشنریوں میں سب سے پہلے آنے والے یوسٹیس کیری (EUSTACE CAREY) ولیم کیری کے بھتیجے تھے۔ ان کے بعد ییٹس (YATES) تشریف لائے جو کیری ہی کی طرح موچی کے پیشہ سے اُبھرے تھے۔ کاغذ کے کارخانہ کا انتظام سنبھالنے کے لئے انجنیئر رینڈال (RANDALL) آئے۔ مدرسوں میں امداد دینے کو رینڈال کے بعد پینی (PANNEY) بھیجے گئے جنہوں نے لینکاسٹر

صاحب سے مدارس کے انتظام اور فنِ تعلیم کے خاص درس حاصل (LANCASTER) کئے تھے۔ آخرکار مشہورِ عالم کلیرینڈن پریس (CLARENDON PRESS) کے پیئرس (PEARCE) صاحب چھاپہ خانہ میں امداد کرنے کو تشریف لائے۔ آپ کیری کے دوست سموایل پیئرس (SAMUEL PEARCE) کے فرزند تھے جن کا ذکر موجودہ کتاب کے شروع کے ابواب میں ہو چکا ہے۔

کیری اس زمانہ میں بہت ہی زیادہ مصروفِ کار تھا۔ خود گورنر جنرل لارڈ موئیرا (LORD MOIRA) کیری کے ترجمہ کے کمرہ میں حیرت سے انگشت بدنداں ہو گئے تھے کیونکہ اس کمرہ میں نہ صرف ہندوستان ہی کے ہر علاقہ کے عالم کام کرتے تھے بلکہ افغانستان اور چین تک کے علما بائبل کے ترجمہ میں مشغول نظر آتے تھے اور کیری تن تنہا بائیس ۲۲ مختلف زبانوں کے تراجم کی نگرانی بیک وقت کرتا تھا۔

اس زمانہ میں انگلستان سے جو خبریں آئیں اُن سے کیری کو سخت تکلیف ہوئی۔ سب سے پہلے یہ کہ سٹکلِف (SUTCLIFF) صاحب کا انتقال ہو گیا۔ آپ کیری کے عزیز ترین دوست اور سوسائٹی کے سب سے زبردست بہی خواہ اور صلاح کار تھے۔ آپ ہی سوسائٹی کے لئے مشنریوں کی تعلیم کے بھی ذمّہ وار تھے۔

اس المناک خبر کے بعد سب سے زیادہ اندوہ آگیں واقعہ فُلر (FULLER) صاحب کا انتقال تھا۔ آپ بھی کیری اور اُس کے ہم خدمتوں کے لئے ایک مستقل چٹان کی حیثیّت رکھتے تھے۔

پارلیمنٹ نے اگر مشنریوں کو ہندوستان آنے کی اجازت دی تو یہ سراسر فُلر صاحب ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ آپ نے اس اجازت کو حاصل کرنے کی کوشش میں اس قدر سخت محنت اور عرق ریزی سے کام کیا تھا کہ آپ کی صحت پر اُس کا بہت بُرا اثر پڑا اور آخرکار اس سے آپ جانبر نہ ہو سکے بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ فُلر صاحب نے اپنی جان کی قیمت دے کر اس اجازت نامہ کو خریدا تھا۔

تئیس ۲۳ سال تک متواتر آپ نے کیری کے ساتھ یک جان دو قالب ہو کر خدمت کی اور اس قدر جانفشانی سے محنت کرتے رہے کہ بالآخر اسی خدمت میں اپنی جان عزیز تک دے دی۔ آپ کے طبیب کی یہ رائے تھی کہ آپ نے سخت مشقّت کر کے

اپنی جسمانی صحت کو بالکل خراب کر لیا تھا اور آپ کی حالت تپ دِق کے اُس مریض کی سی ہو گئی تھی جو اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہا ہو۔ اس حالت پر پہنچنے کے بعد ڈاکٹروں نے بارہا آپ کو مشورہ دیا کہ آرام کریں اور جسمانی مشقّت سے احتراز کریں، لیکن آپ نے ہمیشہ یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "مَیں نے کیری سے وعدہ کیا ہے کہ دمِ مرتے دَم تک اُس کا ساتھ دُوں گا۔ موت کے علاوہ اور کوئی چیز مجھے کیری اور اُس کی خدمت سے علیحدہ نہیں کر سکتی"۔ شاباش ہے اُس جذبہ پر اور آفرین ہے اُس اولوا العزمی پر!!!

کیری کو اس سے زیادہ وفادار اور قابلِ اعتماد دوست اور ہمدرد مِل نہیں سکتا تھا۔ ان واقعات کی روشنی میں کیری کے ان الفاظ کو پڑھیئے جو ہم نے اس باب میں کسی اَور جگہ درج کئے ہیں: "اگر عزیز فُلر زندہ ہوتے" !!!

فُلر کی موت کیری کے لئے ایک دُہرے صدمہ کا باعث ثابت ہوئی۔ کیری کے نزدیک یہ محض ایک عزیز دوست کا انتقال ہی نہ تھا بلکہ اُس کے لئے مُستقبل قریب میں آنے والی مُصیبتوں کے زمانہ میں ایک ہمدرد و غمگسار کی جُدائی بھی تھی۔ یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ فُلر کی موجودگی میں افسوسناک معاملات ہرگز طُول نہ کھینچ سکتے تھے اور نہ ہی کیری کو اس قدر قلبی تکلیف اُٹھانی پڑتی جو اُس کے سامنے آئی۔ اپنی مُصیبت کے وقت اَور رنج کے زمانہ میں ولیم کیری ٹُوٹے ہُوئے دل اور کانپتے ہُوئے ہاتھ سے یہ لکھنے میں حق بجانب تھا کہ: "اگر عزیز فُلر زندہ ہوتے" !!!

اس سے پہلے کہ ان افسوسناک واقعات کا مفصّل ذکر کیا جائے ایک اور معاملہ کا بیان کر دینا بھی ضروری ہے جو اس معاملہ سے متعلّق تھا:-

۱۸۱۲ء میں دو مشنری بنام جونز (JOHNS) اور لاسن (LAWSON) آئے۔ یہ وُہ زمانہ تھا جبکہ مشنریوں کو ہندوستان آنے کی اجازت نہ تھی اور سرکارِ ہند بھی سیرامپور والوں کی اس طویل مخالفت میں مصروف تھی جس کا ذکر بارھویں باب میں ہو چکا ہے۔ چُنانچہ حکّام بالا نے جونز اور لاسن کے خلاف احکامات امتناعی نافذ کر کے اُن کو کہہ دیا کہ انگلستان واپس چلے جائیں۔ لیکن ڈاکٹر مارشمین نے ایک عرضداشت پیش کی کہ ان احکامات پر نظرِ ثانی کی جائے اور اس درخواست برحسب منشا فیصلہ صادر کروانے کی غرض سے اپنا شخصی اثر و رسُوخ بھی استعمال کیا۔ ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ لاسن

کو تو ہندوستان میں قیام کرنے کی اجازت مل گئی لیکن جونز کے خلاف حکم بدستور قائم ہے اس ترجیحی سلوک کی وجہ یہ تھی کہ لاسن ایک صناع تھا اور چینی زبان کے ٹائپ تیار کرنے کے لئے اُس کی امداد کی سخت ضرورت تھی۔ چونکہ خود سرکار ہند اس ٹائپ کو اپنے کسی خاص کام کے لئے بہت جلد تیار کروانا چاہتی تھی لہٰذا انہوں نے ان خاص وجوہ کی بنا پر لاسن کے حق میں یہ رعایت کردی

جونز واپس تو چلا گیا لیکن وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ مارشمین نے اپنا اثر صرف لاسن کے حق میں استعمال کیا ہے اور میرے لئے اُس نے کوئی کوشش نہیں کی۔ اس غلط فہمی کی تہ میں یہ حقیقت بھی تھی کہ ڈاکٹر مارشمین کو چینی ٹائپ سے ایک خاص شخصی دلچسپی یہ تھی کہ چینی زبان میں بائبل کا ترجمہ آپ ہی نے کیا تھا۔

خیر امر الواقعہ یہ ہے کہ جونز اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کر لوٹا اور انگلستان پہنچکر اُس نے یہ زہر اُن نوجوانوں کے دلوں میں ڈالنا شروع کیا جو مشنری خدمت کے لئے تیار ہو رہے تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب سٹکلف اور فلر نے یکے بعد دیگرے انتقال کیا۔

جونز کی غلط بیانیوں کی وجہ سے نئے لوگوں کے اندر ایک غیر ضروری نکتہ چینی کی خو اور سیرامپور والوں کے خلاف بے اعتمادی کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان ہی جذبات کو لے کر وہ نئے مشنری آئے جن سے ہم ناظرین کو متعارف کر چکے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ نئے مشنریوں کے یہ جذبات و خیالات کیری اور وارڈ کے خلاف نہیں تھے، مگر مارشمین اب ان کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا کیونکہ زیادہ تر زہر مارشمین ہی کے خلاف اُگلا گیا تھا۔ پھر سیرامپور والوں کی مخالفت کرنے والے مشنریوں کے حق میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مجموعی طور پر انہوں نے جو خدمت انجام دی ہے اُس کے پیشِ نظر ہم ان کے خلوص قلبی پر ہرگز شک نہیں کر سکتے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ سیرامپور والوں نے نفس کشی اور سادگی کی جو زندگی اختیار کی تھی وہ اُن نوجوانوں کو کسی طرح منظور نہ تھی۔ شروع میں جو باتیں ضروری تھیں اُن کی اہمیت اب اُتنی نہیں رہی تھی۔ ایک نئے زمانہ کا آغاز ہو چکا تھا لہٰذا ایک نئے طرز عمل کی بھی ضرورت تھی مگر ضعیف العمر اور سن رسیدہ کیری۔ مارشمین اور وارڈ نوجوانوں کے جذبات کو پہچان نہ سکتے تھے اس لئے وہ کسی نئے طرز عمل کو اختیار کرنے کیلئے تیار نہ تھے۔ یہی وجوہات

تھیں جن کی بِنا پر سیرامپور میں وہ کشیدگی شروع ہوئی جس نے سب کو انتہائی رنج و صدمہ پہنچایا۔

کیری کو ایسے قضیوں اور نزاعوں کا تجربہ نہ تھا لہٰذا وُہ ان کشیدہ حالات سے بہت متأثر ہُوا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ وُہ قلبی بےچینی اور دماغی کشمکش کی برداشت نہ کر کے سخت بیمار ہو گیا۔ کلکتہ کے تین مشہور اور ماہر طبیبوں نے کیری کا علاج کیا اور کہا جاتا ہے کہ اُن ہی کی کوششوں سے کیری کو "موت کے مُنہ سے نکالا گیا۔"

لیکن دوستوں کی اموات، باہمی تعلقات کی کشیدگی اور کیری کی بیماری کے علاوہ چند اور بھی افسوسناک واقعات تھے جنہوں نے اپنا لازمی اثر پیدا کیا۔ فُلر کی وفات سے پہلے ہی انگلستان سے خبریں آنی شروع ہو گئی تھیں کہ مشن کی آمدنی میں کمی ہو جانے کی وجہ سے کام میں تخفیف ہونے کا امکان ہے بلکہ یہاں تک اشارے کئے جانے تھے کہ کیری کے عزیز لنکا اور جاوا (JAVA) کے جزائر بہ بھی تخفیف کا کلہاڑا پڑے گا۔ یہ افواہیں اب اور بھی زیادہ گرم ہو گئیں جن پر کیری نے کمیٹی کو یہ الفاظ لکھے:-

"مَیں آپ سے درخواست کرتا ہُوں، بلکہ منّت کرتا ہُوں کہ آپ لوگ اپنے وسیع کام کو اپنی آمدنی کی حدُود کے اندر لانے کی غرض سے کام میں تخفیف کرنے کے خیال کو ترک کر دیجئے۔ یہ تو دوکانداروں کی سی باتیں ہیں، بلکہ آپکو چاہیئے کہ اپنے موجودہ کام کی اشد ضرورت بات کو مدّنظر رکھتے ہوئے اپنی آمدنی کو بڑھانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ اگر ہمارے منصوبے بُلند اور اعلےٰ ہوں تو عوام اُن کے مطابق ہماری اعانت کرے گی۔ لیکن اگر ہم اپنے مقاصد کو پست کر دیں گے تو اسی تناسب سے عوام کی سخاوت میں بھی کمی واقع ہو جائیگی۔"

پھر سیرامپور کے مشنریوں پر ایک مُصیبت یہ نازل ہُوئی کہ ایک شخص بنام ڈویگ (DOEG) نے انگلستان میں یہ افواہ اُڑا دی کہ کیری۔ مارشمین اور وارڈ تو "اپنی اولاد کے لئے ہندوستان میں زمینداریاں تیار کر رہے ہیں۔" اس پر بہتوں نے یقین بھی کر لیا حالانکہ واقع یہ تھا کہ اُنہوں نے اپنے قدیمی ایثار و قربانی کے راستہ سے ہرگز

لغزش نہ کی تھی۔ سیرامپور کی ضروریات پوری کرنے اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو مختصر ماہوار امداد دینے کے بعد جو کچھ بھی اُن کی ذاتی آمدنی میں سے بچا اُنہوں نے مشن کے کام میں لگا دیا۔ اس طرح ان تینوں نے مشن کو جو عطیات دیئے تھے وُہ اب تک تمام معاونین کے چندوں سے زیادہ تھے۔ جب کیری کو اس افواہ کا علم ہُوا تو اُس نے ۲۲-اپریل ۱۸۱۷ء کے ایک خط میں لکھ بھیجا کہ:-

"آپ نے اپنے خط میں ایک اشارہ کیا ہے کہ ہم لوگ خود غرضی کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔ مَیں نہایت افسوس کے ساتھ کہتا ہُوں کہ مَیں اس خیال سے غضب ناک ہو گیا۔ اگر عزیز فلر زندہ ہوتے تو اپنی پیشانی کے فقط ایک بل سے یا اپنے آبرو کی ایک ہلکی سی جنبش سے ایسی ہزاروں افواہوں کی سخت حقارت کے ساتھ تردید کر دیتے!!!

میرے پاس جو کچھ بھی تھا مَیں نے مشن کے کام میں لگا دیا ہے۔ اَور یہی حالت میرے ہم خدمتوں کی بھی ہے۔ فیلکس (FELIX) نے مشن سے کچھ قرض لیا تھا جس کو وُہ بدنصیبی کی وجہ سے واپس ادا نہ کر سکا۔ اس کو بھی مَیں نے ہی اپنی اُس جائداد کی آمدنی سے ادا کر دیا ہے جو مجھے اپنی بیوی سے ترکہ میں ملی تھی۔

لیکن مَیں یہ سب کچھ شکایت کے طور پر نہیں کہتا۔ ہماری حیثیت خدا اور انسان کی نظروں میں فقط ایک مختار کی سی ہے۔ میرے ہم خدمتوں کو کوئی حق حاصل نہ تھا کہ وُہ فیلکس کے اس قرض کو مُعاف کرتے اور اگر وُہ ایسی خواہش بھی کرتے تو مَیں ہرگز اس کی اجازت نہ دیتا۔

اس ضعیفی کے عالم میں میری غربت کی یہ حالت ہے کہ مَیں ایک ایک روپے کو ترس گیا ہُوں۔ مَیں افسوس کرتا ہُوں کہ جو کچھ مَیں نے کیا آج مَیں اُس پر فخر کر رہا ہُوں مگر ایسا کرنے پر آپ ہی نے مجھے مجبور کیا ہے۔"

اَور پھر وُہ لکھتا ہے:-

"اگر مَیں آج مر جاؤں تو میرے پاس اتنا اثاثہ بھی نہیں کہ میرا کفن بھی بن سکے اور نہ ہی میری بیوی کے گذر کا کوئی ذریعہ ہوگا۔ ہم سادہ لباس پہنتے اور سادہ خوراک پر صبر و شکر کرتے ہیں .... میرے پاس

کبھی چھ ہزار روپے تھے لیکن آج ایک چھدام بھی نہیں ہے"۔

سی۔ای۔ولسن (C.E. WILSON) صاحب کو بپٹسٹ مشنری سوسائٹی کے عُہدۂ سیکرٹری سے سبکدوش ہُوئے ابھی بہُت عرصہ نہیں ہُوا ہے۔ آپ نے ۱۹۲۲ء میں فرمایا کہ:۔

کیری ۱۷۹۳ء میں مشنری مقرر ہُوا اور اپنے تقرر کے دن سے موت کے دن تک اُس کو سوسائٹی کے خزانہ سے چھ سَو پونڈ سے زیادہ کی امداد نہ ملی۔ اُس نے اپنی گذر کا خُود انتظام کیا اور اس کے علاوہ ہندوستان میں بپٹسٹ مشن کی خدمت کے لئے چالیس ہزار پونڈ سے زیادہ عطیات دیئے"۔

پھر کسی نے اس افواہ میں یہ اضافہ کردیا کہ کیری اور اُس کے ساتھی سیرامپور کی عمارات میں مشن کے چندوں کا روپیہ لگا کر اپنے بیٹوں کے لئے شاندار جائدادیں تیار کر رہے ہیں!!! حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جو کُچھ بھی اُنھوں نے کیا وُہ اس کے بالکل برعکس تھا کیونکہ اُن کی تمام کوششوں کا مقصد یہ تھا کہ اُن کے بعد کہیں اُنکی اولاد اس جائداد کی مالک نہ بن بیٹھے۔ رائیلینڈ اس موضُوع پر رقمطراز ہے کہ:۔

"وُہ ہمارے مال کو غصب کرکے اپنا نہیں بنا رہے بلکہ اپنی جائداد کو ہماری ملکیّت بنا دینا چاہتے ہیں۔ وُہ اس جائداد کو اپنی اولاد کے حق میں محفوظ نہیں کر رہے بلکہ اس کو اپنی اولاد کے ہاتھوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش میں ہیں"۔

لیکن نفرت۔ بُغض۔ کینہ اور عداوت کے جو بیج بوئے گئے تھے اُن کو ابھی کُچھ اور پھل پیدا کرنے تھے۔ ان کی آگاہی فُلر اُن کو اپنی جیبن حیات ہی میں دے چُکا تھا کیونکہ کمیٹی کے بدلتے ہُوئے رنگ کو دیکھ کر اُس نے کہہ دیا تھا کہ "وُہ دن دُور نہیں جب یہ عظیم خدمتِ الٰہی بنیوں اور بقالوں کے ہاتھ میں آجائے گی"۔ کمیٹی اُسی وقت سے ایک تحکمانہ حیثیت حاصل کرنے کی جُستجو میں تھی لیکن یہ فُلر ہی کا دم تھا کہ اُس نے اب تک معاملات پر قابُو رکھا تھا۔ فُلر نے اس زمانہ میں کہا تھا کہ:۔

"ہم نے کبھی اپنے آپ کو اپنے بھائیوں کے لئے قانون ساز نہیں سمجھا بلکہ ہم اُن کے ہم خدمت تھے۔ اگر کسی وقت کمیٹی ہندوستان کے کام کے متعلق قانون

بنانے یا احکامات جاری کرنے کی کوشش کرے تو میری رائے میں ہندوستان میں کام کرنے والے مشنریوں کو چاہیئے کہ اپنی مکمل آزادی کا اعلان کردیں۔ اگر وُہ ایسا کریں گے تو مجھے قطعی افسوس نہ ہوگا۔ ہم ہرگز اُن پر حکومت نہیں کر سکتے کیونکہ اوّل تو وُہ خود اپنی حکومت کرنا ہم سے بہتر جانتے ہیں اور پھر ہمارے اور اُن کے درمیان فاصلہ اس قدر زیادہ ہے کہ ہماری ہدایات کا انتظار نہیں کیا جا سکتا۔"

لیکن اب تو نہ سٹڈکلف ہی تھے اور نہ فلر۔ کمیٹی کے اراکین کی تعداد بھی بڑھ کر ۳۵ ہو چکی تھی اور مالیات کے واسطے ایک علیحدہ کمیٹی قائم ہو چکی تھی۔ گویا تمام حالات تبدیل ہو گئے تھے اور ہندوستان کے مشنریوں اور انگلستان کی کمیٹی کے باہمی تعلقات بھی ایک حد تک "دفتری" یا "تاجرانہ" صورت اختیار کرنے لگے تھے۔ ان تبدیل شدہ حالات کا پہلا ثبوت یہ تھا کہ مالیات کی کمیٹی نے سب سے پہلے یہی سوال پیش کیا، کہ ہندوستان میں جو جائدادیں خریدی گئی ہیں اُن کے بنادلے کس کے نام ہیں اور اُن جائدادوں کے کاغذات میں کیا کچھ مرقوم ہے؟ پھر سیرامپور والوں کو فلر کی پیشینگوئی کے پورا ہونے کا یقین اس وجہ سے بھی ہو گیا کہ کمیٹی نے فیصلہ صادر کر دیا کہ ہندوستان کی جائداد کو فوراً ایک "ٹرسٹ" (TRUST) کے نام منتقل کر دیا جائے اور اس ٹرسٹ میں سیرامپور کے تین مشنریوں کے مقابلہ میں انگلستان کی کمیٹی کے آٹھ نمائندگان شامل ہوں۔ افسوس کا مقام ہے کہ کمیٹی نے یہی مناسب سمجھا کہ ٹرسٹ کے متعلق یہ فیصلہ ہی اُن کا پہلا فعل ہو۔ اس فیصلہ کو صادر کر کے کمیٹی نے گویا یہ ثابت کر دیا کہ "یہ عظیم خدمتِ الٰہی بنیوں اور بقالوں کے ہاتھ میں" آگئی ہے۔

لیکن کمیٹی نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ پیئرس کو بھی ایک عجیب و غریب طریقہ پر بھیجا گیا، جیسا کہ اُوپر ذکر ہو چکا ہے یہ کیری کے عزیز دوست سموایل پیئرس کا فرزند اور اپنے "فرشتہ خصلت" والد کی طرح بہت سی خوبیوں کا مالک تھا۔ ان وجُوہ کی بنا پر ہی اُس کا خیر مقدم سیرامپور میں ضرور ہوتا۔ اور کیری۔ مارشمین اور وارڈ اُس کو ضرور ہاتھوں ہاتھ لیتے۔ لیکن وہاں صورت یہ تھی کہ اُس کو انگلستان ہی سے حکم مل گیا تھا کہ تم پریس میں وارڈ کے ہم خدمت بن کر سیرامپور ہی میں سکونت اختیار کرو گے۔

کیا خوب! گویا کہ ہندوستان میں مدّتوں تک قیام رکھنے کے باوجود کیری اور اُس کے ہم خدمت ابھی اس امر کے بارے میں بھی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے کہ کس مقام پر کام کی ضرورت ہے اور اس ضرورت کو پورا کرنے کو کون جائے گا؟ ابھی تک کمیٹی نے یہ جرأت نہ کی تھی کہ انگلستان ہی سے اس طرح کسی نئے مشنری کو ہدایت دے کر روانہ کرے کیونکہ کمیٹی نے ہمیشہ یہی کہا تھا کہ اس کا فیصلہ کرنے کا حق ہندوستان میں کام کرنے والے مشنریوں کو حاصل ہے کیونکہ وُہی کام کی اصلی ضروریات سے بخوبی واقف تھے اور اُن ہی کو اس امر کا بہترین علم ہو سکتا تھا کہ کس مقام پر کام کرنے کے لئے کس شخص کی ضرورت ہے۔ ہندوستان والے اس حق کو ہوتے نزدیکھ سکتے تھے اگر باہمی تعلّقات پہلے ہی سے کشیدہ نہ ہوتے تو شاید سیرامپور والے اس کو کسی اَور زاویۂ نگاہ سے دیکھتے اَور ممکن تھا کہ معاملات اس درجہ طوالت اختیار نہ کرتے۔ لیکن رائیلینڈ اور فلر کی متواتر تنبیہیں اُن کو یاد تھیں۔ مقامی مشنریوں کے کشیدہ تعلّقات اور طوطا چشمی اُن سے پوشیدہ نہ تھی۔ وآرڈ کی برباد شدہ صحت کو یہ کیسے بھول سکتے تھے؟ مارشمین پر نوجوان مشنریوں نے بدنامی کا جو دھبّہ لگانے کی کوششیں کی تھیں اُن کی وجہ سے سب کے دل دُکھے ہوئے تھے۔ یہ تینوں بزرگ بہت ہی آزردہ خاطر تھے۔ پھر کیری کو فیلکس اَور جوناتھن (JONATHAN) کی طرف سے بھی بہت صدمے پہنچ چکے تھے۔ ان تمام واقعات کا مجموعی اثر یہ ہُوا کہ سیرامپور کے مشنریوں کو کچھ کھٹکا سا ہوگیا۔ ممکن ہے کہ اُن کی افسردگی اور رنج کی وجہ سے اُن کے اندیشے کچھ مبالغہ آمیز بھی ہوں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس قدر دماغی کشمکش میں معاملات کی اہمیّت کا صحیح اندازہ لگانا در اصل ناممکن ہوتا ہے۔ کیری نے اپنی پریشانی اور رنج کی تمام داستان رائیلینڈ کو ایک خط میں لکھ بھیجی، جس کے متعلّق وُہ خُود کہتا ہے کہ "میں نے کبھی اس قدر تکلیف کے ساتھ کوئی خط قلمبند نہیں کیا تھا" اس خط میں کیری نے اپنے دوست کے سامنے اپنے دلی احساسات کی ترجمانی ذیل کے الفاظ میں کی ہے :-

"زندگی اَور موت دونوں میں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ لیکن ہم آپ کا ساتھ بحیثیت بھائیوں کے دیں گے، ملازموں کی طرح نہیں۔ میں آپ سے

دست بستہ منّت کرتا ہُوں کہ ہم پر ایسی حکومت جتانے کی کوشش نہ کیجیے جس کی ہم ہرگز ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔

اگر میں بے وقوفی کرتا ہُوں یا نادانی سے کام لیتا ہُوں تو براہِ کرم تحمّل سے کام لیجیے کیونکہ آٹھ ٹرسٹی مقرّر کرنے کے بارے میں سوسائٹی نے جو فیصلہ کیا ہے اور دیگر واقعات کی وجہ سے بھی مجھے دِلی صدمہ ہُوا ہے۔"

اس کے بعد کیری یاد دلاتا ہے کہ اگر وہ رقوم بھی شامل کر لی جائیں جو آتشزدگی کے نقصان کی تلافی کرنے کی غرض سے جمع کی گئی تھیں تو انگلستان نے اب تک کُل ۳۳۰۰۰ پونڈ بھیجے ہیں۔ لیکن اگر شروع سے تمام انگریز مشنری سوسائٹی سے اپنی پُوری تنخواہ وصول کرتے رہتے تو یہ رقم اُن کی تنخواہوں میں بھی پُوری نہ ہوتی۔ باقی تمام کام کے لئے اُنہوں نے اپنا ذاتی روپیہ پانی کی طرح بہایا تھا۔ اس میں تمام ہندوستانی کارگذاروں کی تنخواہیں۔ مدرسوں کے کُل اخراجات سیرامپور۔ کلکتہ۔ کٹوا۔ پٹنہ۔ رنگون وغیرہ کی جائدادیں شامل ہیں۔ ان عظیم قربانیوں کے علاوہ سیرامپور کا ٹائپ بنانے کا کارخانہ۔ چھاپہ خانہ۔ کاغذ بنانے کا کارخانہ مع تمام ضروری سامان سب اُن ہی کے روپے سے خریدا گیا تھا۔ کیری کہتا ہے :۔

"ہم نے اس کام کے لئے آپ سے روپیہ قرض لیا اور آپ کو سُود سمیت واپس کر دیا لیکن پھر بھی ہم اس تمام جائداد کو مشن کی ملکیت مان کر اُس کے محض مُختار کار رہے۔ اور اب ہم پر جبر کیا جاتا ہے۔ ہم سے کہا جاتا ہے کہ انگلستان کے آٹھ آدمی اپنے ساتھ شامل کر کے اُن کو بھی ٹرسٹی بنالیں !!!

ہم کو ذاتی طور پر اُن میں سے کسی ایک پر بھی اعتراض نہیں ہے۔ ہم شروع ہی سے اُن سب کی عزّت کرتے آئے ہیں۔ لیکن ہم یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتے کہ آج اُن لوگوں کو اس احاطہ میں اور ہمارے اُوپر حکومت چلانے کو مقرّر کر دیا جائے جبکہ ہمارے اور اُن کے درمیان ہزاروں میل کا فاصلہ حائل ہے۔

ہم یہ مانتے ہیں کہ یہ جائداد سوسائٹی کی ہے، لیکن ہم ہی نے تو اس کو عطا کیا ہے۔ ہم کو ان عمارات سے ایک اُنس سا ہو گیا ہے لیکن اگر سوسائٹی اپنے فیصلہ پر بضد ہے تو ہم مجبور ہو کر ان مکانات کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں گے۔

ہم اپنے لئے دوسری جائداد خرید کر پھر خدا کے نام پہ وقف کر دینگے لیکن یہ ہم سوسائٹی کو عطا نہ کریں گے - وہاں ہم اپنے کام کو جاری رکھیں گے اور وہاں سوائے کلام حق کی پابندیوں کے ہم پہ اور کوئی بندش نہ لگائی جاسکے گی - اس فیصلہ پر ہم سب متفق ہیں اور اس پر ہم ثابت قدمی سے اُستوار رہینگے ہم اب تک اس خیال میں تھے کہ جو روپیہ ہم اپنی جسمانی مشقت سے پیدا کرتے ہیں اُس کے مالک ہم ہیں - یہ دیگر امر ہے کہ ہم اس کو خدا کے نام پر دیدیں، اور ایسا ہی ہم تادم زیست کرتے بھی رہیں گے - لیکن جو عطیات ہم نے دیئے ہیں وہ اس خدمت کے لئے تو ضرور تھے مگر سوسائٹی کے خزانہ میں ایسے طریقہ پر داخل نہیں کئے گئے تھے کہ دوسرے اس پر قبضہ کر لیں -

ہم آپ لوگوں کے بھائی ہیں، ملازم نہیں - ہم نے سوسائٹی سے رشتہ قائم کرنا باعث فخر سمجھا تھا کیونکہ ہم سوسائٹی کے ساتھ مل کر ایک مقصد عظیم کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس مقصد کو حاصل کر کے ہم سوسائٹی کی مسرت میں شریک ہوں گے - لیکن یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے کہ آپ ہم کو اس تعاون کی اجازت دیں -

ہم کسی کی اطاعت قبول کرنے کو ہرگز تیار نہیں ہیں - فُلر نے کبھی ہم پر حکومت کرنے کا خیال تک نہ کیا تھا مگر سوسائٹی نے یہ سبق اُس کی وفات کے بعد سیکھ لیا ہے - میں اُمید کرتا ہوں کہ وہ ایسے خیالات کو جلد فراموش کر دیگی کیونکہ ہم ہرگز ہرگز ایک لمحہ بھر کے لئے بھی کسی کی غلامی کو برداشت نہیں کر سکتے "

تین ہفتہ کے بعد کیری نے ایک اور خط لکھا جس میں اُس نے اطلاع دی کہ تینوں کے دستخطوں سے ایک متفقہ احتجاجی خط کی نقلیں سوسائٹی کے ہر رُکن کے پاس علیحدہ علیحدہ روانہ کی جا رہی ہیں - اس کے ساتھ ہی اُس نے جائداد کے نئے مختار نامے تیار کرا کے اُن کی بھی ایک نقل روانہ کی اور اطلاع دے دی کہ وہ اس سے ایک انچ بھر بھی اِدھر یا اُدھر ہٹنے کو تیار نہیں ہیں - اس کے علاوہ کیری کہتا ہے کہ پیئرس کے ساتھ اُن کے تعلقات خوشگوار ہونے لگے ہیں -

اس احتجاجی خط کا مسودہ مارشمین نے تیار کیا تھا اور اس پر تینوں کے دستخط

ثبت تھے۔ جان سی مارشمین (JOHN C. MARSHMAN) نے لکھا ہے کہ یہ "میرے والد کی متعدد تحریرات میں سب سے زیادہ قابلِ افسوس اور ایک حد تک ناگوار تحریر بھی ہے۔" لیکن جان مارشمین کی اس رائے کے باوجود ہم ڈاکٹر مارشمین کو قصوروار ٹھہرانے کی جرأت نہیں کرتے، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ خط انتہائی دماغی پریشانی اور قلبی تکلیف اور جذبات کی کشمکش میں لکھا گیا تھا۔ اس خط میں مارشمین نے اپنے دُکھ اور تکلیف، اپنا طنز اور فخر، اپنے اندیشے اور خطرات وغیرہ سب کچھ ظاہر کر دیئے ہیں خط بہت طویل ہے لیکن ہم ایک مختصر سے اقتباس کو ہی پیش کر سکتے ہیں:-

"اس سے زیادہ رنج ہم کو اور کسی بات سے نہیں ہوا۔ کوئی اور شئے ایسی نہیں تھی جس نے مشن کی بربادی کے اس قدر سامان فراہم کر دیئے ہوں۔

جس وقت آپ کا خط آیا ہم یہ تجویز کر رہے تھے کہ اپنی تمام خدمات کی ایک مکمل رُوئیداد تیار کریں۔ لیکن اب ہمارا شوق فرو ہو گیا۔ یہ ظاہر ہو گیا کہ اگر آپ کے خیالات صحیح ہیں تو ہم نے ایسے لوگوں کی اطاعت قبول کر لی ہے جن کو ہم جانتے تک نہیں۔ ہم میں سے جو سب سے زیادہ معمّر ہیں اُن کا رُوحانی جوش بھی تقریباً سرد ہو گیا۔

مَیں نے اپنے دُشمنوں کے ہاتھوں بہت کچھ برداشت کیا تھا لیکن بھائیوں کے ہاتھوں میں ایسے سلوک کو برداشت نہیں کر سکتا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے بلند ترین عزائم محض خواب ہی تھے جن کے پُورا ہونے کی کوئی اُمّید نہیں۔ جو عظیم کام ہم نے شروع کیا تھا وہ ہمارے دوستوں ہی کے ہاتھوں برباد ہو رہا ہے۔ ایسے دوستوں کے ہاتھوں برباد ہو رہا ہے، ایسے دوستوں کے ہاتھوں جو اب تک ہماری محبّت کا مرکز اور ہمارے نزدیک خُداوند اور معبُود کے بعد دُوسرا درجہ رکھتے تھے۔

لیکن خُدا جو رحمت اور پاکیزگی کا سرچشمہ ہے اُس نے ہم کو یہ توفیق بخشی ہے کہ ہم اپنی ساری فکریں اُس پر ڈال دیں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ وہ کون سی راہ ہے جس پر چلنے سے یہ مشن محفوظ رکھی جا سکتی ہے۔

ہم کو سخت رنج اور انتہائی افسوس ہے کہ ایسا خط لکھنے کی ضرورت پیش آئی

اور اُس کو لکھتے وقت ہم نے جو تکلیف محسوس کی ہے وہ آج تک کسی اور شئے سے پیدا نہیں ہوئی تھی۔

ہم آپ لوگوں کو اُس محبّت کی قسم دلاتے ہیں جو آپ کے دلوں میں موجزن ہے کہ ہمیشہ کے لئے اس خیال کو ترک کر دیجئے۔ اگر آپ نے اصرار کیا تو اندیشہ ہے کہ اُس مُحبّت کا خاتمہ نہ ہو جائے جو ہمارے اور آپ کے درمیان ابھی تک قائم ہے۔ ہم اپنے ذاتی اخراجات، اپنی برادری اور اپنی جائداد کی حفاظت اسی ثابت قدمی سے کرتے رہیں گے جس طرح ساحل کی ایک چٹان سمندر کی لہروں کا مقابلہ کرتی ہے۔"

ابھی تک اس باب میں ہم نے اُس کشمکش کا بیان کیا ہے جو سیرامپور اور انگلستان کی کمیٹی کے درمیان پیدا ہو گئی تھی۔ اب ان واقعات کو اس جگہ چھوڑ کر ہندوستان کے حالات کو دیکھئے کہ یہاں اس قضیہ نے کیا کیا گُل کھلائے۔ ہندوستان کی حالت کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے ہم کو دوبارہ اُسی مقام پر جانا پڑے گا جہاں ہم نے اس باب کو شروع کیا تھا یعنی ۱۸۱۳ء میں کیونکہ اس سال ایسٹ انڈیا کمپنی کو نئی سند مل گئی تھی اور ۱۸۱۳ء سے ۱۸۱۷ء کے درمیان چار نئے مشنری بھی آگئے تھے جن سے ہم ناظرین کو متعارف کرا چکے ہیں۔ ان کے آنے سے سیرامپور کے مشنریوں کو جس قدر خوشی ہوئی اُس کا اندازہ لگانا ممکن ہے۔ لیکن ۱۸۱۸ء میں یہ چاروں ہی لاسن سمیت کیری اور اُس کے ہم خدمتوں سے علیحدہ بھی ہو گئے، اور سیرامپور کی مشن کے مقابلہ میں کلکتہ میں ایک جُدا "مشن" بھی جاری کر دی۔ جیسا کہ آغاز میں کہا گیا ہے یہ ایک نہایت قابل افسوس واقعہ تھا کیونکہ کیری، مارشمین اور وارڈ کا حق تھا کہ اُن کے ساتھ بہتر سلوک روا رکھا جاتا۔ اُن کے کام کی عظمت اُن کا تجربہ اور اُن کی عمریں اس امر کی مقتضی تھیں کہ اُن کے خیالات کا احترام اور اُن کے جذبات کا لحاظ رکھا جائے۔ اُن کی مخالفت کرنے والوں کو لازم تھا کہ وہ اپنی ناتجربہ کاری اور نااہلیّت کو بھول نہ جاتے۔ اُن کو یہ سوچنا چاہیئے تھا کہ اُن میں سے ایک بھی ابھی ۲۶ سال سے زیادہ عُمر کا نہ تھا۔ دو کو ہندوستان آئے محض تین سال کا قلیل عرصہ گذرا تھا اور دو گذشتہ سال ہی آئے تھے۔

اگر واقعات ایسی ناخوشگوار صُورت اختیار نہ کرتے تو یہ نو عُمر مشنری نہایت

خوبی و خوش اسلوبی سے اُن تمام خدمات کو انجام دینے کے اہل تھے جو سیرامپور کے مرکز سے ہو رہی تھیں۔ یوسٹیس کیری ڈاکٹر کیری کا بھتیجا تھا۔ ولیم کیری نے اُس کے والد کی بہت امداد کی تھی۔ یوسٹیس ایک عمدہ مقرر اور اثر آفرین واعظ تھا اور یہ برسٹل (BRISTOL) میں سٹکلِف کا شاگرد بھی رہ چکا تھا۔ پھر بیٹس بھی کیری کی طرح موچی کے پیشہ سے اُبھرا تھا۔ کیری ہی کی طرح یہ مطالعہ کا شوقین اور اُسی کی طرح زباندانی کی دولت سے مالا مال تھا۔ بینی کے متعلق کسی نے کہا ہے کہ یہ ایک "نہایت خوش مزاج اور زندہ دل شخص تھا" جس کو عوام میں ہر دلعزیزی کا شرف حاصل تھا۔ لاسن کیری کی طرح باغبانی کا شوقین اور ایک بلند پایہ ماہر موسیقی تھا اور آخر کار کیری کے عزیز دوست سیموایل پیئرس کا ہونہار فرزند پیئرس اپنے "فرشتہ خصلت" والد سے کسی درجہ کم نہ تھا۔ ان نوجوانوں میں برکات کی کمی نہ تھی اور سب کو یہ اُمید تھی کہ یہ برکات مشن کی خدمت میں بہترین طور پر استعمال کی جائیں گی۔ اُنہوں نے اپنی زندگیاں خُدا کی خدمت کے لئے وقف کی تھیں۔ اُن کے ایمان میں لغزش کی کوئی ظاہری وجہ نظر نہ آتی تھی۔ محنت کا شوق اُن کے قلب میں موجزن تھا۔ مشن کو بھی اُس وقت ایسے ہی نوجوانوں کی ضرورت تھی۔ یوسٹیس مقرر اور متاد ہونے کی وجہ سے لال بازار کا عُمدہ پاسبان بن سکتا تھا۔ بیٹس کیری صاحب کا ہم خدمت اور ترجمہ کے کام میں اس کا لائق جانشین ثابت ہو سکتا تھا۔ وارڈ کی صحت روز بروز گرتی جاتی تھی لہٰذا اُس کے کام کو پیئرس نہایت عُمدگی سے سنبھال سکتا تھا۔ اور پھر لال بازار کے سکول کے لئے بینی جیسے قابل شخص کی ضرورت تھی۔

چُنانچہ شروع شروع میں سب کام نہایت عُمدگی اور سہولت سے انجام پاتے رہے۔ ان خوشگوار ایّام میں یوسٹیس نے ایک خط میں لکھا ہے :-

"چچا کی طرف سے میرے دل میں جذبۂ احترام روز بروز بڑھتا ہی جاتا ہے۔ آپ مہینہ بھر میں بھی آدھ گھنٹہ اپنی سخت محنت سے دستکش نہیں ہوتے۔"

ڈاکٹر کیری نے لکھا ہے :-

یوسٹیس ہر دلعزیز ہے۔ اُس کی راستبازی میں کوئی شبہ نہیں اور اُس کی تقریر کی طاقت معمول سے کہیں بلند و بالا ہے۔"

بیٹس کے ایک خط کا اقتباس ہے :-

میرا زیادہ تر وقت ڈاکٹر کیری کی خدمت میں صرف ہوا کرے گا اور اس سے میں بہت خوش ہوں۔ آپ ایک بلند پایہ عالم اور ایک عظیم ہستی ہیں۔ آپ مجھ سے بہت محبت سے پیش آتے ہیں اور آپ نے فرمایا ہے کہ مجھ کو خوش رکھنے میں آپ کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کریں گے۔"

اور سیٹیس کے متعلق ڈاکٹر کیری کا خیال ہے کہ:-

"ترجمہ کے کام میں میرا جانشین بننے کے لئے سیٹیس سے بہتر اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا .... میں اس کی راست بازی، اس کی خاموش طبیعت اور اس کی محتاط عادتوں کی وجہ سے اس کا گرویدہ ہوں۔"

پینی کا چال چلن "ایک شفاف چشمہ کی مانند" تھا اور ریپرس اور اس کی اہلیہ نے "سب کے دلوں میں اپنے لئے ایک جگہ پیدا کر لی تھی۔ چنانچہ سب کام نہایت خوبی سے ہو رہے تھے۔

کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان خوشگوار حالات کو کس شخص یا کس واقعہ نے یکایک تبدیل کر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زیادہ تر ذمہ واری جونسر پر عاید ہوتی ہے جس کے متعلق اسی باب میں پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔ جونسر نے ان لوگوں کے آنے سے پہلے ہی ان کے کان بھر دیئے تھے اور خاصکر ڈاکٹر مارشمین کے خلاف ان نوجوانوں کے دلوں میں سخت نفرت کا تخم بو دیا تھا۔ پھر پینی اور ریپرس اس وقت آئے جب کہ سیرامپور اور کمیٹی کے درمیان جائیداد کے سوال پر تنازعہ شروع ہو چکا تھا۔ یہ دونوں نئی کمیٹی کے خیالات سے واقف تھے اور انہوں نے ہندوستان پہنچکر ان خیالات کی حمایت بھی شروع کر دی۔ ظاہر ہے کہ ان واقعات کا نتیجہ بہت اچھا نہ ہو سکتا تھا۔ مارشمین اکثر ناخوش رہا کرتا تھا کیونکہ وہی غلط بیانی کا خاص شکار تھا۔ اس کی صحت بھی اچھی نہ رہتی تھی۔ اسی طرح وارڈ بھی تقریباً دائم المریض ہو چکا تھا۔ یہ تمام بزرگ سخت محنت اور بنگال کی گرم مرطوب آب و ہوا میں طویل سکونت اختیار کرنے کا خمیازہ اپنی ضعیفی کی تکالیف کی صورت میں اٹھا رہے تھے۔ گذشتہ قربانیوں کی قیمت جسمانی ناتوانی کی شکل میں ادا کر رہے تھے۔ آنے والے ناخوشگوار واقعات کو وہ اپنی چشم دور اندیش سے دیکھتے تھے اور یہ خدشہ دن رات ان کو

چین نہ لینے دیتا تھا۔ ان حالات میں ایسا ہو سکتا ہے کہ اُنہوں نے نوجوان مشنریوں کے تازہ خیالات اور نئے جذبات کا لحاظ نہ رکھا ہو۔ اگر ایسا ہوا (اور ہم پھر کہتے ہیں کہ ہم کو اس کا کوئی ثبوت نہ مل سکا) لیکن اگر ایسا ہوا اور ایسی حالت میں نوجوانوں نے سرکشی کر کے ایک علیحدہ گروہ بنا لیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ نوجوان اکثر ایسا ہی کرتے ہیں۔

بہر کیف جو کچھ بھی ہو لال بازار میں نوجوانوں کی امداد کی سخت ضرورت تھی۔ اور اُنہوں نے لال بازار سے علیحدگی اختیار کرنے میں ایک بڑی غلطی کا ارتکاب کیا اور پھر اس پر طرّہ یہ کہ اُنہوں نے اپنا کام بھی جاری کیا تو انتالی (ENTALLY) یعنی شہر کلکتہؔ ہی میں!!! مشن کے جاری شدہ کام کے اس قدر نزدیک ایک نئے کام کو پُرانے اصُولوں پر قائم کر دینا۔ اگر مشن کے دو فرقوں کے باہمی افتراق کا اشتہار نہیں تو اَور کیا تھا؟ اگر ان نوجوانوں میں تھوڑا بہُت بھی تجربہ ہوتا تو وُہ یہ سوچ لیتے کہ ہمارے ایسا کرنے سے نہ صرف ہمارے جھگڑوں کی تشہیر ہی ہوگی بلکہ یہ بہُت سے لوگوں کے قلبی دُکھ کا باعث ہوگا۔ اور اس طرح کسی انسان کے نہیں بلکہ خُود خُداوند مسیح کے کام میں رخنہ اندازی پیدا ہوگی۔ کیا ہی بہتر ہوتا کہ اگر یہ مل کر کام نہیں کر سکتے تھے تو ہندوستان کے کسی دُور اُفتادہ علاقہ میں ایک بالکل نئی مشن کی بُنیاد ڈال دیتے!!!

اُس وقت چٹا گانگ میں ایک قائد کی ضرورت تھی کیونکہ وہاں کے پاسبان ڈی برُوان (DE-BRUYN) قتل کر دیئے گئے تھے اور اُن کی عزیز کلیسیا کا کوئی رہبر و مددگار نہ رہا تھا۔ سماٹرا (SUMATRA) کے خُدا ترس لفٹنٹ گورنر سر سٹیمفرڈ ریفلز (SIRSTAMFORD RAFFLES) ایک پریس اَور مشن کے مددگاروں کی درخواست کر گئے تھے۔ کیری کے پُرانے طالب علم ڈیوڈ سکاٹ (DAVID SCOTT) مشرقی صُوبجات کے کمشنر ہو گئے تھے۔ اور آسام اور گارو کے علاقوں میں مشن قائم کرنے کی درخواستیں کر رہے تھے۔ بلکہ خُود گورنر مارکوئس ہیسٹنگز (MARQUIS HASTINGS) نے کیری اور مارشمین کو ایک دعوت میں بُلا کر اُن سے درخواست کی تھی کہ اُن کے نئے حاصل کردہ علاقہ راجپوتانہ

ہیں مدرسے قائم کریں اور وعدہ بھی فرمایا تھا کہ اس کام کو شروع کرنے کی غرض سے وُہ آٹھ ہزار روپیہ بھی دیں گے اور ریذیڈنٹ سر ڈیوڈ آکٹرلونی (SIR DAVID OCHTERLONY) کو ہدایت کر دیں گے کہ ہر ممکن طریقہ پر مشن کی امداد کریں۔ تینوں بزرگ مشنریوں نے ایک طویل عرصہ تک اربابِ اقتدار کی مخالفت کا مقابلہ کیا اور متعدد مظالم بھی برداشت کئے۔ ان کے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی تھی کہ جو گورنمنٹ انکو ایک نظر نہ دیکھ سکتی تھی آج وُہی اُن کی امداد کی خواہاں ہوتی ہے؟ کل جن کاموں کو کرنے کی اُن کو اجازت نہ تھی آج وُہی کام کرنے کی اُن سے درخواستیں ہو رہی تھیں!!! لیکن ان تمام سہولتوں کے باوجود نوجوان مشنریوں نے کام جاری کیا تو کلکتہ میں جہاں کی ضروریات پُوری کرنے کا خاطر خواہ انتظام موجود تھا۔ اُن کی اس حرکت پر جس قدر بھی نفریں کی جائے کم ہے۔ کیری کو اس تمام قضیہ سے اس قدر صدمہ نہیں ہُوا جس قدر کہ افتراق کے اُس بدترین مظاہرہ سے ہُوا۔ آخرکار وارڈ کا ایک بھتیجا ایک چھاپہ خانہ لے کر سماٹرا گیا اور کیری کا فرزند جعبیض (JABEZ) راجپوتانہ پہنچا۔ جعبیض ۱۸۱۸ء کے اختتام پر اجمیر کے سفر پر روانہ ہُوا اور اپنے والد کی ہندی بائبل کی امداد سے اُس نے پندرہ۱۵ سال تک وہاں نہایت شاندار خدمات انجام دیں۔ لیکن انگلستان سے آنے والے نوجوان مشنریوں میں سے کسی نے بھی ان کاموں کے واسطے اپنی خدمات پیش نہ کیں۔

کیری کے صبر و تحمّل کا بہترین ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ جب تک کہ نوجوان مشنریوں نے جھگڑے کو طول دے کر "کلکتہ مشنری یونین (CALCUTTA MISSIONARY UNION) نہ بنالی اور مکمّل طور پر اس افتراق کا اشتہار نہ ہو گیا تب تک کیری نے اس تنازعہ کی نسبت ایک حرف بھی کسی سے نہ کہا حالانکہ کشیدگی ۱۸۱۵ء ہی سے شروع ہو چکی تھی۔ اور جب آخرکار اُس نے اپنی نجی خط و کتابت میں اس کا ذکر کیا تو ان الفاظ میں:۔

"مجھے یقین ہے کہ وُہ خلوص دلی سے خدمت کر رہے ہیں لہٰذا اُن کی محنت کا نتیجہ انجیل کے حق میں اچھا ہی ہوگا"

اور پھر اپنے منصوبے اس طرح ظاہر کرتا ہے:۔

"یہ (افتراق) ایک بدنما چیز تو ضرور ہے لیکن ہم نے ارادہ کیا ہے کہ اس کو برداشت کریں گے اور مخالفت نہ کریں گے۔"

اس سلسلہ میں ایک مضحکہ خیز امر یہ تھا کہ نئی "مشن" قائم کرنے والے یہ کہتے تھے کہ ہم کو کبری سے کوئی شکایت نہیں ہے اور نہ ہی ہم اُس کی مخالفت کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے ثبوت میں اُنہوں نے کبری کو دعوت بھی دی کہ میر امیور سے علیحدہ ہو کر ان سے مل جائے۔ کبری اس دعوت سے بہت برہم ہوا اور اُس نے یہ جواب لکھ بھیجا:۔

"مَیں نے اٹھارہ ۱۸ سال تک ڈاکٹر مارشمین کے دوش بدوش خدمت کی ہے۔ مَیں نے ان کے ساتھ زندگی بسر کی اور ان کی طرز بود و باش کا مشاہدہ اور مطالعہ کیا ہے۔ مَیں ان کی تمام کمیوں اور کوتاہیوں سے بخوبی واقف ہوں اور جس چیز کو اُن کے مخالف اُن کی لغزشیں بتاتے ہیں، وُہ مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے بلکہ اُن کی تمام کوتاہیاں مجھ پر عیاں ہیں۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود مَیں اُن کے مخالفین کی طرح اُن کی تحقیر نہیں کرتا۔"

"مارشمین اتنی خوبیوں اور قابلیتوں کا مالک ہے کہ اُن سے اس کے تمام عیوب ڈھک جاتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ مشن کو مارشمین سے بہتر اور کوئی دوست اور اس سے زیادہ لائق مددگار نہیں ملا۔ مَیں دُعا کرتا ہُوں کہ مشن کو کبھی اس کی ضرورت بھی محسُوس نہ ہو۔"

یہ اُس زمانہ کا ذکر ہے جبکہ مارشمین کے سکولوں سے مشن کو دو ہزار ۲۰۰۰ روپیہ ماہوار کی آمدنی تھی۔

کبری کو اس قضیہ سے کس قدر افسوس تھا اس کا اندازہ کچھ اس جملہ سے ہو سکتا ہے جو اُس نے اپنے ایک خط میں کسی دوست کو لکھا:۔

"مجھے اپنی زندگی میں کوئی اَور شئے دکھائی نہیں دیتی جس نے مجھے اس قدر صدمہ پہنچایا ہو جس قدر اس افتراق نے پہنچایا ہے۔ مَیں کئی کئی راتیں اپنے بستر پر بیدار پڑا رہتا ہُوں اور یہی سوچتا رہتا ہُوں کہ ہمارے کس قول یا فعل کی وجہ سے یہ تنازعہ شرُوع ہُوا اور مجھے کوئی ایسی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ تاہم

ہماری مشن دو حصّوں میں ٹوٹ گئی ہے !!!"

اختلاف کی اصل وجہ یا افتراق پیدا کرنے والی کوئی وجوہ بھی کیوں نہ ہوں مگر ڈاکٹر کیری ہر وقت اسی دُھن میں لگا رہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح یہ جھگڑا رفع دفع ہو جائے چنانچہ اُس کا یہ خط ملاحظہ ہو :-

"مَیں نے بار بار اپنے بھائیوں سے کہا ہے کہ غلط فہمی دُور کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ باہم مل کر تبادلۂ خیالات کریں - اس جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے لئے مَیں نے اپنی انتہائی کوشش صَرف کر دی ہے - میرے جذبات نے میرے اندر ایک خلوص پیدا کر دیا ہے - مَیں نے بار بار یہی کہا ہے کہ اگر میری وجہ سے کسی کو رنج پہنچا ہے تو مَیں اُس شخص سے ہاتھ جوڑ کر اور اُس کے پیروں پر گر کر اُس سے معافی مانگنے کو تیاّر ہوں - مَیں نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ اگر میری زبان سے کوئی نامناسب لفظ نکل گیا یا مجھ سے کوئی ناجائز حرکت سرزد ہو گئی ہو تو مَیں اس کو باعثِ فخر سمجھوں گا کہ اس کا علانیہ اعتراف کروں اور ایسا کرنے سے مَیں ہرگز گریز نہ کروں گا - لیکن مَیں یہ سب کچھ اپنے بھائیوں کی خاطر کرنے کو تیاّر ہوں کیونکہ سالہا سال سے اُن کا ہم خدمت رہنے کی وجہ سے مَیں اُن کا احترام کرتا ہوں - لیکن اگر کوئی یہ چاہے کہ مجھے اُن سے علیحدہ کر دے تو اُس شخص سے مجھے نفرت ہے -

بیشک یہ افتراق بدنامی اور بے عزّتی کا باعث ہے اور مَیں نہیں جانتا کہ اس سے زیادہ مَیں اس تنازعہ کو رفع دفع کرنے کے لئے کیا کر سکتا ہوں -

مَیں اُن پر اُن کی غلطی ثابت کر کے اُن کو پشیمان نہیں کرنا چاہتا بلکہ مَیں یہ چاہتا ہوں کہ ہم ایک دُوسرے کے خیالات کو پہچان کر ایک دُوسرے کے جذبات کا احترام کرنے لگیں - مَیں نے اپنے ہم خدمتوں کو ہر حالت میں دیکھا ہے اور مَیں اُن کی تمام لغزشوں اور کمزوریوں سے بخوبی واقف ہوں - لیکن اگر انجیل کی خدمت میں مجھے دوبارہ ساتھی منتخب کرنے کی ضرورت ہو تو اُن کی کوتاہیوں اور کمزوریوں کے باوجود مَیں دوبارہ اُن ہی کو منتخب کروں گا"

بالآخر خدا خدا کر کے مارچ ۱۸۱۹ء کے اختتام پر ڈاکٹر کیری نے راٹیلینڈ کو ذیل

کا خط قلمبند کیا :-

"میں اُمید کرتا ہوں کہ وہ رُوح جو ہمارے کلکتہ کے بھائیوں کے درمیان کارفرما تھی اب رُوبہ فرد ہے۔ ڈِسٹیٹس کی مخالفت سب سے زیادہ شدید تھی۔ یہ دو[2] مرتبہ مجھ سے ملنے آیا اور پیپرسن بھی ایک مرتبہ آیا۔ صلح کے واسطے جو کچھ میرے امکان میں ہوگا میں ضرور کروں گا۔

اس تنازعہ کی نسبت میری رائے ہمیشہ یہی رہی ہے کہ یہ بالکل لایعنی اور قطعی لاحاصل تھا۔ دونوں طرف بہت سی باتیں ایسی ہیں جن پر طرفین کو قصور وار ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ تنازعہ ہمیشہ تکبّر اور غرور کی بنا پر پیدا ہوتا ہے۔ دونوں فریقین نے بہت غرور سے کام لیا ہے لیکن پھر بھی خوبیاں دونوں طرف موجود ہیں۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اس طویل تنازعہ میں کوئی ایسا لفظ نہیں کہا گیا یا کوئی ایسا کام نہیں کیا گیا جس کو نظرانداز یا معاف نہ کیا جاسکے۔ کوئی ایسی غلط فہمی پیدا نہیں ہوئی جس کا مسیحی طبیعت رکھنے والے انسان باہم مل کر فیصلہ نہ کرسکیں۔"

ڈاکٹر کیری پھر لکھتے ہیں :-

"کچھ عرصہ سے میرے دل میں یہ خیال پیدا ہورہا ہے کہ چھوٹے چھوٹے جھگڑے شروع شروع میں بہت رنجیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ یہ دراصل پانی کے اُن سوتوں کی مانند ہوتے ہیں جن سے دریا نکلتے ہیں۔ پہلے تو یہ چشمے ایک دُوسرے کے اس قدر نزدیک ہوتے ہیں کہ یہ ایک دُوسرے کی اہمیّت کے منافی ثابت ہوتے ہیں اور آس پاس کی زمین کو ایک دلدل میں تبدیل کرکے بیکار بنادیتے ہیں۔ لیکن کچھ دُور آگے چل کر ان تمام سوتوں کی بُوندیں یا تو ایک ہی ندی کی صُورت میں یکجا مل کر ایک ہی علاقہ کو سیراب کرتی ہیں۔ یا یہ ایک دُوسرے سے اس قدر جُدا ہوجاتی ہیں کہ ایک ندی ایک جانب نکل جاتی ہے اور دُوسری ندی دُوسری جانب چل دیتی ہے، اور پھر یہ دونوں ندیاں بیک وقت دو[2] مختلف علاقوں کو سرسبز و شاداب کرتی ہیں۔

میری دُعا ہے کہ ہمارے درمیان جو قضیہ پیدا ہوگیا ہے اس کا انجام بھی ایسا

ہی ہو"۔

اور مندرجہ بالا خط کے چار ماہ بعد ہی ۱۵- اگست ۱۸۱۹ء کو ڈاکٹر کیری نے جیبیقض کو لکھا :-

"مجھے یقین ہے کہ تم کو اس خبر سے ضرور مسرت ہوگی کہ ہمارا باہمی تفرقہ جو ایک عرصہ سے متواتر چلا آرہا تھا اب رفع دفع ہو چکا ہے۔ تقریباً تین ۳ ہفتے ہوئے ہم سب اس مقصد کے لئے یکجا جمع ہوئے اور طرفین نے غیر ضروری امور پر اپنی "ضد" کو چھوڑ دیا۔ پھر ایک سمجھوتہ ہو گیا۔ میری دعا ہے کہ یہ فیصلہ دائمی ہو۔ مَیں نے اپنی زندگی میں بہت دُکھ سہے تھے لیکن میری رُوح کو اس جھگڑے سے زیادہ کسی اَور بات نے تکلیف اَور رنج نہیں پہنچایا تھا"۔

مذکورہ بالا افتراق کے "تصفیہ" کی "کیفیت" بیان کر دینے کے بعد ہم ناظرین کو پھر ایک بار انگلستان کی سیر کرانا چاہتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس تنازعہ کا اثر سیرامپور اور کمیٹی کے باہمی "تعلقات" پر کیا ہُوا۔

یہ ہم ظاہر کر چکے ہیں کہ نئی کمیٹی کے افراد سیرامپور کے بزرگ مشنریوں میں سے کسی کو بھی شخصی طور پر نہ جانتے تھے۔ مگر نئے مشنریوں سے وُہ خُوب اچھی طرح واقف تھے۔ پھر یہ نئے مشنری نئی کمیٹی کے خیالات کو پہچانتے تھے اور ہندوستان میں آکر ان خیالات کی حمایت کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ لہٰذا کمیٹی ان نوجوانوں کو "وفادار" اور سیرامپور کے کارندوں کو "غدّار" سمجھتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ان کی سیرامپور کے کارندوں کی تجاویز سے دلچسپی کم ہوتی گئی اور "کلکتہ" والوں کے حق میں بڑھتی گئی۔ ان بزرگوں کو مشکل ہی سے مالی امداد ملتی تھی لیکن نوجوانوں کے واسطے مشن کے خزانے کھُلے رہتے تھے۔

خُدا جانے یہ ہوم کمیٹی سیرامپور کے کارندوں اور "کلکتہ" کے کارندوں کے بُنیادی فرق کو کیوں نہ پہچان سکی۔ اوّل الذکر خُود کفیل تھے لیکن نوجوان مشن سے تنخواہیں وصُول کرتے تھے لہٰذا وُہ ملازمین کی "حیثیت" سے کمیٹی کے "احکامات" اور "ہدایات" پر عمل کرنا اور اُن کے اشاروں پہ چلنا اپنا عین فرض سمجھتے تھے لیکن سیرامپور کے کارندے خُود مُختار ہونے کی وجہ سے انگلستان کی کمیٹی کی "نگرانی" اور "حکومت"

کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے لئے مسیحی "آزادی" اُن کی زندگی کا رُوح بن چکی تھی۔

"جب میں اس مشن پر روانہ ہُوا" کیری رقمطراز ہے "میں اپنے آپ کو کمیٹی کا ملازم نہیں بلکہ بھائی سمجھتا تھا۔ کہا گیا ہے کہ کسی گہرے کنوئیں کی تہہ میں کوئی کام کرنا مقصُود تھا اس لئے یہ ضرُوری تھا کہ کوئی شخص کنوئیں میں اُتر کر اس خدمت کو انجام دے جبکہ دُوسرے رسّیاں سنبھالیں۔ میں نے کنوئیں میں اُترنے کے لئے اپنی خدمات اس شرط پر پیش کی تھیں کہ میرے بھائی اُوپر رسّیاں تھام رکھیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں کنوئیں میں اُترنے کی وجہ سے رسّیاں سنبھالنے والوں کا ملازم بن گیا۔"

سیرامپور کے کارندوں کا یہ دعوےٰ حق بجانب تھا اور اس کو اُنہوں نے اس طرح مُستحکم کیا کہ وُہ نہ صرف خُود کفیل ہی رہے بلکہ اپنی ذاتی آمدنی میں سے بھی مشن کے کاموں پر صرف کرتے رہے۔ سنہ ۱۸۱۸ء تک اُن کے نجی عطیات چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) پونڈ سے تجاوز کر چکے تھے۔ ان میں سیرامپور۔ کلکتہ۔ کٹک وغیرہ کی جائدادیں۔ عمارتیں اور جُملہ اثاث البیت شامل تھے۔ اور کیری کی وفات سے سنہ ۱۸۲۷ء تک اس میں اٹھائیس (۲۸) ہزار پونڈ کا مزید اضافہ کیا گیا۔ اس تمام کثیر جائداد کی ملکیّت سوسائٹی ہی کو سونپ دی گئی تھی۔ وُہ محض یہ چاہتے تھے کہ ان کی نیک نیّتی پر بھروسہ کیا جائے۔ ان کو اس جائداد میں سکُونت اختیار کرنے کا حق ہو۔ ان کو اپنے ہم خدمت منتخب کرنے کی اجازت ہو اور چند شرائط پر اُنہیں اپنے جانشین بھی مقرّر کرنے کا اختیار ہو اور نیز وُہ اپنی باقی ماندہ زندگیاں ان مکانات میں اطمینان سے بسر کر سکیں۔ یہاں یہ کہہ دینا ضرُوری ہے کہ دراصل سیرامپور کی جائداد کی وراثت کا سوال ہی پیچیدہ نہ تھا کیونکہ کیری اور وارڈ اپنی اولاد میں سے کسی کو کُچھ نہیں دلوانا چاہتے تھے مگر تینوں اصحاب اس امر پر ضرُور متّفق تھے کہ مارشمین کے فرزند جان سی۔ مارشمین ہر لحاظ سے ایک اعلےٰ مشنری اور لائق باپ کے لائق جانشین ثابت ہوں گے۔ اس لئے تینوں کی خواہش تھی کہ ان کو اپنا ہم خدمت بنایا جائے۔

ہم جس قدر اس افتراق کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے ہیں ہم کو تعجّب ہوتا

ہے کہ اس قدر معمولی اور چھوٹی سی چیز نے کیونکر طوالت اختیار کر لی اور جھگڑا یہاں تک بڑھ گیا کہ اس کا فیصلہ کرنے کے لیے سیرامپور سے چار اشخاص کو انگلستان جانا پڑا اور پھر بھی مقصد پورا نہ آیا۔ چنانچہ وارڈ ۱۸۱۸ء سے ۱۸۲۲ء تک اسی سلسلہ میں انگلستان گیا۔ مسز مارشمین صاحبہ ۲۱-۱۸۲۰ء میں گئیں۔ جان مارشمین اپنی والدہ کے ایک سال بعد ۲۳-۱۸۲۲ء میں اس کام کا تصفیہ کرنے گیا اور بالآخر مارشمین خود ۱۸۲۶ء سے ۱۸۲۹ء تک وہاں رہا۔ اس آمد و رفت کے تمام اخراجات سیرامپور کی مشن کو برداشت کرنے پڑے لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ اُنہوں نے اپنی صفائی پیش کرنے اور صُلح قائم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ بار بار اُنہوں نے اپنے نمائندگان کو بھیجا کہ کسی طرح سمجھوتہ ہو جائے اور ہر مرتبہ اُن کی قلم کی درخواست کو ٹھکرا دیا گیا۔ اور افسوس کہ آخرکار ۱۸۲۵ء میں ڈسٹس کیری بھی انگلستان پہنچ گیا وہ مارشمین کا سخت مخالف تھا لہٰذا اُس نے مارشمین کے خلاف بہت کچھ زہر اُگلا۔ اس نئے طوفان کا اثر یہ ہُوا کہ مارشمین کی موجودگی میں اور اُس کی انتہائی کوششوں کے باوجود ۱۷ مارچ ۱۸۲۷ء کو نفاق نے ایک ناقابلِ حل صورت اختیار کر لی اور یہ پوشیدہ قضیہ علانیہ افتراق میں بدل گیا۔

کمیٹی کا دعویٰ یہ تھا کہ اُنہوں نے اتنا عرصہ انگلستان کی کلیساؤں میں پروپیگنڈا کر کے اُن کی دلچسپی کو قائم رکھا ہے اور اُن کو چندے جمع کرنے پر آمادہ کیا ہے لہٰذا اس خدمت کی وجہ سے جو روپیہ فراہم ہوتا ہے اُس کے خرچ پر بھی اُن کو کچھ نہ کچھ اختیارات ملنے چاہئیں۔ لیکن اس کے برعکس سیرامپور کے قائد یہ کہتے تھے کہ محنت ہم کرتے ہیں اور مقامی حالات سے ہم بخوبی واقف ہیں لہٰذا ہم کو حق حاصل ہے کہ ہندوستان میں جو روپیہ آتا ہے اُس کو کام کی ضرورت کے مطابق خرچ کریں۔

چونکہ ان دونوں نظریات میں بہت تفاوت تھی اور ہر دو فریقین کا یہ خیال تھا کہ دونوں صحیح راستہ پر چل رہے ہیں لہٰذا افتراق لازمی تھا۔ لیکن یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ اس جھگڑے کے باوجود ان کی علیحدگی دوستوں کی جدائی کی حیثیت رکھتی تھی۔ ہر دو فریقین اس امر پر متفق تھے کہ ہم ایک ہی مالک کی خدمت میں مصروف رہیں گے، خواہ ہماری خدمت مختلف نظریات ہی سے کیوں نہ ہو۔

صد حیف تھوڑے ہی دنوں میں انگلستان کے ہیڈسٹ اخبارات میں سیر آمیور کے خلاف پھر ایک طوفانِ توہین و تذلیل جاری ہوگیا اور اس نئے سیلاب کی زیادہ تر ذمہ داری کمیٹی ہی کے اراکین کے سر پر ہے۔ یہ نئی بدعت تین [۳] سال کے عرصہ تک جاری رہی اور اس کی روئیداد پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بزرگ ڈاکٹر کیری کی زندگی میں سب سے تلخ زمانہ یہی تین سال تھے۔ حالانکہ ہم نے اب تک کوشش کی ہے کہ حتی الامکان اس افتراق کے دونوں پہلوؤں پر روشنی ڈال کر ڈاکٹر کیری کے درست تاثرات قارئین پر ظاہر کر دیں لیکن ان آخری تین [۳] سالوں کے واقعات اور اُن الزامات کے طومار کی جو کیری۔ مارشمین اور وارڈ کے خلاف پیش کئے گئے، ہم تفصیل وار بیان کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ ہاں جہاں تک ڈاکٹر کیری کے جذبات کا تعلق ہے اس کا کچھ اندازہ آپ کو مندرجہ ذیل چند اقتباسات سے ہو جائیگا جو ڈاکٹر کیری کے خطوط سے لئے گئے ہیں :-

"میرا یقین کرنا چاہیئے۔"

"ایسا معلوم ہوتا ہے جس طرح موآب کے بادشاہ نے عدوم کے بادشاہ کو نہ صرف قتل ہی کیا بلکہ اُس کی ہڈیوں تک کو پھونک دیا ویسے ہی میرے نام نہاد دوست میرے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔"

"میری عمر ضرورت سے زیادہ ہوگئی ہے۔ مجھے اب مرجانا چاہیئے۔"

"پہلے میرے دوست تھے جو مجھ کو خط لکھا کرتے تھے۔ لیکن فلر کی وفات کے بعد برلز (BURLS) اور رائیلینڈ کے علاوہ کمیٹی کے کسی ممبر نے مجھے ایک خط سے بھی نہ پوچھا .... یہ میں شکوہ کے طور پر نہیں کہتا لیکن میں یہ اعتراف ضرور کرتا ہوں کہ کبھی کبھی مجھے اس بات کا بہت خیال ہوتا ہے۔"

"میں سوسائٹی کے سیکرٹری صاحب کو آزادی سے خط تک نہیں لکھ سکتا کیونکہ اُن کے خطوط کا طرزِ تحریر ایسا ہوتا ہے جیسے حکومت کے کسی وزیر کے حکمنامے ہوتے ہیں۔"

"ڈاکٹر مارشمین پر جو اتہامات لگائے گئے ہیں وہ سراسر بے بنیاد ہیں۔ میں نے

اُن کا ساتھ نہ چھوڑا ہے نہ چھوڑوں گا۔ ہندوستان میں اُن کے برابر کسی کی عزّت نہیں کی جاتی۔ میں اُن سے مُحبّت کرتا ہُوں۔ اُن کی عیاشی کیا ہے؟ وُہ بھی میری ہی طرح کنگال ہیں اور میری یہ حالت ہے کہ یورپ میں میرے تین چار نادار رشتہ دار ہیں جن کی امداد کرنے کی بھی مُجھ میں استطاعت نہیں ہم کثیر دولت کے مالک ہو سکتے تھے لیکن ہم نے اپنا سب کچھ مشن کو دے دیا ہے۔"

اس اندوہناک زمانہ میں ان کے رنج میں زیادہ تلخی پیدا کرنے کا خاص باعث یہ بھی تھا کہ ایک عرصہ تک بزرگ رابرٹ ہال (ROBERT HALL) بھی یوسٹیس کی غلط بیانی کی بنا پر ان سے نالاں رہے یہاں تک کہ بزرگ ڈاکٹر کیری کی بہنوں تک کو اپنے بھائی کی طرف سے کچھ شکوک پیدا ہو گئے بلکہ رائیلینڈ بھی مارشمین کی طرف سے بدظن ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر کیری کے حق میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس افتراق کے زمانہ میں اُس نے حتیٰ الامکان یہی کوشش کی کہ جہاں تک ہو سکے اُن غمناک واقعات کی تشہیر نہ ہو اور مشن کا یہ اندرونی نزاع منظرِ عام پر نہ آئے۔ لیکن اُس کے دُشمنوں نے اُس کی اس مخلصانہ کوشش کا یہ ناجائز فائدہ اُٹھایا کہ اُس کے خطوط میں سے چھانٹ چھانٹ کر ایسے جُملے اور فقرے لوگوں کو دکھائے اور اُس کے خلاف استعمال کرنے شروع کر دیئے جو اصل عبارت میں کچھ اور ہی معانی رکھتے تھے لیکن وُہ عبارت سے علیحدہ ہو کر قابلِ اعتراض معلوم ہوتے تھے۔ اس طرح ڈاکٹر کیری مجبور ہو گیا کہ وُہ سنہ ۱۸۲۹ء میں اپنے تمام خطوط شائع کرے۔ ان خطوط کے شائع ہو جانے کے بعد سنہ ۱۸۳۰ء میں اُس نے اپنے قلم سے ان باتوں پر اپنی صفائی میں ایک طویل تبصرہ شائع کیا۔

اُسی سال یعنی سنہ ۱۸۳۰ء میں ——— اس جھگڑے کا فیصلہ بالآخر اس طرح ہُوا کہ اُنہوں نے سیرامپور کی تمام جائداد جو اُن کی اپنی ملکیت تھی گیارہ "ٹرسٹیوں" کے حوالے کر دی لیکن اس انتقالِ جائداد کی دستاویز میں یہ شرط رکھ دی کہ کیری۔ مارشمین اور وارڈ تادمِ زیست اس میں سکونت رکھیں گے اور ان کے

بعد پروفیسر میک (PROF. MACK) اور پروفیسر سوان (PROF. SWAN) کو بھی تین۳ سال تک بے دخل نہ کیا جائے گا۔ لیکن اس تین۳ سال کے عرصہ تک ہر دو پروفیسران جائداد کا کرایہ ادا کریں گے۔ کاش کہ اس سے بہت عرصہ پہلے ہی اس معاملہ کا تصفیہ ہو جاتا!!!

اس ملال انگیز باب کے آخر میں محض اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ ڈاکٹر کیری۔ مارشمین اور وارڈ کی وفات کے بعد جب مشن کی مالی حالت خراب ہو گئی تو جس کمیٹی نے اتنا عرصہ اس جائداد پر جھگڑا کیا تھا اُسی کمیٹی نے اس جائداد کو فروخت کرنے کا منصوبہ باندھا اور نیلام کرنے کی کوشش کی۔ لیکن مارشمین کے فرزند جان سی۔ مارشمین سی۔ آئی۔ ای نے اس جائداد کو کھلے بازار میں خرید کر دوبارہ اُسی کمیٹی کو عطا کر دیا جس نے اُس کے والد پر غبن تک کا الزام لگانے کی کوشش کی تھی۔ نیک باپ کی اولاد بھی نیک ہی نکلی۔

چوبیسواں باب
کیری کی وفات

اس باب میں ہم بزرگ ڈاکٹر ولیم کیری کی زندگی کے آخری پانچ سال کا تذکرہ کریں گے جن کے متعلق ڈاکٹر جارج سمتھ (DR. GEORGE SMITH) صاحب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "ولیم کیری کی زندگی کے آخری چند سال ہی بہترین سال تھے کیونکہ وُہ یہی زمانہ تھا جس میں اُس کو سب سے بڑی آزمائشوں کا مقابلہ کرنا پڑا اور ان تمام مصائب میں وُہ کامیاب ہوکر ابدی آرام میں سو گیا۔

ہم نے دیکھا ہے کہ ہیکلٹن (HACKLETON) اور مولٹن (MOULTON) مقامات پر مفلسی اور ناداری نے اُس کو محتاج کر دیا اور کلکتہ اور سندربن میں سخت مصائب و آلام نے اُس کے ایمان کی آزمائش کی۔ دیناج پور کی دلدلوں میں اُسے بخار نے ستایا اور سیرامپور میں حکام بالا کے مظالم اُس نے برداشت کئے۔ سولہ سال تک متواتر دوست نما دشمنوں نے اُس کی زندگی دوبھر کر دی۔ لیکن ان تمام مصیبتوں میں اُس کو اس قدر آزمائش کا مقابلہ نہیں کرنا پڑا جس قدر کہ اُس زمانہ میں ہُوا جس کا ذکر ہم اس باب میں کیا چاہتے ہیں یکے بعد دیگرے اُس پر آفتیں آئیں مگر وُہ اُن مصیبتوں اور دُکھوں کی آگ میں سے اس طرح نکلا جس طرح سونا سُنار کی بھٹی میں تپنے کے بعد کُندن کی طرح دمکتا ہُوا نکلتا ہے۔

شہر کلکتہ اپنے موسم کے تلوّن کی وجہ سے بہت مشہور ہے چمکتی دُھوپ کے وقت آسمان پر یکایک گہری گھٹاؤں کا چھا جانا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔ مگر کلکتہ کو اس سے پیشتر کبھی اس خوفناک گھٹا سے سابقہ نہیں پڑا تھا جو جنوری سن ۱۸۳۰ء میں تجارتی حلقوں پر چھا گئی جب کہ پامر اینڈ کمپنی (PALMER AND CO.) کا مشہور بنک فیل ہوگیا اور ہزاروں متموّل سوداگروں کا لاکھوں

روپیہ آناً فاناً ڈوب گیا۔ پامر اینڈ کمپنی کی ساکھ اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی (EAST INDIA CO.) کی ساکھ سے کچھ کم نہ تھی لہٰذا پامر اینڈ کمپنی کا دیوالہ نکل جانے کا اثر یہ ہوا کہ لاکھوں بچے کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گئے۔ ان میں سے بہت سے بچے ایسے بھی تھے جو سیرامپور کے مدرسوں میں زیرِ تعلیم تھے۔ کیری اور مارشمین (MARSHMAN) اس بنک کے فیل ہو جانے سے سخت متفکر ہوئے کیونکہ اُن کے طالب علموں کی تعلیم کا خرچ اس روپیہ سے آتا تھا جو طلبا کے بزرگوں نے اس بنک میں جمع کیا ہوا تھا۔ چاروناچار ان بچوں کی کفالت کیری اور مارشمین نے اپنے ذمہ لی۔

کچھ عرصہ بیشتر سے سرکارِ ہند برما سے جنگ آزما تھی اور اس جنگ کا اثر سرکاری خزانہ پر بہت کافی پڑچکا تھا۔ اس لئے سرکار ہر طرف تخفیف کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ چنانچہ تخفیف کا کلہاڑا فورٹ ولیم کالج (FORT WILLIAM COLLEGE) پر بھی پڑا۔ کالج کو بجائے ایک تعلیمی درسگاہ کے اُسے محض امتحان لینے اور ڈگریاں دینے کے ادارہ میں منتقل کر دیا گیا۔ لہٰذا تمام پروفیسر صاحبان برطرف کر دیئے گئے جن میں کیری بھی تھا۔ مگر کیری ہی ان تمام پروفیسروں میں سے اکیلا شخص تھا جس نے کالج کے قیام سے اختتام تک اس کی خدمت کی تھی لہٰذا ان خدمات کے صلہ میں صرف اسی کو سرکار نے نصف تنخواہ بطور پنشن دینی منظور کی۔ مگر جہاں تک پنشن کے خزانہ کا تعلق تھا کیری کی آمدنی میں پانچسو روپے ماہوار کی کمی واقع ہو گئی۔ پھر اسی سال سرکاری مترجم کی آسامی بھی تخفیف کی زد میں آ گئی جس سے کیری کو مزید تین سو روپے ماہوار کا خسارہ اُٹھانا پڑا۔

رابنسن (ROBINSON) نے بتایا ہے کہ اس زمانہ میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کیری اور مارشمین "آنسو بنکر بہ جائیں گے"۔ دُعا میں ان دونوں کے استغراق کا یہ عالم ہوتا تھا کہ ان کو اپنا ہوش نہیں رہتا تھا۔ خدا پاک کے حضور ان بزرگوں کا یہ عرض کرنا کہ "تو بڑھاپے میں ہمیں چھوڑ نہ دینا" عجیب کیف انگیز ہوتا تھا۔

کیری نے اپنی پریشانی کا ذکر کرتے ہوئے کرسٹوفر اینڈرسن (CHRISTOPHER ANDERSON) کو ایک خط کے مضمون میں لکھا ہے :-

"مجھے اپنی تنخواہ میں تخفیف ہو جانے کی وجہ سے پہلے پہل قدرے پریشانی ہوئی اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ مجھے اندیشہ تھا کہ اس تخفیف کی وجہ سے میں مشن کے کام میں مالی امداد اس حد تک نہ دے سکوں گا۔ لیکن اب میں منشائے الٰہی کا معترف ہو گیا ہوں اور میں نے اُس سے منت کی ہے کہ مجھے اپنی مرضی کے تابع کرے۔ ہم اپنے تبلیغی مرکزوں کو بند نہیں کر سکتے، لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ ہم ان کو کس طرح جاری رکھ سکتے ہیں۔ مشیّتِ خداوندی ضرور ہمارے ساتھ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ہم اس پر بھروسہ رکھنا سیکھیں۔

مارشمین کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ کیری کو اپنی پنشن میں سے اپنی ہمشیرہ میری (MARY) کی امداد، اپنی مرحومہ بیوی کی ایک بہن کی امداد جو فرانس (FRANCE) میں تھیں اور ایک ایسے یتیم بچہ کے تعلیمی اخراجات کی کفالت کرنی پڑتی تھی جس کو اُس نے تعلیم حاصل کرنے کے لئے ولایت بھیج رکھا تھا۔ اس کے علاوہ اُس کے اپنے خاندان میں بھی پانچ نفوس تھے۔ پھر اُس کے باغ کا خرچ بھی کچھ کم نہ تھا ان سب کے بعد کیری کو اپنی جسمانی کمزوری اور ضعیفی کی وجہ سے ایک ڈولی بھی رکھنی پڑتی تھی جس کے لئے کہاروں کا ہونا لازمی تھا۔ مارشمین کہتا ہے "جب تک میں زندہ ہوں کیری کو ڈولی علیحدہ نہیں کرنے دوں گا کیونکہ یہ اُس کی صحت کے لئے اشد ضروری ہے۔" اس کے بعد آپ مارشمین کے چند الفاظ ملاحظہ فرمائیے:۔

"شاید آپ یہ دریافت کریں گے کہ ہم کس طرح کام کو جاری رکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میرا جواب ہے کہ "خدا کی مدد سے" اب یہ مدد انگلستان سے آئے گی یا ہندوستان سے، اس امر کا فیصلہ خدا ہی کے سپرد ہے۔"

جولائی میں پروفیسر میک (PROF. MACK) نے اپنے ایک دوست کو ذیل کے الفاظ تحریر کئے تھے:۔

"کیری کے پاس مشن کی امداد کرنے کو ایک پیسہ بھی نہیں رہا حالانکہ مشن کے تبلیغی

ل کیری اپنی تنخواہ سے چھ سَو روپے مشن کو دیتا تھا۔

ل گذشتہ سال میں اُنھوں نے گیارہ کارندوں کا اضافہ کیا تھا۔

مراکز اس کو اپنی جان سے زیادہ عزیز نہیں"

کھاسی کی پہاڑیوں میں جو مرکز کھولا گیا تھا اس کا تمام خرچ اُس نے شروع ہی سے خود برداشت کیا تھا۔ اس لئے اُنھوں نے ان الفاظ میں امداد کی درخواست بھیجی۔

"چند ہی سال کا ذکر ہے کہ پروٹسٹنٹ (PROTESTANT) کلیسیا میں مشن کی تحریک جاری ہوئی تھی۔ اس وقت سے اب تک اس کام کے لئے آمدنی بڑھتے بڑھتے اب چار لاکھ پونڈ سالانہ ہو گئی ہے جس کی کبھی توقع بھی نہ تھی۔ کیا یہ ناواجب ہے کہ اس کثیر رقم کا ایک حقیر جُز ہی اُس شخص کو سونپ دیا جائے جس نے اس تحریک کو پیدا کیا تھا؟ ہم جانتے ہیں کہ خُدا ہماری توقعات سے زیادہ ہماری امداد کر سکتا ہے، اور ہمیں یقین ہے کہ وہ ضرور ہماری امداد کرے گا، بلکہ ہم ایسا محسوس کرتے ہیں گویا یہ امداد ہم کو مل گئی ہے"

یہ اپیل دسمبر میں انگلستان پہنچی اور سیکرٹری اینڈرسن اور خزانچی ہوپ (HOPE) نے فوراً اس کو شائع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی ان عہدیداروں نے ایک بیان بھی شامل کر دیا تھا کہ انگلستان کی کلیسیائیں اعانت کریں تاکہ "بزرگوں کو اُن کی شامِ زندگی میں مسرت حاصل ہو، نوجوانوں کو تقویت پہنچے، ہندوستانی مشنریوں کے درمیان خدمت کا شوق افزوں ہو اور یہ صدمہ آتش زدگی کے حادثہ کی طرح انجیل کی اشاعت کا موجب ٹھہرے"

ان التجاؤں اور درخواستوں کا نتیجہ یہ ہُوا کہ فوراً ایک ہزار پونڈ کی گراں قدر رقم جمع ہو گئی جس کو عہدیداران نے جہاز "ارورا" (AURORA) کے ذریعہ روانہ کر دیا۔ جس وقت یہ جہاز سیرامپور پہنچا اُس وقت مشنریوں کی یہ حالت تھی کہ جو کچھ تھوڑا بہت بنک سے بچ گیا تھا وہ بھی ختم ہو چکا تھا اور کارپردازوں کو دو ماہ سے تنخواہیں نہیں ملی تھیں۔ ۱۷ مئی کو کیری نے اینڈرسن کو یہ خط لکھا:-

"چار دن ہوئے کہ آپ کا مسرت انگیز خط ملا۔ مَیں اُسی دن ایک ماہ کے بُخار کے بعد بسترِ علالت سے اُٹھا تھا۔ اس خط کے ذریعہ مجھے بہت تقویت حاصل ہوئی۔ خُداوند کی ثنا ہو کہ اُس نے اپنے فضل و کرم سے ہماری دقتیں رفع کر دیں، جن کے بوجھ سے شاید ہم بالکل دب جاتے۔ ہم اپنے تبلیغی مراکز سے دلی محبت

رکھتے ہیں۔ وہاں کام کرنے والے ہمارے بھائی راست باز آدمی ہیں اور ہر مرکز پر حتیّ الامکان کم سے کم روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ اِس لئے ہم ان میں سے کسی مرکز کو بند نہیں کر سکتے۔"

تیسرے دن کیری خزانچی ہوپ کو گیارہ ہزار چار سَو روپے اور پانچویں دن گیارہ ہزار سات سَو روپے کی رسیدیں بھیجتا ہے اور ساتھ ہی یہ خط بھی لکھتا ہے:-

"ہم خُداوند کا شکریہ کس طرح ادا کریں۔ اُس نے ہماری مُصیبت کے وقت اپنے بندوں کے درمیان یہ تحریک پیدا کی کہ اُس کے کام کی خاطر اپنے مال میں سے دریا دِلی کے ساتھ عطیّات دیں۔ میرا دل اُن کی طرف ہے لیکن میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ میں خُدا کی خدمت کرنے کے لئے اپنے تئیں دوبارہ وقف کر دُوں۔ خُدا نے ہماری خاطر دراصل مُعجزات کئے ہیں۔"

اور جبیض (JABEZ) کو ڈاکٹر کیری ایک خط میں لکھتا ہے:-

جہاں تک رسد کا تعلّق ہے میں اکثر پریشانی میں مُبتلا ہو جاتا ہُوں اور خوف و ہراس مجھ پر غلبہ پا لیتے ہیں لیکن خُداوند ہمیشہ ۔۔۔۔ اُونچی سے اُونچی توقّعات سے بھی زیادہ ہماری امداد کرتا ہے۔"

۳۰-۱۸۲۱ء کے ان حادثات سے سیرامپور مشن کو جو نقصان ہُوا تھا اُس کے علاوہ کلکتہ کے کارندوں کو چند اور مصائب کا سامنا کرنا باقی تھا۔ ۱۲ دسمبر ۱۸۳۲ء کو الیگزینڈر اینڈ کمپنی (ALEXANDER AND Co.) کا دیوالہ نِکل گیا اور پھر ۵ جنوری ۱۸۳۳ء کو میکنٹوش اینڈ کمپنی (MAKINTOSH AND CO.) بھی فیل ہو گئی۔ ان دونوں بنکوں کے فیل ہو جانے سے کلکتہ جسے "محلّات کا شہر" کہا جاتا ہے گویا ویران ہو گیا۔ جان سی۔ مارشمین (JOHN C. MARSHMAN) اس ضمن میں لکھتے ہیں:-

"الیگزینڈر کے فیل ہو جانے کی وجہ سے ڈاکٹر کیری کی ایک ایک کوڑی ختم ہو گئی۔ پھر میکنٹوش کا دیوالہ نکلنے سے مسز کیری کی تین ہزار (۳۰۰۰) پونڈ کی رقم ڈوب گئی۔ ان دونوں کو بڑا صدمہ ہے۔ میرے والد کی جو رقم جمع تھی وہ بھی تمام جاتی رہی۔ اُنہوں نے تینتیس (۳۳) سال محنت کی اور اس عرصہ میں اپنی آمدنی کا

دسواں حصّہ اپنی ضعیفی کے لئے علیحدہ کیا تھا۔ یہ سب جاتا رہا اور
اب ان کے پاس اپنے رہائشی مکان اور پارک پور میں دو مکانات کے
سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ فرنینڈیز (FERNANDEZ) نے دیناج پور
کے کام کے لئے اپنی جائداد (تقریباً ایک ہزار چھ سو پونڈ) وقف کر
دی تھی، یہ بھی جاتی رہی۔ جیسور کے مدرسوں کا فنڈ تقریباً سات سو بیس
پونڈ بھی ختم ہُوا۔ دہلی کے مدرسہ کے آٹھ سو پونڈ بھی ڈوب گئے، بلکہ
یُوں کہنا چاہیئے کہ سب ہی کچھ جاتا رہا۔"

جبیبض ایک اور خط میں لکھتا ہے:-

"اب کیا کرنا چاہیئے؟ کیا دو بنکوں کے فیل ہو جانے سے ہندوستان
میں تبلیغ بند ہو سکتی ہے؟ نہیں! . . . . ہمارا فرض ہے
کہ ہم آگے بڑھیں اور اُس خُدا پر بھروسہ رکھیں جو سب بھیدوں سے
واقف ہے اور جس کے علم میں یہ حادثات ظہور میں آنے سے پیشتر ہی
موجود تھے۔ ہم کو چاہیئے کہ شمعِ محبّت کو دوبارہ روشن کریں۔ ایمان کے
شُعلہ کو پھر جگا دیں اور لگاتار کوشش میں محو رہیں۔ مشن کی شاخوں کا
کام کس طرح جاری رکھا جا سکتا ہے؟ میرے پاس اس کا کوئی جواب
نہیں۔ بحیثیّت ایک مشنری کمیٹی کے ہمارے پاس ایک کوڑی بھی نہیں
ہے، اور نہ ہی ہماری ذاتی ملکیّت باقی رہی ہے تاہم ہم ہراساں نہ ہونگے۔"

پروفیسر میکٹ لکھتے ہیں:-

"ہر طرف حسرت و یاس چھائی ہُوئی ہے۔ میکنٹوش اینڈ کمپنی ہمارے بینکر
تھے۔ جب تک کہ انگلستان سے روپیہ نہیں آتا تب تک ہم کو کہیں سے بھی
رقم نہیں مل سکتی کہ بھائیوں کی تنخواہیں ادا کر دیں۔ مَیں نہیں جانتا کہ اب
ہم کیا کریں گے لیکن مجھے اس کا کامل یقین ہے کہ خدا ہماری تمام ضرُوریات
پُوری کرے گا۔ اُس کی امداد کی صُورت کیا ہوگی یہ بھی معلوم نہیں۔ اُس
نے اس سے پہلے کس قدر شاندار طریقے سے ہماری امداد کی ہے! اگر اس
وقت ہم اُس پر بھروسہ نہ رکھیں تو ہمارے حال پر افسوس ہے۔"

نوجوان جان لیچ مین (JOHN LEECHMAN) حال ہی میں گلاسگو (GLASGOW) سے آئے تھے۔ اُنہوں نے مندرجہ ذیل خط لکھا:-

"سخت اندیشہ تھا کہ کہیں ہم کو مشن کی چند شاخیں بند نہ کرنی پڑیں۔ اگر ایسی نوبت آ گئی تو جلد ہی ہم کو بزرگ ڈاکٹر گیری صاحب کو بھی قبر میں اُتارنا پڑے گا۔"

بزرگ ڈاکٹر گیری کے ایک قدیم طالب علم گیرٹ (GARRET) صاحب باقر گنج میں جج تھے۔ دوستوں اور دُشمنوں کے طعن و تشنیع کے باوجود اُنہوں نے ڈاکٹر گیری کے ہاتھوں غوطہ کا بپتسمہ لیا تھا۔ یہ مشنریوں کے آڑے وقت میں کام آئے اور اُنہوں نے اپنی ضمانت پر بنک سے قرض دلوا دیا۔ اس کے علاوہ مشنریوں نے مختلف شاخوں سے دریافت کیا کہ آیا وُہ بھی اپنے اخراجات میں کچھ تخفیف کر سکتے ہیں؟ ان کو یہ اُمید تھی کہ کچھ تخفیف کے ذریعہ اور کچھ قرض کی رقم سے سر دست کام چل جائے گا اور پھر انگلستان سے روپیہ آ جانے پر سب کام دُرست ہو جائے گا۔ لیکن افسوس! اُن کے خط ابھی ولایت پہنچے بھی نہ تھے کہ کالون اینڈ کمپنی (COLVIN AND CO) کا بھی دیوالہ نکل گیا!!!! اس پر مارشمین نے لکھا کہ:-

"ہم نہیں کہہ سکتے کہ روپیہ کے بغیر کس طرح کام چل سکتا ہے۔ لیکن خُدا جو کل اور آج اور اَبد تک یکساں ہے وُہ جانتا ہے کہ اُس کی کیا مرضی ہے۔ ہم اپنی طرف سے حتّی المقدُور کوشش کرتے ہُوئے اُس کی مرضی کے مُنتظر ہیں۔ اس بنک کے فیل ہو جانے سے ہمارے بورڈنگ کے اکثر بچّے مُحتاج ہو گئے ہیں۔"

لیکن اس سے پہلے کہ وُہ درخواست کریں خُدا نے اُن کو جواب بھی دے دیا تھا۔ تین۳ خطوط میں پانچ پانچ سَو پونڈ کے تین۳ چیک اُن کے نام پر ولایت سے روانہ ہو چکے تھے!!! اگر یہ عطیات چند دن پیشتر آتے تو یہ بھی بنک کے ساتھ ڈوب جاتے!!! ادھر مشن کی شاخوں سے بھی خاطر خواہ جوابات موصُول ہُوئے۔ ہر شخص نے برضا و رغبت خُود اپنی تنخواہ میں تخفیف منظُور کر لی۔ کسی نے پانچ روپے۔ کسی نے بیس۲۰ یا تیس۳۰ یا چالیس۴۰ یا سَو روپے ماہوار دینے کا وعدہ کیا۔ ایک

شخص نے اپنی تنخواہ کا پانچواں حصّہ اور ایک نے کُل تنخواہ دے دی!!! سیرامپور کو ایسے کارندوں پر ناز تھا اور واقعی وُہ قابلِ فخر بھی تھے۔ مئی ۱۸۳۲ء میں بزرگ ڈاکٹر کیری نے کرسٹو فر اینڈرسن کو یہ الفاظ قلمبند کئے:-

"مشن کی شاخوں سے بھائیوں کے جو جواب آتے ہیں اُن میں انجیلی کلیسیا کی رُوح پائی جاتی ہے .... ہمارے نقصان کے ایک قلیل حصّہ کی ہی تلافی ہو سکے گی لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ تمام مایُوس کُن واقعات اُس کی مشیّت سے ہیں جو کُل کائنات کا مالک ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میں ''خاموش رہوں اور جانوں کہ وُہ خُدا ہے'' آپ براہِ مہربانی دُعا کیجئے کہ میں اُس سے اور بھی زیادہ تقویت حاصل کروں اور اپنی خدمت کو اُس اُمید کے ساتھ ادا کرتا رہوں کہ وُہ اپنے وعدوں کو ضرور پُورا کرے گا۔"

جس ماہ ڈاکٹر کیری نے مندرجہ بالا خط لکھا اُس ماہ موسم کی خرابی کا یہ عالم تھا کہ "زمین لوہا اور آسمان پیتل کی مانند ہو گئے تھے۔ اوّل تو بارش ہوتی ہی نہیں تھی اور اگر کہیں کچھ برستا تھا تو بارُود کی طرح آسمان سے گرد و غبار کی بارش ہوتی تھی۔" بنگال کے لئے یہ موسم ایک عجُوبہ تھا اور پھر اس پر طُرفہ یہ کہ اس جلتی گرمی کے بعد ایک ایسا طُوفان آیا جس میں دریا کے بڑے بڑے جہاز اور چھوٹی چھوٹی کشتیاں یا تو غرقاب ہُوئیں یا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر برباد ہو گئیں۔ دریا کے کناروں پر انسانوں اور حیوانوں کی لاشیں اور شکستہ جہازوں کے تختے بکھرے پڑے تھے۔ اس پر قحط اور پھر پینے کے پانی کی قلّت، انسان سخت تکلیف میں مُبتلا تھے۔ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ کتنی جانیں تلف ہُوئیں۔" سیرامپور بھی اس طُوفان سے محفوظ نہ رہ سکا۔ بیس سال کی مسلسل محنت اور جانفشانی سے کیری نے ہزاروں قسم کے پھُول۔ پودے۔ جڑی بُوٹیاں وغیرہ جمع کی تھیں۔ اُن کی کیاریوں پر بڑے بڑے مہاگنی کے درخت گر پڑے اور اس طرح آندھی کے ایک ہی جھٹکے میں اُس کا عزیز ترین سامان برباد ہو گیا۔ ایک طرف اگر بڑے بڑے بنک فیل ہو گئے تو دُوسری طرف طُوفان نے اپنی تباہ کاریوں کا کھیل شروع کر دیا۔

---

[1] ملاحظہ کیجئے زبُور ۴۶ آیت ۱۰۔

پھر ایک مُصیبت اور بھی آئی۔ بائبل سوسائٹی (BIBLE SOCIETY) نے ڈاکٹر کیری کے بائبل تراجم کی طباعت کے لئے مالی امداد بند کر دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ڈاکٹر کیری نے اپنے تمام ترجموں میں یونانی لفظ βαπτίζω (بپتیزو) کا بھی صحیح ترجمہ کیا تھا اور دیگر مترجموں کی طرح اُس کو جُوں کا تُوں نہیں چھوڑا تھا۔ یہ امر غیر بپٹسٹ چندہ دہندگان کو ناپسندیدہ تھا لہٰذا اُنھوں نے امداد بند کروا دی۔ یہ امداد بہت بڑی رقم نہ تھی تاہم ایک ایسے وقت پر جبکہ بنکوں کے فیل ہو جانے کی وجہ سے وُہ تقریباً کوڑی کوڑی کو مُحتاج ہو رہے تھے اُن کے لئے قلیل سے قلیل امداد بھی غنیمت تھی۔ مگر بزرگ کیری نے اس مُصیبت کے باوجود انتہائی جُرأت سے کام لیا۔ اُس نے مالی امداد حاصل کرنے کی نیّت سے اپنے اصُول کو ترک کرنا گوارا نہ کیا بلکہ اپنے طریقہ کار پر کاربند رہا۔

جیسے ہی سیکرٹری اینڈرسن اور خزانچی ہوپ کو سیرامپور کی مالی مُشکلات کی خبر ہوئی اُنھوں نے ہر خاص و عام میں اُن کا چرچا کیا حالانکہ اُن کی گذشتہ اپیل کو تھوڑا ہی عرصہ ہُوا تھا لیکن اُنھوں نے اور بھی زیادہ جوش اور ایمان کے ساتھ مندرجۂ ذیل اپیل شائع کی :-

"ہم اُن کی کاوشوں میں اُنہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔ اُن کی کسی شاخ پر ضرب نہیں آنی چاہیئے۔ اُن کی ننھّی ننھّی کلیسیاؤں میں ایک بھی بے یار و مددگار نہ چھوڑی جائے گی۔ خُدا کی مدد سے اُن کی حاجت روائی ضرور ہوگی۔ علاوہ بریں اضلاع سے جو صدائیں بلند ہو رہی ہیں ہم کو اُن کی طرف بھی توجّہ کرنی پڑیگی۔ ہم قطعی شک نہیں کرتے کہ مشن کا یہ خسارہ پُورا نہ ہوگا۔ اور ہمیں اُمید ہے کہ جس طرح پہلے ہُوا تھا اُسی طرح اس مرتبہ بھی جلد ہی اُن کے نقصان کی تلافی ہو جائے گی، اگرچہ اب زمانہ پہلے جیسا نہیں رہا۔ بہر حال کُچھ بھی ہو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کلکتّہ کے چند بنک کتابِ مُقدّس کی اشاعت کو نہیں روک سکتے۔ یہ کارِ عظیم اُس کا ہے جو دُنیا کے کُل سونے اور چاندی کا مالک ہے۔ مسیحیّت کے دوست جلد ہی اس حقیقت کو ثابت بھی کر دکھائیں گے۔"

بھلا ایسی اُمیدوں سے بھری ہُوئی اپیل کی شنوائی کیونکر نہ ہوتی؟ اور پھر

جب مشن کی شاخوں کے جوابات بھی شائع کر دیئے گئے تو لوگوں کے دل اور بھی زیادہ بھر آئے۔ فوراً عطیات آنے شروع ہو گئے اور "حمد و شکر گزاری کے جذبات مشن کیلئے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گئے"۔ ستمبر ۱۸۳۴ء میں پروفیسر میک نے ذیل کا خط لکھا:۔

"اب ہم نے پہلی تنخواہیں دوبارہ دینی شروع کر دی ہیں۔ خدا نے ہماری تمام ضروریات پوری کر دی ہیں۔ آج انگلستان سے پانچسو ۵۰۰ پونڈ کی چوتھی قسط ملی اور مزید رقوم ملنے کی اُمید ہے۔ اب ہم کو روپے کی کوئی کمی نہیں رہی۔ اگر اب ضرورت ہے تو خدا کے روح کی ہے تاکہ لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے کام میں ہم تندہی سے محنت کریں۔ میرے عزیز دوستو! میرے ساتھ مل کر اُس کی رحمت اور برکت کے لئے دستِ بدعا ہو جاؤ!"

پروفیسر میک پھر لکھتے ہیں :۔

"اینڈرسن۔ گبس (GIBBS)۔ ہوپ اور بارکلے (BARCLEY) سے ہم کو نہایت اُمید افزا خطوط ملے۔ یہ سب لوگ امداد، ہمدردی، اور اُلفت و محبت کے وعدوں کی تجدید کرتے ہیں۔ ایک خاتون نے پانچسو پونڈ کالج کو اور پانچسو پونڈ کھاسی اقوام میں تبلیغ کے واسطے دیئے ہیں۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کے بندے اس طرح ہمدردی کرتے ہیں اور اُن کے دل اس قدر خدا کی مرضی سے وابستہ ہیں تو ہم خدا پر کیوں نہ بھروسہ رکھیں خواہ ہم کو دوبارہ ایسے ہی مصائب سے واسطہ پڑے لیکن اُس کے فضل پر بھروسہ کرنے کا سبق سیکھنے کے لئے ہم کو یہ بھی منظور ہے"۔

اس عرصہ میں بزرگ ڈاکٹر کیری کی کیا حالت تھی؟ اس سوال کا حل تلاش کرنے کے لئے ہم کو تین ۳ سال قبل کے زمانے کی طرف جانا پڑے گا۔ تین ۳ سال انگلستان میں قیام کے بعد مارشمین ۱۸۲۹ء میں ہندوستان واپس آئے تھے۔ اس سے کچھ عرصہ پیشتر ہی کیری کو سخت مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اگر اس مشکل زمانہ میں اُس کی صحت قطعی جواب دے دیتی تو کوئی تعجب نہ تھا۔ لیکن مارشمین کی تحریر کے بموجب واقعات اس کے بالکل برعکس تھے۔ مارشمین لکھتا ہے:۔

"حالانکہ وُہ ستّر سال کے ہونے والے ہیں لیکن تمام دن خوش و خرّم نظر آتے ہیں۔ وُہ روز صبح چار پانچ میل سیر کرنے جاتے ہیں اور طلُوع آفتاب سے پہلے واپس بھی آجاتے ہیں۔ روزمرّہ اپنے ترجمہ کے کام میں مصرُوف رہتے ہیں۔ کالج میں علمِ الٰہی پر دو لیکچر اور مطالعہ قُدرت پر ایک لیکچر دیتے ہیں اور بنگالی اور انگریزی عبادتوں میں وعظ بھی کرتے ہیں۔ انگلستان میں ستّر سال کے بُوڑھوں میں مجھے ایک بھی ایسا نہ ملا جو اُن کے برابر چُست اور بڑھاپے کی کمزوریوں سے بری ہو"۔

مگر اس کے باوجُود گذشتہ تین ۳ سال میں بخار نے ڈاکٹر کیری کو بہت ستایا تھا اور دو ۲ مرتبہ فالج کی بھی شکایت ہُوئی تھی۔ لیکن ہر بیماری سے وُہ حیرت انگیز طریق سے بچ کر نکلا اور جلد ہی دوبارہ کام میں مصرُوف ہو گیا۔ فروری ۱۸۳۲ء میں جان مارشمین نے لکھا ہے کہ:-

"اگر ڈاکٹر کیری کی عُمر ستّر سال سے زیادہ نہ ہوتی تو مجھے یہ کہنے میں کوئی پس و پیش نہ تھا کہ وُہ بالکل تندرُست ہیں۔ اُن کی جسمانی صحت کی وجہ سے اُن کے اندرُونی جوش پھر آگیا ہے اور لیڈی ہیسٹنگز (LADY HASTINGS) کا کہنا دُرست ہے کہ وُہ ایک "مسرُور بزرگ" (CHEERFUL OLDMAN) ہیں"۔

لیکن اندرُونی حالات کا اندازہ خُود ڈاکٹر کیری ہی لگا سکتا تھا اور اُس نے اُسی سال ستمبر میں جیبیض کو خط لکھتے وقت اپنی صحت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

"میری صحت بہت گر گئی ہے۔ اس کے اثرات میرے چہرہ پر تو ظاہر نہیں ہوتے، لیکن بدن کے ہر عُضو میں کمزوری رہتی ہے۔ اور مجھے ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ میرا لباس گویا تھیلوں کی طرح میرے بدن کے گرد لٹکا ہُوا ہے"۔

مگر اس اندرُونی کمزوری کے باوجُود وُہ نہایت خُوش و خرّم تھا کیونکہ خُود اُسی کے کہنے کے مطابق اُس کی "تمام مُرادیں پُوری ہو چُکی تھیں"۔ مثلاً ترجمہ کے کام ہی کو لیجئے۔ اُس کے اپنے قلم سے چھ ۶ زبانوں میں بائبل کا مکمّل ترجمہ ہو چُکا تھا یعنی بنگالی اُوڑیہ۔ ہندی۔ مرہٹی۔ سنسکرت اور آسامی۔ مکمّل نیا عہدنامہ اور پُرانے عہدنامہ

کے چند حصص پنجابی - پشتو - کشمیری - تلگو اور کونکانی زبانوں میں ہو گئے تھے۔ ان کے علاوہ اٹھارہ دیگر زبانوں میں نیا عہد نامہ اور پانچ زبانوں میں اناجیل کا ترجمہ شائع ہو چکا تھا۔ جون ۱۸۳۲ء میں اُس نے اپنی بہن کو یہ الفاظ تحریر کئے۔

"خُدا نے اپنی بڑی مہربانی سے مجھے توفیق بخشی ہے کہ بنگالی بائبل کا آخری ایڈیشن چھپوا کر شائع کروں۔ مَیں نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ یہ ترجمہ صحیح ہو جائے۔"

اور ڈاکٹر ہاولز (DR. HOWELLS) صاحب نے کہا ہے کہ "اکثر علما کا خیال ہے کہ طرزِ بیان کی خوبی اور محاورات کی صحت کے اعتبار سے کیری کے اس آخری ترجمہ سے کوئی اور سبقت نہیں لے جا سکا۔" یاد رہے کہ یہ پُرانے عہد نامہ کا پانچواں اَور نئے عہد نامہ کا آٹھواں ایڈیشن تھا۔ اس ایڈیشن کے تیار ہونے کے بعد ہی اس نے پروفیسر ہیک کی رسمِ مخصُوصیت ادا کی۔ اس عبادت میں وُہ اپنے ہمراہ اس آخری ایڈیشن کی پہلی جلد لے گیا اور پلپٹ (PULPIT) سے سامعین کو یہ جلد دکھا کر مُقدس شمعُون کے یہ الفاظ دُہرائے:-

"اَے مالک اب تُو .... اپنے غلام کو سلامتی سے رُخصت دیتا ہے کیونکہ میری آنکھوں نے نجات دیکھ لی ہے۔"

لیکن اس کے علاوہ اُس کی شامِ زندگی میں اُس کو مسرُور و مطمئن کرنے والے اور بھی بہت سے واقعات تھے جن کی یاد اُس کے دل کو خوش اور شادمان کیا کرتی تھی۔ مثلاً سیرامپور کالج کو شامل کر کے مشن کے کُل اُنیس ۱۹ مرکز قائم ہو چکے تھے جن میں خُدا کی برکتوں کا ظہور ہوتا تھا۔ لارڈ ولیم بینٹنک (LORD WILLIAM BENTICK) نے اپنے عہد کو ستی کی رسم ممنُوع قرار دے کر شرُوع کیا تھا اور اب کیری کے طالب علموں کی صلاح اور امداد سے وُہ اُن اصلاحات کو نافذ کرنے میں مشغُول تھے جن کے لئے کیری نے عُمر بھر کوشش اور دُعا کی تھی۔ عدالتوں میں ہندوستانی جج مقرّر ہونے شرُوع ہو گئے تھے۔ سول سروس (CIVIL SERVICE) کے دروازے برطانیہ کی تمام رعایا کے لئے کھول دیئے گئے تھے۔ ہندوستانی مسیحیوں کو یہ حق دے دیا گیا تھا کہ اگر وُہ کلیسیائی خدمت نہ کرنا چاہیں

تو عدالتی عہدوں پر مامور کئے جا سکتے تھے۔ ہندوؤں کے مذہبی قانون کو ریگولیٹنگ ایکٹ (REGULATING ACT) نے ایک ایسی صورت میں تسلیم کیا تھا کہ ہندو لوگ اپنی مرضی سے مسیحی ہونے والے لوگوں کو جائداد کے حق سے محروم کر سکتے تھے۔ اس کی بھی مناسب ترمیم ہو چکی تھی (حالانکہ یہ اصلاح کیری کے بعد ڈف (DUFF) نے مارکوئیس ڈلہوزی (MARQUIS DALHOUSIE) کے عہد میں مکمل کروائی) چارلس گرانٹ (CHARLES GRANT) کے فرزندوں نے جو قوانین اور احکام جاری کئے تھے اُن کے ذریعہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ہندوؤں کے منادر اور تیرتھوں اور مسلمانوں کی مساجد اور زیارت گاہوں کے محصول سے کوئی تعلق نہیں رہا تھا۔ غرضیکہ اُس کو قلبی راحت پہنچانے کے لئے بہت سے ذرائع موجود تھے جن سے اُس کو اطمینان اور تسکین حاصل ہوتی رہتی تھی۔

ڈاکٹر کیری کی زندگی کے آخری دنوں کی کئی قلمی تصاویر اُن لوگوں نے کھینچی ہیں، جنہوں نے اپنی جوانی کے دنوں میں بزرگ ولیم کیری کو دیکھا تھا۔ اُن میں سے ایک مسٹر لیسلی (MR. LESLIE) تھے جنہوں نے ڈاکٹر مارشمین کے داماد ہنری ہیولاک (HENRY HAVELOCK) کی طرف رجوع کیا تھا۔ لیسلی صاحب لکھتے ہیں:-

"ڈاکٹر کیری بہت بیمار رہتے تھے لیکن اب تندرست ہو گئے ہیں اور اُمید کی جاتی ہے کہ وہ بڑی عمر پائیں گے، اور ڈاکٹر مارشمین کو تعجب سے وہ ۔۔۔ ہندوستان آئے ہیں معلوم ہی نہیں کہ بیماری کس کو کہتے ہیں۔ یہ دونوں اس قدر مشقت کرتے ہیں کہ آپ لوگ حیران رہ جائیں گے کہ ہندوستان جیسے ملک میں یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر کیری بہت خوش مزاج اور ملنسار ہیں۔ اُن کی شباہت بالکل ویسی ہی ہے جیسی کہ اُن کی اُس تصویر میں دکھائی گئی ہے جو پنڈت کے ساتھ کھینچی گئی تھی۔ لیکن جس قدر فربہ اُن کو اُس تصویر میں ظاہر کیا گیا ہے اُتنے وہ ہیں نہیں۔

ترجمہ کے بعد علم النباتات اُن کے مطالعہ کا خاص مضمون ہے۔ ہندوستان میں جو پودا یا درخت نشو و نما پا سکتا ہے وہ اُنہوں نے اپنے باغ میں لگایا ہے

اور وُہ اس معاملہ میں اس قدر سلیقہ مند واقع ہُوئے ہیں کہ ہر پودے کو اُس کے مُستند سائنس کے نام سے ہی موسُوم کرتے ہیں . . . .

. . ہم نے رُومیوں ۷ باب کی تیرھویں آیت پر اُن کا وعظ سُنا تھا جس میں اُنہوں نے اپنے سلیقہ اور ترتیب کا نمونہ پیش کیا . . . . اور وُہ ہر کام میں انتہائی محنت اور مُشقّت کرتے ہیں اور سلیقہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے . . . . وُہ جس چیز کو پسند کرتے ہیں اُس سے مُحبّت کرنے لگتے ہیں۔ یہ مُحبّت نہایت گہری ہوتی ہے اور صرف انسانوں تک ہی محدُود نہیں رہتی بلکہ اس میں مقامات و مکانات کو بھی دخل ہے۔ ایک سال کا عرصہ ہُوا کہ اُن کے مکان کا وُہ حِصّہ گر گیا جس میں اُنہوں نے سیرامپور آنے کے بعد سکُونت اختیار کی تھی۔ اس مکان کے مسمار ہوتے سے وُہ بہت رنجیدہ ہُوئے حتّٰی کہ زار و قطار رونے لگے۔ ایک مرتبہ کھانے پر آپ مرحُوم جان تھورنٹن (JOHN THORNTON) صاحب کی سخاوت بیان کر رہے تھے کہ دورانِ گفتگو میں اُن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

اس بزرگ ہستی کو روتا دیکھ کر رنج تو ہوتا ہے لیکن اس میں ایک عجیب دلچسپی ہے کیونکہ اُن کے آنسوؤں سے بھی ایک مردانگی آشکار ہوتی ہے۔"

کیری نے اپنے کالج کے پروفیسروں کے لئے دو[2] یا تین[3] مکان تعمیر کرانے کا ارادہ کیا تھا لیکن اُن میں سے صرف ایک ہی مکمّل ہو سکا یعنی وُہ جس میں کیری نے اپنی زندگی کے آخری دس سال قیام کیا اور جہاں اُس نے وفات پائی۔ اگر نزدیک کے کالج کی عمارت سے اس مکان کا مقابلہ کیا جائے تو اُس کی سادگی سے دراصل یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مکان "انسانوں کے لئے نہیں بلکہ فرشتوں کے واسطے بنا ہے۔"

لندن مشنری سوسائٹی (LONDON MISSIONARY SOCIETY) نے اپنا پہلا وفد ۱۸۲۶ء میں سیرامپور بھیجا۔ اس کے ممبران نے ڈاکٹر کیری سے ملاقات کرنے کے بعد ذیل کے الفاظ قلمبند کئے :-

"ڈاکٹر کیری سے ہماری ملاقات اُن کے دارُالمطالعہ میں ہُوئی اور ہم اُن کی سادگی کو دیکھ کر بہت خوش ہُوئے . . . . آپ پست قد ہیں۔

آپ کے تمام بال سفید ہو چکے ہیں اور آپ کے چہرہ سے خوش خلقی اور محبت برستی ہے"

ڈاکٹر کیری کی آخری بیماری میں ڈاکٹر ڈف اُس سے ملاقات کرنے کو آئے۔ دورانِ گفتگو میں کیری کی مشنری زندگی کے بارے میں بہت کچھ بات چیت ہوئی۔ آخر کار کیری نے اُن سے درخواست کی کہ دُعا کریں۔ چنانچہ ڈاکٹر ڈف نے دُعا کی اور جب الوداع کہکر باہر جانے لگے تو اُن کو خیال ہُوا کہ ایک نہایت ہلکی آواز سے مجھے کسی نے بُلایا ہے۔ پیچھے پھر کر ڈاکٹر کیری کے بستر کے پاس آئے تو ڈاکٹر کیری نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر نہایت متانت سے کہا: "مسٹر ڈف۔ آپ ہمیشہ ڈاکٹر کیری ہی کے گیت گاتے رہتے ہیں۔ جب مَیں مر جاؤں تو مہربانی فرما کر ڈاکٹر کیری کے متعلق کچھ نہ کہیں بلکہ ڈاکٹر کیری کے نجات دینے والے کی نسبت کہا کریں"

ان جملوں میں کیری نے ڈف کو جو سبق دیا وہ ڈف نے تا دمِ مرگ فراموش نہ کیا۔ جب ڈاکٹر کیری پُرانے دوستوں کے ہمراہ ہوتا تو گزشتہ زمانہ کے متعلق بہت کچھ گفتگو ہُوا کرتی تھی۔ مئی ۱۸۳۲ء کی نسبت ڈاکٹر مارشمین رقمطراز ہیں:-

"کل رات میں تقریباً ایک گھنٹہ تک بھائی کیری کے پاس رہا۔ اُن کی عمر اب ستّر سال اور ۹ ماہ کی ہے لیکن ابھی تک وہ بالکل تندرست ہیں۔ آپ ہندوستان کے متعلق اپنے جذبات اور خیالات بیان کر رہے تھے اور ہندوستان کی غیر اقوام کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ نیز وہ اُس زمانہ کو بھی یاد کر رہے تھے جبکہ فلر (FULLER) نے اُن کو نہ پہچانا تھا اور ڈاکٹر رائیلینڈ (DR. RYLAND) کے والد بزرگوار جان رائیلینڈ (JOHN RYLAND) صاحب نے بھی اُن کو جھڑک دیا تھا۔ اگر ان دُشواریوں کے پیشِ نظر کیری بھی اپنے شوقِ خدمت کو سرد ہونے دیتے تو ہندوستان کی کیا حالت ہوتی!!!

اپریل ۱۸۳۳ء میں مسٹر لیچ مَین تشریف لائے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"بزرگ ڈاکٹر کیری صاحب کی صحت بالکل ٹھیک ہے اور ہماری تمام خدمات میں وہ برابر کا حصّہ لیتے ہیں۔ آج سے چالیس سال قبل اسی ماہ کی پہلی تاریخ کو اُنہوں نے لیسیسٹر (LIECESTER) میں پاک عشا کی رسم ادا کی تھی اور

دُوسرے دن اپنے سفر ہندوستان پر روانہ ہوئے تھے۔ اس طویل محنت اور مُشقّت کے زمانہ میں خُداوند نے اُن کی خبرگیری اور حفاظت کی ہے۔"

مندرجہ بالا خط کے دس ماہ بعد کیری کے جانشین میک صاحب نے کرسٹوفر اینڈرسن کو مندرجہ ذیل خط لکھا:-

سیرامپور ۳۱ جنوری ۱۸۳۴ء۔ ہمارے بزرگ اور محترم ڈاکٹر کیری اب تک زندہ ہیں لیکن اُن کی صحت ویسی ہی ہے جیسی کہ گذشتہ تین ماہ میں نظر آتی تھی۔ بوجہ ضعف آپ قطعی کام نہیں کر سکتے اور آپ نہایت کمزور و نحیف ہو گئے ہیں۔ بصد مُشکل چند قدم چلتے ہیں۔ دلبستگی کی غرض سے زیادہ تر وقت پڑھنے میں صرف کرتے ہیں۔ کبھی کبھی غنودگی آجاتی ہے تو بیٹھے ہی بیٹھے تھوڑا بہت سو بھی لیتے ہیں۔

آپ کو کامل دماغی سکون و یکسوئی حاصل ہے۔ اب آپ کا تخیّل اس قدر بلند پرواز نہیں کرتا .... مشن کے کام میں اُن کی دلچسپی اب تک قائم ہے۔ حالانکہ آپ کمزوری کی وجہ سے نہ تو ہمارے صلاح و مشورے میں شریک ہو سکتے ہیں اور نہ ہی عبادتوں میں شامل ہو سکتے ہیں لیکن ہم جو کچھ بھی کریں اُس کی خبر اُن تک پہنچانا لازمی ہوتا ہے۔ غرضیکہ جو کچھ بھی ہم کرتے ہیں اُس میں وُہ ہمارے ساتھ ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ آئندہ موسم گرما کی برداشت نہ کر سکیں گے لیکن ممکن ہے کہ کر لیں۔ بہرحال خُداوند کو جو منظور ہو گا وُہی ہو گا۔"

لندن مشنری سوسائٹی کے مسٹر جارج گوجرلی (GEORGE GOGERLY) نے کتاب "دی پائینیرز" (THE PIONEERS) یعنی پہلے "رہنما" میں ڈاکٹر کیری سے اپنی آخری مُلاقات کا بیان ان الفاظ میں قلمبند کیا ہے:-

"ان دنوں میری مُلاقات مسٹر کیری سے آخری مرتبہ ہُوئی۔ آپ اپنا معمولی لباس زیب تن کئے اپنی میز کے نزدیک بیٹھے تھے۔ آنکھیں بند تھیں اور ہاتھ جُڑے ہُوئے تھے۔ چند دن بیشتر اُنہوں نے نئے عہدنامہ کے ترجمہ کی نظرثانی ختم کی تھی جس کے آخری باب کا پروف آپ کے سامنے رکھا تھا۔

آپ کے سر پر صرف چند سفید بال تھے اور چہرے کا رنگ بھی اُڑ چکا تھا۔ آپ کے چہرے پر نظر کرتے ہی میرے دل میں خوف پیدا ہو گیا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ اُس وقت اپنے مالک کی آواز سُن رہے تھے جو آپ کو بُلا رہی تھی اور آپ جانے کو تیار تھے۔

مَیں آپ کے نزدیک تقریباً نصف گھنٹہ تک بیٹھا رہا لیکن زبان پر ایک حرف بھی لانے کی جرأت نہ کر سکا کیونکہ مَیں اس عجیب خاموشی کو توڑ کر اُس رُوح کو واپس زمین پر لانا نہیں چاہتا تھا جو عالم تخیّل میں آستانۂ الٰہی تک پہنچ چکی تھی۔

آخر کار مَیں نے گفتگو شروع کی اور آج تک مجھے وُہ الفاظ یاد ہیں جو اُنہوں نے مجھ سے کہے۔ پہلے مَیں نے عرض کیا "میرے محترم دوست۔ آپ ابدی زندگی کے دروازے پر کھڑے ہیں۔ لہٰذا گستاخی کی مُعافی کے بعد مَیں اس قدر دریافت کرنا چاہتا ہُوں کہ موت کے متعلّق آپ کے کیا خیالات ہیں۔"

اس سوال کو سُن کر وُہ اپنی بیہوشی سے چونک پڑے اور آنکھیں کھول کر جواب دیا: "جہاں تک میری شخصی نجات کا تعلّق ہے مجھے کوئی اندیشہ یا وسوسہ نہیں ہے۔ کیونکہ جس کا مَیں نے یقین کیا ہے اُسے جانتا ہُوں اور مجھے یقین ہے کہ وُہ میری امانت کی اُس دن تک حفاظت کر سکتا ہے[۱]۔ لیکن جب مَیں یہ خیال کرتا ہُوں کہ مَیں ایک خُدائے قدّوس کی حضوری میں جانے والا ہُوں اور جب مَیں اپنی بے شمار خطاؤں اور لاتعداد کوتاہیوں کو یاد کرتا ہُوں تو مَیں کانپ اُٹھتا ہُوں۔" اس سے زیادہ وُہ کچھ نہ بول سکے۔ اُن کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے اور وُہ پھر اُسی خاموشی کی حالت میں پہنچ گئے جس سے مَیں نے اُن کو جگایا تھا۔

* * * * *

اس واقعہ کے چند دنوں بعد ڈاکٹر کیری بسترِ مرگ پر دراز ہو گئے۔"

۱۵- جُون ۱۸۳۳ء کو ڈاکٹر کیری نے اپنے بیٹے جوناتھن (JONATHAN)

---

[۱] ۲- تیمتھیُس ۱ باب ۱۲ آیت۔

کو مندرجہ ذیل مختصر سا خط لکھا :۔

"میرے عزیز جانسٹن۔ تم کو جو خوشی کی خبر ملی اُس کے لئے مَیں تم کو مبارکباد دیتا ہُوں لیکن مجھے افسوس ہے کہ لُوسی (Lucy) اب تک بیمار رہے۔ مَیں بہت کمزور ہو گیا ہُوں لہٰذا اس سے زیادہ لکھنے کی مُجھ میں طاقت نہیں۔ تمہاری والدہ کی طبیعت موسم کے لحاظ سے ٹھیک ہے اور اپنی نسبت اس قدر لکھتا ہُوں کہ میری جو حالت گذشتہ دو ہفتے سے رہی ہے اُس سے موت بہتر ہے۔

تمہارا مُشفق باپ

ڈبلیو کیری"

اس کے بعد ہی سال کا بدترین موسم یعنی موسم گرما شروع ہو گیا اور اس موسم کے آتے ہی سب کو یقین ہو گیا کہ اب اُس کی شمعِ حیات ضرور بُجھ جائے گی۔ ۲۷ جولائی ۱۸۳۳ء کو اُس نے اپنی بہنوں کو ذیل کے الفاظ تحریر کئے :۔

"قریب ایک ہفتہ ہُوا کہ میرے اندر ایک ایسی بڑی تبدیلی واقع ہو گئی تھی جس نے مجھے موت سے ہمکنار کر دیا تھا اور میرے بچّوں کو اس کی اطلاع دے دی گئی تھی جو آکر مجھ سے مُلاقات بھی کر گئے۔ لیکن اس کے بعد سے میری حالت مُعجزانہ طور پر سنبھلتی چلی گئی ورنہ مَیں تم کو یہ خط نہ لکھ سکتا۔ تاہم میرا خیال ہے کہ یہ صحت بہت دن قائم نہ رہے گی۔ خُداوند کی مرضی پُوری ہو۔ الوداع اُس وقت تک کے لئے جب مَیں تم سے آئندہ زندگی میں مُلاقات کروں گا۔

تمہارا مُشفق بھائی

ڈبلیو کیری"۔

مگر مندرجہ بالا خط کے دو ماہ بعد وُہ پھر اس قدر تندرُست ہو گیا کہ کبھی کبھی کتابِ مُقدّس کے پرُوف کا ایک آدھ صفحہ پڑھ کر تصحیح کر دیتا تھا۔

ڈاکٹر کیری اپنی بہنوں کو ایک اور خط میں لکھتے ہیں :۔

"سیرامپور ۲۵ ستمبر ۱۸۳۳ء۔ میری عزیز بہنو۔ نہ تو مجھے اور نہ ہی کسی اور کو یہ اُمّید تھی کہ مَیں دوبارہ تم کو خط لکھنے کے قابل ہو جاؤں گا۔ لیکن

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی مرضی یہی ہے کہ میں کچھ دن اور زندہ رہوں۔ یہ کتنے عرصہ کے لئے ہوگا اس کا انحصار مشیّت ایزدی پر ہے۔ میں اپنی جنگ کے کُل ایّام میں مُنتظر رہتا جب تک کہ چھٹکارا نہ ہوتا۔ دو ماہ سے زیادہ عرصہ ہوا کہ میری حالت بہت کم ہو گئی تھی اور میں اس قدر دماغی کمزوری محسوس کرتا تھا کہ مجھے دماغ کے مُعطّل ہو جانے کا فکر دامنگیر ہو گیا تھا۔ جسمانی کمزوری۔ تکان اور کسل کا یہ عالم تھا کہ میں بات تک نہیں کر سکتا تھا۔ اور مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں موت کی تکلیف کو بھی محسوس نہ کروں گا اور یہ بھی ایسی ہی ہوگی جیسے ایک کُرسی سے اُٹھا کر دوسری پر بٹھا دیا گیا ہوں۔

اب میں بیٹھ بھی سکتا ہوں اور کوچ پر بھی دراز ہو سکتا ہوں اور کبھی کبھی کتابِ مُقدّس کے پرُوف کا ایک آدھ صفحہ پڑھ کر تصحیح بھی کر لیتا ہوں۔ لیکن میں اس قدر کمزور ہو گیا ہوں کہ سوائے کمرہ کے ایک کونے سے دُوسرے کونے تک جانے کے اور زیادہ چل پھر نہیں سکتا اور بغیر سہارے کے چند منٹ سے زیادہ کھڑا نہیں رہ سکتا۔ مہربان دوست جو بھی سہُولت اور آرام پہنچا سکتے ہیں وُہ مجھے بے دریغ پہنچاتے ہیں اور مجھے دماغی اطمینان حاصل ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اب وقت کا تعیّن ہو چکا ہے اور میں جانے کے لئے تیار رہوں۔ لیکن میں کس وقت جاؤں گا اس کا علم خُدا ہی کو ہے۔

۱۴۔ اکتوبر۔ جس وقت میں نے یہ خط شروع کیا تھا اُس کے مقابلہ میں اب میری حالت زیادہ خراب ہو گئی ہے۔ میں ہُوں

تمہارا مُشفق بھائی

ولیم کیری"

وفات سے پہلے ہی کیری نے ہدایت کر دی تھی کہ اُس کے عزیز شاعر واٹس (WATTS) دو سطروں سے زیادہ اور کوئی کتبہ اُس کی قبر پر کندہ نہ کریں۔

ے ایوب ۱۴ باب ۱۴ آیت۔

وُہ سطور یہ ہیں :-

"A WRETCHED POOR AND HELPLESS WORM
ON THY KIND ARMS I FALL."

(ترجمہ :- " تیرے آغوشِ عاطفت میں مَیں ایک حقیر اور بے کس و ناتوان کیڑے کی طرح گرتا ہُوں"۔)

۹ جُون ۱۸۳۴ء کو جبکہ اُس کی عُمر ۷۳ سال سے کچُھ کم تھی "ہندوستان کے دوست" ولیم کیری کا انتقال ہُوا۔ مارشمین اُس کے دُکھ مُصیبت میں اُس کا ساتھی رہا۔ وفات سے چند گھنٹے پیشتر مارشمین اُس کے پاس گیا اور اُس کے بستر کے قریب ایک گھنٹہ تک دُعا میں مشغُول رہا۔ اُس کے بعد مسز کیری نے اُس سے پُوچھا کہ "جو صاحب آپ کے پاس دُعا کر رہے ہیں اُن کو آپ پہچانتے ہیں ؟" ایک لمحہ کے لئے کیری کے چہرہ پر تبسّم کے آثار نمایاں ہُوئے۔ نزع کی حالت میں ہونے کی وجہ سے اُس نے بمُشکل اس قدر کہا۔ "ہاں! جانتا ہُوں" اَور یہ کہہ کر مارشمین سے مصافحہ کیا۔ اس کے بعد مارشمین چلا گیا اور پھر مُلاقات نہ ہوسکی کیونکہ مارشمین کے واپس آنے سے پہلے ہی کیری کا طائرِ رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکا تھا۔ مگر یہ جُدائی محض ساڑھے تین سال کے قلیل عرصہ تک ہی رہی کیونکہ اس مُدّت کے بعد مارشمین بھی اپنی زندگی کی دَوڑ ختم کر کے اَبدی آرام میں داخل ہوگیا تھا۔

Scanned with CamScanner

پی - آر - بی - ایس پریس لاہور میں باہتمام مسٹر وی - ایس - کے فضل
(پرنٹر و پبلشر) سیکرٹری پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی - انارکلی لاہور
چھپ کر شائع ہوئی -

Printed at the P.R.B.S. Press
and Published by
Mr. V.S.K. Fazal, Secretary,
Punjab Religious Book Society,
Anarkali, Lahore.